بین المذاہب تعلقات میں تکریمِ مقدسات کا کردار

(مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محمد آصف رحیم

اسکالر ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 18-Mphil/IS/S22

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

مارچ، 2025ء

بین المذاہب تعلقات میں تکریمِ مقدسات کا کردار

(مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

حافظ محمد آصف رحیم

رجسٹریشن 18-Mphil/IS/S22

اسکالر ایم فل علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2022-2025ء

حافظ محمد آصف رحیم

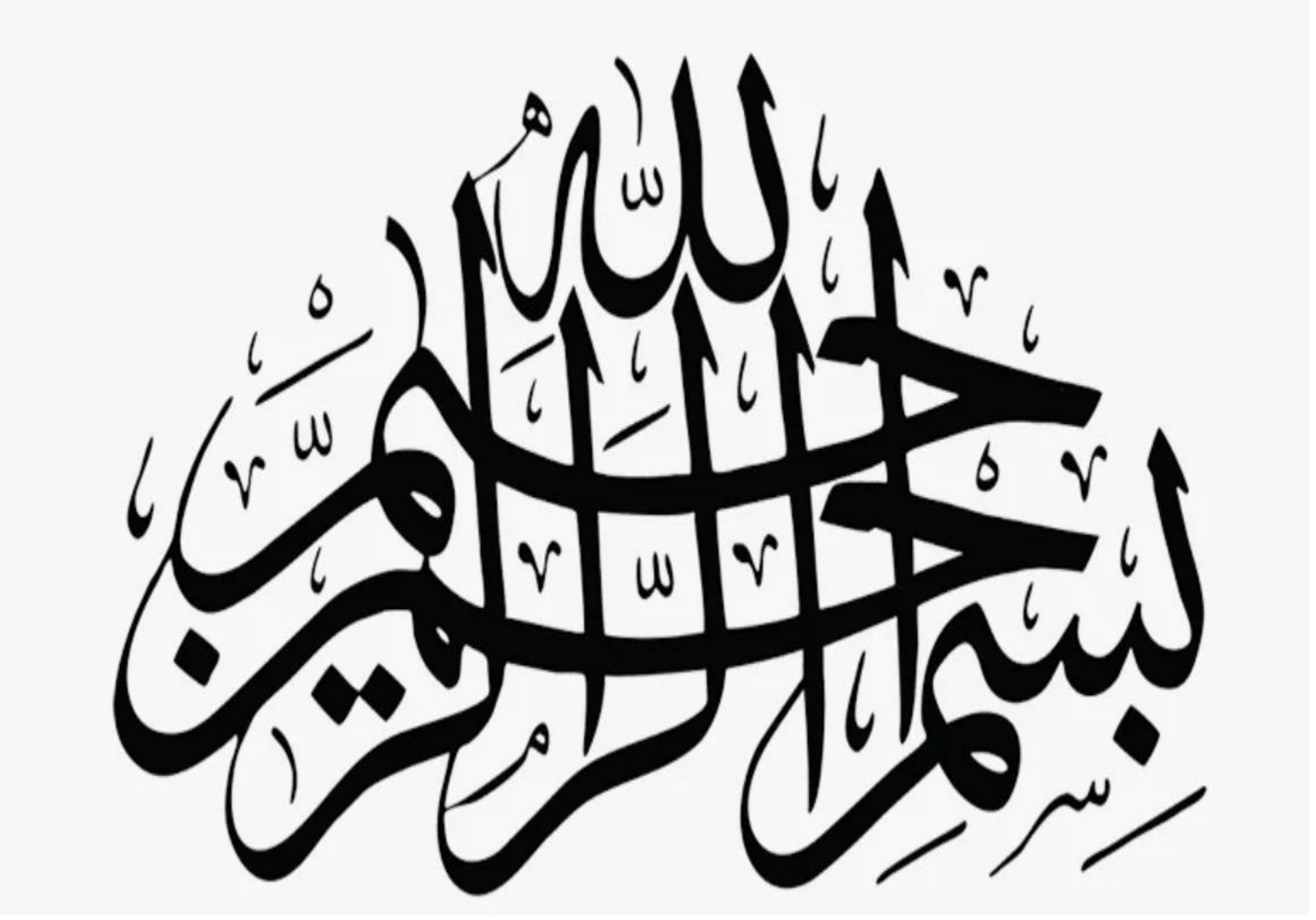
بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائینسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **بین المذاہب تعلقات میں تکریمِ مقدسات کا کردار**

The Role of Respect of Religious Sanctities in Interfaith Relations

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حافظ محمد آصف رحیم

رجسٹریشن نمبر: 18-Mphil/IS/S22

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ

حلف نامہ

(Candidate Declaration Form)

میں حافظ محمد آصف رحیم ولد رحیم بخش

رجسٹریشن نمبر 18-Mphil/IS/S22

طالب علم، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **بین المذاہب تعلقات میں تکریمِ مقدسات کا کردار**

The Role of Respect of Religious Sanctities in Interfaith Relations

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر ریاض احمد سعید** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **حافظ محمد آصف رحیم** دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract

The Role of Respect of Religious Sanctities in Interfaith Relations

It is a matter of fact that whenever the holy things of religion are insulted, the followers of that religion are hurt, and feelings of hatred and anger flare up against the perpetrator of the insult. In modern times, some miscreants tried to disturb the world's peace by insulting the holy places.

Therefore, it is necessary to take measures that guarantee coexistence, peace, and security. Of course, one of these measures is respecting and honoring the religious sanctuaries and highlighting their religious sensibility. Along with giving, it is necessary to make people aware of the prohibition of desecration of the holy things of other religions.

In this context, this study is an effort to study the commonalities and differences on the issue of the sacredness and respect of the religious rituals and symbols of the world's major religions in terms of population. Furthermore, a comparative study of the holy things of religions will be presented.

This study will adopt the analytical research methodology with a qualitative research approach. This study perceives that most issues regarding disrespect of religion are due to ignorance and misconceptions. Therefore, it is a need for hours to take steps to disseminate about the sanctity of religious rituals. It may be fruitful for peaceful coexistence of different religions.

The worst situation of peace and order that the world is facing nowadays is not hidden from anyone and the tension in inter-religious differences is increasing day by day. In view of this situation, there is an urgent need of the hour to take such measures that will promote inter-religious unity and agreement and lead to peaceful co-existence and restoration of peace and security. It is also to enlighten the great, therefore, in the present paper, an effort will be made to highlight the need for and importance of peaceful inter-faith relations and respect for sacred things.

Keywords: Interfaith Relations, Respect, Religious Sanctities, Peace and peaceful Coexistence

ملخص

بین المذاہب تعلقات میں تکریم مقدسات کا کردار

اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب بھی کسی مذہب کے مقدسات کی توہین کی جاتی ہے تو اس مذہب کے ماننے والوں کو ٹھیس پہنچتی ہے اور توہین کے مرتکب کے خلاف نفرت اور غصے کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ جدید دور میں کچھ شر پسندوں نے مقدس مقامات کی توہین کر کے دنیا کے امن کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔اس لیے ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جو بقائے باہمی، امن اور سلامتی کی ضمانت دیں۔ بلاشبہ، ان اقدامات میں سے ایک مذہبی مقدسات کا احترام اور ان کی مذہبی حساسیت کو اجاگر کرنا ہے اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی مقدس چیزوں کی بے حرمتی کی ممانعت سے بھی لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔

اس تناظر میں یہ مقالہ آبادی کے لحاظ سے دنیا کے بڑے مذاہب کی تعلیمات پر مشتمل ہے اس مطالعہ میں کوالٹیٹیو ریسرچ اپروچ کے ساتھ تجزیاتی تحقیق کے طریقہ کار کو اپنائے گیا ہے۔ اس مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ مذہب کی بے حرمتی کے متعلق زیادہ تر مسائل لاعلمی اور غلط فہمیوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا، مذہبی مقدسات کے تقدس کے بارے تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مختلف مذاہب کے پرامن بقائے باہمی کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔

آج کل دنیا امن و امان کی جس بدترین صورتحال سے دوچار ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اور بین المذاہب اختلافات میں تناؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اس صورتحال کے پیش نظر ایسے اقدامات اٹھانے کی اشد ضرورت ہے جو بین المذاہب اتحاد و اتفاق کو فروغ دیں اور پرامن بقائے باہمی اور امن و سلامتی کی بحالی کا باعث بنیں۔ ان میں ایک مذہبی مقدسات کی تعظیم کو اجاگر کرنا بھی ہے، اس لیے موجودہ مقالے میں پرامن بین المذاہب تعلقات اور مقدس چیزوں کے احترام کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: بین المذاہب تعلقات، احترام، مذہبی مقدسات، امن اور پرامن بقائے باہمی, امن عالم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ	v
2	حلف نامہ	vi
3	Abstract	vii
4	ملخص	viii
5	فہرست مضامین	ix
6	اظہار تشکر	xvii
7	انتساب	xviii
8	**باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق تعارفی مباحث**	1
9	**فصل اول**	1
10	مقدمہ	1
11	موضوع کا تعارف(Introduction to the Study)	1
12	ضرورت واہمیت Significance of the Study))	3
13	سابقہ کام کا تحقیقی جائزہ(Review of Literature)	4
14	جواز تحقیق(Rationale of The Study)	10
15	بیان مسئلہ(Statement of the Problem	10
16	مقاصد تحقیق Objective of The Study))	11
17	سوالات تحقیق((Research Questions	11
18	منہج تحقیق Research Methodology))	11
19	**فصل دوم**	11
20	**مذاہب عالم میں تقدیس کا تصور**	12

21	**باب دوم: مذہب اور پر امن بقائے باہمی**	12
22	فصل اول: امن عالم سے متعلق مذہبی تعلیمات	13
23	فصل دوم: پر امن بقائے باہمی میں مذہب کا کردار	31
24	**باب سوم: بین المذاہب تعلقات مذہبی تعلیمات اور عصری مسائل**	68
25	فصل اول: بین المذاہب تعلقات اور مذہبی تعلیمات	83
26	فصل دوم: بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات اور تدارک	85
27	**باب چہارم: تکریم مقدسات اور بین المذاہب تعلقات**	95
28	فصل اول: تکریم مقدسات کا پر امن بقائے باہمی میں کردار	148
29	فصل دوم: احترام مقدسات سے متعلق عصری قانون سازی اور مسائل کا تجزیہ	160
30	خلاصہ بحث	161
31	نتائج بحث	211
32	تجاویز و سفارشات	229
33	فہرست آیات مبارکہ	254
34	فہرست احادیث مبارکہ	257
35	فہرست بائبل	259
36	فہرست اصطلاحات	260
37	مصادر و مراجع	262

اظہارِ تشکر (Acknowledgements)

الحمدلولیه والصلوة علی نبیه وعلی اله واصحبه المتادبین بادابه اما بعد! تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے جس کے فضل و کرم سے تحقیق و جستجو کی توفیق ملی اور مقالہ تکمیل کو پہنچا۔ میں رب العالمین کے حضور دست بادعاہوں کہ وہ اس تحقیقی کاوش کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں اسے مثبت اثرات کا حامل بنائے۔ آمین

ان گنت درود و سلام محمد و آل محمد پر جن کی نظر عنایت اور شفاعت مجھ گناہگار کے لیے بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے۔

پیارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کا مصداق اپنے والدین اور تمام اساتذہ کرام کا اور خصوصاً اپنے سپر وائزر ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی راہنمائی تحقیقی مراحل طے کرنے کا ذریعہ بنی۔ نیز تمام دوست احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے تحقیقی کام میں کسی بھی طرح تعاون کیا۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

انتساب(Declaration)

میں اپنی اس تحقیقی و علمی کاوش کو اپنے واجب الاحترام والدین اور اساتذہ کرام کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی دعائیں اور تربیت میری زندگی کا سرمایہ ہے

باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث

فصل اول: مقدمہ

1۔ موضوع کا تعارف (Introduction to the Study)

انسان فطری طور پر مذہب کی طرف مائل ہے یعنی انسان فطرتاً مذہبی واقع ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ اگر انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے ہر دور میں انسان کسی نہ کسی مذہب سے منسلک رہے ہیں اس سے انسانی زندگی میں مذہب کی ضرورت واہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

دور حاضر میں ایسا کوئی بڑا شہر نہیں رہا جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان، مذہب اور تہذیب کے لوگ نہ رہتے ہوں اور یہ ممکن بھی نہیں رہا۔ اس لئے اب اقوامِ عالم ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں تمام مذاہب پر امن بین المذاہب تعلقات سے متعلق رہنمائی فراہم کرتے ہیں

دنیا کی تقریباً 85٪ آبادی کسی نہ کسی مذہب سے منسلک ہے جب ہر معاشرہ کسی نہ کسی دین ومذہب کے تابع ہو تو یہ لازمی امر ہے وہاں کے باشندوں کے ہاں اپنی مذہبی تعلیمات کی بنا پر کچھ شعائر، شخصیات اور جگہیں بھی ضرور ہوں گی جنہیں وہ مقدس ومحترم مانتے ہوں گے مثلاً قرآن مجید میں شعائر کی تعظیم وتکریم سے متعلق ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾[1]

"یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص، ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں، عظمت رکھے، تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔

بائبل میں بھی توہین مقدسات کو بڑا جرم قرار دیا گیا ہے جیسے انجیل لوقا میں توہین پیغمبر کو ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا گیا ہے۔

"جو کوئی ابن آدم کے خلاف کچھ کہے گا، اسے بخش دیا جائے گا لیکن جو پاک "روح" کے خلاف کفر بکے گا اسے نہیں بخشا جائے گا"[2]

---

[1] الحج:32

[2] انجیل لوقا 22:10 (بائبل اردو ایڈیشن)، انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، کلوریڈو، امریکہ، 2005ء

اسی طرح دیگر مذاہب میں بھی مذہبی مقدسات کی تکریم و تعظیم کا واضح تصور موجود ہے
یہ بات مسلمات میں سے ہے جب بھی کسی مذہب کے مقدسات کی توہین کی گئی ہے تو اس مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری ہوئی ہے اور توہین کے مرتکب کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کے جذبات بھڑاٹھے ہیں عصر حاضر میں بعض شر پسند عناصر مقدسات کی توہین کر کے امن عالم کو داؤ پر لگانے کی کی کوشش کرتے ہیں
عصر حاضر میں دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ویلج کا روپ دھار چکی ہے یعنی دنیا کے کسی حصے میں پیش آنے والے واقعہ کی خبر آن واحد میں پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت انسان نے جہاں اپنی سہولت کے لیے بے شمار ایجادات کی ہیں وہیں اپنی تباہی کے لیے خطرناک ترین ہتھیار بھی بنا لیے ہیں جو آن واحد میں شہروں کے شہر صفحہ ہستی سے مٹا سکتے ہیں لہٰذا ایسے اقدامات اٹھانا ضروری ہیں جو بقائے باہمی اور امن و سلامتی کے ضامن ہوں یقیناً ان اقدامات میں سے ایک مذہبی مقدسات کی تعظیم و تکریم اور ان کی مذہبی حساسیت کو اجاگر کرنا بھی ہے عوام الناس کو اپنے مذہبی مقدسات کی تعظیم و تکریم سے متعلق احکامات کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے مقدسات کی بے حرمتی کی ممانعت سے روشناس کرانا وقت کی اشد ضرورت ہے یقینا تکریم مقدسات پر امن بین المذاہب تعلقات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے

2۔ضرورت واہمیت(Significance of the Study)

امن دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اہم ہے دنیا کا ہر تہذیب یافتہ انسان' فطرتاً امن پسند اور بہر حال پُر سکون اور خوش گوار زندگی کا خواہاں ہے۔ دہشت و بربریت اور بدامنی و بے چینی سے اس کی طبیعت ابا کرتی ہے۔
بین المذاہب اختلافات میں کشیدگی اور امنِ عالم کا مسئلہ موجودہ دور میں ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جو تمام انسانیت کے لئے بہت اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ عمومی تباہی پھیلانے والے وہ ہتھیار جنہیں بڑی عالمی قوتوں نے تیار کر رکھا ہے، کرۂ ارض کو متعدد بار تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ صورتحال اس وقت بہت خطرناک ہو جاتی ہے جب ہم بڑے ممالک کی بعض غیر ذمہ دار شخصیات اور اصحابِ علم و دانش کو اقوام اور تہذیبوں کو یہ الٹی میٹم دیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ "تہذیبوں کے درمیان ایک عالمگیر تصادم ہونے والا ہے" جو اگر خدانخواستہ وقوع پذیر ہو گیا تو انسانیت نے کئی صدیوں کی جدوجہد سے جو ترقی و خوشحالی اور علم و معرفت کی دیا جلائی ہے اس کا خاتمہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس لئے امنِ عالم کی جو اس وقت ضرورت ہے شاید وہ کبھی نہیں تھی.
عصرِ حاضر میں امنِ عالم کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ آج کا دور سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے۔ سائنسی ایجادات نے دنیا کے فاصلوں کو سمیٹ کر اسے ایک عالمی قریہ (Global Village) بنادیا ہے۔ آج مغرب کی خبر مشرق اور مشرق کی خبر مغرب میں پہنچنے میں دیر نہیں لگتی، بلکہ کیبل اور انٹرنیٹ سسٹم کے تحت براہِ راست اہم واقعات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آج

مغرب کے بہت سارے مفاد مشرق میں اور مشرق کے بہت سارے مفاد مغرب میں ہیں۔ مغرب مشرق کے اور مشرق مغرب کے حالات سے متأثر ہو رہا ہے۔

آج کل ایسا کوئی بڑا شہر نہیں رہا جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان، مذہب اور تہذیب کے لوگ نہ رہتے ہوں اور یہ ممکن بھی نہیں رہا۔ اس لئے اب اقوامِ عالم ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں۔ اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ وہ آپس میں پر امن طریقے سے مل جل کر رہیں۔ نسلی، لونی، لسانی، وطنی اور مذہبی اختلاف کو کائناتی فطری اختلاف کی طرح سمجھ کر برداشت کریں۔ اور اقوامِ عالم میں جو مشترکہ نکات ہیں ان کو تلاش کر کے ان پر جمع ہونے کی کوشش کریں۔ اور امنِ عالم میں رخنہ ڈالنے والے اور فساد و بگاڑ پیدا کرنے والے اسباب تلاش کر کے ان کو دور کریں اور پر امن بقائے باہم (Peaceful Co-existence) کا فارمولا اپنائیں تاکہ وہ اس جدید گلوبل ویلیج میں آپس میں امن و آشتی سے رہ سکیں۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے جب بھی کسی مذہب کے مقدسات کی توہین کی گئی ہے تو اس مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری ہوئی ہے اور توہین کے مرتکب کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کے جذبات بھڑ اٹھے ہیں عصر حاضر میں بعض شر پسند عناصر مقدسات کی توہین کر کے امن عالم کو داؤ پر لگانے کی کی کوشش کرتے ہیں۔

لہذا ایسے اقدامات اٹھانا ضروری ہیں جو پر امن بقائے باہمی اور امن عالم کے ضامن ہوں یقیناً ان اقدامات میں سے ایک پر امن بین المذاہب تعلقات کی ضرورت واہمیت اور مذہبی مقدسات کی تعظیم و تکریم اور ان کی مذہبی حساسیت کو اجاگر کرنا بھی ہے عوام الناس کو پر امن بین المذاہب تعلقات سے متعلق مذہبی تعلیمات اور مذہبی مقدسات کی تعظیم و تکریم سے متعلق احکامات سے آگاہ کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے مقدسات کی بے حرمتی کی ممانعت سے روشناس کرانا وقت کی اشد ضرورت ہے۔

3-سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ (Review of Literature)

مقالہ جات (Theses)

1۔ **دین اسلام میں مذاہب عالم کے مقدسات کی تعظیم و تکریم** (M.Phil.)، مقالہ نگار۔ خلیل احمد یوسفی، نگران۔ڈاکٹر محمد طاہر مصطفی، یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور 2019ء

یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں سامی اور غیر سامی یعنی مذاہب عالم کے بنیادی عقائد کو بیان کیا گیا ہے دوسرے باب میں سامی اور غیر سامی مذاہب کے مقدسات کو بیان کیا گیا ہے جبکہ تیسرے باب میں اسلام کا فلسفہ رواداری اور تعظیم و تکریم نیز مقدسات کی تعظیم سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر واضح کیا گیا ہے۔

2۔ **بین المذاہب تعلقات: سامی ادیان کی تعلیمات کا تجزیہ**، (PhD) مقالہ نگار، حافظ محمد وسیم عباس، نگران۔ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ، 2020ء

یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے اس میں مذہب اور انسانی زندگی کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے بین المذاہب تعلقات سے متعلق سامی مذاہب کی تعلیمات نہایت تفصیل سے بیان کی گئی ہیں نیز اسلامی تعلیمات سے عہد نامہ قدیم وجدید کا تقابل وتجزیہ پیش کیا گیا ہے

3۔ **دینی مقدسات کی حرمت، سیرت نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ** (PhD)، مقالہ نگار، محمد عرفان ، نگران ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2016ء

، یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے اس میں دینی مقدسات کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیا گیا ہے اور دینی مقدسات کی حرمت سے متعلق مذاہب عالم کے تصور کو پیش کیا گیا ہے انبیاء کرام، آسمانی کتب، عبادات اور مقدس مقامات کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے نیز دینی مقدسات کی حرمت سے متعلق ائمہ اربعہ کی آراء اور پاکستان میں قانون سازی کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

4۔ **قرن اول میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصر حاضر**، (PhD) مقالہ نگار، محمد اسلم صدیقی ، نگران، ڈاکٹر حافظ محمود اختر، جامعہ پنجاب لاہور، 2002ء

یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے اس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی غیر مسلموں سے تعلقات کی اقسام کو بیان کیا گیا ہے ریاست مدینہ میں غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات کو وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے خلافت راشدہ اور اموی دور حکومت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کو تفصیلا بیان کیا گیا ہے عصر حاضر اور مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات سے متعلق اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے

5۔ **اسلامی ریاست میں غیر مسلمو ں کے معابد تاریخی و شرعی جائزہ** (M.Phil.)، مقالہ نگار: محمد منشاء طیب، زیر نگرانی: احسان الرحمن غوری، ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور 2007ء،

یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب اسلامی ریاست کے معنی ومفہوم اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق پر مشتمل ہے دوسرا باب معابد کے معنی ومفہوم، معابد کی تاریخ اور مختلف مذاہب میں معابد کے تصور پر مشتمل ہے تیسرا باب اسلامی ریاست اور غیر مسلموں کے معابد کا تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے یعنی عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین نیز مابعد کے ادوار میں غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت سے متعلق اقدامات کو ذکر کیا گیا ہے چوتھے باب میں جزیرہ عرب تعمیر معابد، دیگر اسلامی خطوں میں تعمیر معابد اور معابد کی نقل مکانی اور تعمیر نو سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے پانچواں باب اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی عبادت، مذہبی شعار کے اظہار اور مذہبی اصوات کے احکامات پر مشتمل ہے۔

6۔بانیان مذاہب کا تقدس اسلامی اورسیکولر افکار کی روشنی میں تحقیقی وتقابلی جائزہ ،(PhDمقالہ نگار:حافظہ ام سلمی، نگران مقالہ غلام شمس الرحمن ،شعبہ علوم اسلامیہ،بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان،2013 ء
اس مقالہ میں مذاہب کے بانیان کاتعارف اور تعظیم وتوقیر کے متعلق اسلامی نقطہ نظر اورسیکولر افکار کاتقابلی جائزہ کیاگیاہے

7-Stories Saints, and Sanctity Between Christianity and Islam in the Middle Ages, (PhD), Reyhan Durmaz, Brown University Island ,2019

اس مقالہ میں قرون وسطی میں مسیحیت اور اسلام کے درمیان کہانیاں سنانے ،سنتیں اور تقدیس کی روایت سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں قصص اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد روایات کی تشہیر سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اسلامی لٹریچر میں کرسچیئن ہیوگرافی کے غیر قرآنی افعال ،جنوبی عرب کی تاریخ اور ذوالقرنین کا تذکرہ تاریخ طبری کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اسلامی ادب میں عیسائی ہیوگرافی کا ایک نظریاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے راہب وراہبانیت اور حرمت اسلامی کا تصور اجاگر کیا گیا ہے۔

آرٹیکلز(Research Papers)

1۔**سامی اور غیر سامی مذاہب کے مقدسات اور ان کی تعظیم اسلام کی نظرمیں**،خلیل احمد یوسفی۔محمد ابراہیم طاہر کیلانی۔حافظ بابر حسین، مجلہ جہان تحقیق، جلد5 شمارہ2،2022 صفحہ(198-209)
اس میں سامی اور غیر سامی یعنی مذاہب عالم کے مقدسات کو بیان کیا گیا ہے مقدسات میں شخصیات،کتب،مقامات اور ایام کوذکر کیا گیا ہے مزید برآں مقدسات کی تعظیم کے حوالے سے اسلام کا نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے۔

2۔**غیر مسلموں کے مقدس مقامات کا تحفظ،سیرت طیبہ اور مسلم حکمرانوں کے عملی اقدامات کا مطالعہ**،سکینہ شہزادی ۔ڈاکٹریاسمین نذیر۔ مجلہ القمر جلد۔4 شمارہ2اشاعت اپریل-جون 2021ء صفحہ(473-484)
اس میں غیر مسلموں کے مقدس مقامات کے تحفظ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور عملی اقدامات کو پیش کیا گیا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواثیق اور معاہدات اور فرامین کی روشنی میں یہ بات واضح کی گئی ہے کی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کا تحفظ ان کا مذہبی اور قانونی حق ہے۔اسکے علاوہ خلفائے راشدین اور عہد بنوامیہ میں غیر مسلموں کے مقدس مقامات کے تحفظ کے حوالے سے کیے گئے اقدامات کوذکر کیا گیا ہے۔

3۔**سامی مذاہب کی تاریخ،ان کی مذہبی حساسیت اور پاکستانی قانون توہین رسالت۔ایک مطالعہ**،فواد سعید،ڈاکٹر مشتاق احمد،ڈاکٹر سہیل اختر، مجلہ القمر جلد4شمارہ1، جنوری-مارچ2021ء ص(477-486)

اس مقالہ میں سامی مذاہب کا تعارف نہایت مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان مذاہب کی مذہبی حساسیت یعنی مقدسات کی توہین وتضحیک پر ہونے والی دل آزاری اور غم وغصہ کو بیان کیا گیا ہے نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں توہین مذہب کا قانون19 ویں صدی میں برصغیر میں انگریزوں کے رائج قوانین کی مرہون منت ہے۔

4۔**مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی روایت۔عصری تطبیقات**،حافظ محمد نوید۔ڈاکٹر محمد ریاض محمود ، مجلہ ایقان، جلد3، شمارہ1 دسمبر2020ء ص(59-70)

اس مقالہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ مذہبی،سیاسی اور سماجی اعتبار سے نہایت اہم معاملہ ہے اسلام نے غیر مسلموں کے حقوق کی ادائیگی کے ضمن میں واضح تعلیمات دے رکھی ہیں عصر حاضر می عوام الناس غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ و تعمیر سے متعلق اسلامی تعلیمات سے نابلد ہیں لہذا عوام الناس کو ان تعلیمات سے روشناس کرانے کی ضرورت ہےاس حوالےسے متعلقہ ادارے بھی اپنا کردار درست طریقے سے ادا نہیں کر رہے جس کی وجہ سے معاشرہ مختلف مسائل کا شکار ہو سکتا ہے

5.Muslim-Christian Relation in Era of Prophet Muhammad (PBUH) Review of Delegation s Case in Modern Context, Dr Riaz Ahmad Saeed, AMJRT1:2 (2019) pp .17-37

اس مقالہ میں مسلم عیسائی تعلقات کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے خصوصا نجران وفد کے واقعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اقدس میں مسلم عیسائی تعلقات کی مذہبی بنیادوں کے طور پر تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اس کی عصری معنویت بیان کی گئی ہے نیز یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نجران کے وفد کا معاملہ اس دور کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا عملی تعامل تھا لہذا ہم اس کے جدید اطلاقات اور تشریحات کے ساتھ اس سے مستفید ہو سکتے ہیں مزید بر آں اس واقعے میں بین المذاہب مکالمے اور پر امن بقائے باہمی کو بہتر بنانے کے لیے بہت سے جدید اطلاقات ہیں

کتب(Books)

1۔**تحفظ ناموس رسالت اسلامی وعالمی قانون**، پیر سید حبیب الحق کاظمی ایڈووکیٹ، اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی،2020ء

یہ کتاب تحفظ ناموس رسالت پر نہایت جامع ومستند ہے اس میں گستاخانِ رسول کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے اور خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طرز عمل بیان کیا گیا ہے کتب سماویہ میں ناموسِ انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق تعلیمات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں توہین رسالت کے مرتکب سے متعلق فقہائے کرام کے اقوال ودلائل

جمع کیا گیاہے توہین مذہب سے متعلق مسلم وغیر مسلم ممالک کے قوانین کو اختصار سے ذکر کیا گیاہے پاکستان میں توہین رسالت اور مقدسات کی بے حرمتی سے متعلق قوانین کو تفصیلاً بیان کیا گیاہے یورپ میں آزادی اظہار رائے سے متعلق قانون مع حدودوقیود بیان کیا گیا ہے ۔

2۔ **مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات**، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز، جون 2020ء

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات کے متعلق نہایت تفصیل سے احکامات بیان کیے گئے ہیں اہل ذمہ غیر مسلموں کے بنیادی انسانی حقوق یعنی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ سے متعلق مسلم حکمران کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیاہے حالت جنگ میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کے قتل کی ممانعت سے متعلق احکامات ذکر کیے گئے ہیں نیز سفارت کاروں، کسانوں، تاجروں اور جنگ نہ کرنے والوں کے قتل کی ممانعت سے متعلقہ احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

3۔ **غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی**، یوسف عبد اللہ القرضاوی مصری، مکتبہ وھبہ شارع الجمھوریہ القاہرہ مصر، 1992ء

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق وفرائض پر نہایت جامع کتاب ہے اس میں اسلامی معاشرے کے تصور اور اہل اسلام کے غیر مسلموں سے تعلقات کے دستور کو بیان کیا گیاہے ذمیوں کے حقوق میں مذہبی آزادی، جان ومال کاتحفظ عزت وآبرو کاتحفظ داخلی ظلم وستم سے امان خارجی حملوں سے دفاع حاصل ہونا بیان کیا گیاہے نیز ذمیوں کے فرائض میں جزیہ کی ادائیگی، قانون مملکت کی پاسداری اور اہل اسلام کے احساسات کا احترام کرنا ذکر کیا گیاہے

4۔ **احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام**، الدکتور عبد الکریم زیدان، مکتبہ القدس بغداد عراق 1982ء

اس کتاب میں ذمی اور مستامن کی تعریف کو بیان کیا گیاہے نیز ذمی اور مستامن کی شرائط کو ذکر کیا گیاہے ذمیوں اور مستامنین کے حقوق سے متعلق احکامات کو بیان کیا گیاہے اسلامی مملکت کے قوانین کو بیان کیا گیاہے مزید برآں اسلامی مملکت میں ذمیوں اور مستامنین فرائض ذکر کیے گئے ہیں

5-Saints and Sanctity in Judaism Christianity and Islam،5. Alexander Colello de Larosa, published by Routledge 2021

اس کتاب میں یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں تقدیس اور مقدسات کے تصور کو پیش کیا گیا ہے نیز الہامی مذاہب میں سنت کوزندہ رکھنا عظیم مقصد اور سنت کی تعظیم سے متعلق مشترک نظریہ پایا جاتا ہے سنتوں پر عمل کرنے کی روایت اور سنت کی تقدیس سے متعلق تاریخی پس منظر میں بحث کی گئی ہے۔

6۔Muhammad the Messenger of God and the law of Blasphemy in Islam and west ،Muhammad Ismail Qureshi, Nuqoosh Lahore ,2008

یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وعظمت کو بیان کیا گیا ہے قدیم مذہبی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک پر مشتمل روایات کو بیان کیا گیا ہے اسلام کے دنیا کے مسلمہ مشہور رہنماؤں پر اثرات کو ذکر کیا گیا ہے اسلام اور مغرب میں توہین رسالت سے متعلق نظریات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے الوداعی خطبہ مبارک کی عالمی امور میں ضرورت واہمیت کو واضح کیا گیا ہے عالمی آئین اور آزادی اظہار رائے مغربی مفکرین کی آراء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے قدیم اور بیسویں صدی کے علماء کرام کا توہین رسالت پر سزا سے متعلق نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔

7-One City and Three Faiths, Karen Armstrong, Ballantine Books New York America ,April ,1997

اس کتاب کی مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ ہیں یہ کتاب اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں مصنفہ نے اپنے تعلیمی دورہ فلسطین کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اس میں فلسطین کے مختلف شہروں کا ذکر کیا گیا ہے خصوصاً مصنفہ نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کی شہر یروشلم یہودیوں،عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے مقدس شہر ہے تینوں مذاہب کے ماننے والے اس سے والہانہ محبت رکھتے ہیں یہود کے لیے دیوار گریہ اہمیت کی حامل ہے تو عیسائیوں کے لئے یہ شہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاے ولادت ہے اور مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس اس شہر میں واقع ہے مصنفہ کے مطابق تینوں مذاہب کے ماننے والوں نے اس شہر سے متعلق اپنی اپنی روایات بنائی ہوئی ہیں مزید مسیحیت سے تعلق ہونے کے ناطے مصنفہ اس شہر کا زیادہ حقدار مسیحیت کو ٹھہراتی ہیں۔

مندرجہ بالا لٹریچر کے ریوو سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ مجوزہ عنوان سے متعلقہ بعض پہلوؤں پر تو کام ہوا ہے لیکن براہ راست اس عنوان پر کام نہیں ہوا لہذا مجوزہ عنوان پر کام کرنے کی ضرورت تھی۔

4-بیان مسئلہ (Statement of the Problem)

اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے جب بھی کسی مذہب کے مقدسات کی توہین کی گئی ہے تو اس مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری ہوئی ہے اور توہین کے مرتکب کے خلاف نفرت اور غم وغصہ کے جذبات بھڑ اٹھے ہیں عصر حاضر میں بعض شر پسند عناصر مقدسات کی توہین کر کے امن عالم کو داؤ پر لگانے کی کی کوشش کرتے ہیں۔لہذا ایسے اقدامات اٹھانا ضروری ہیں جو پر امن بقائے باہمی اور امن عالم کے ضامن ہوں یقیناً ان اقدامات میں سے ایک پر امن بین المذاہب تعلقات کی ضرورت واہمیت اور مذہبی مقدسات کی تعظیم وتکریم اور ان کی مذہبی حساسیت کو اجاگر کرنا بھی ہے عوام الناس کو پر امن بین المذاہب تعلقات سے متعلق مذہبی تعلیمات اور مذہبی مقدسات کی تعظیم وتکریم سے متعلق احکامات سے آگاہ کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے مقدسات کی بے حرمتی کی ممانعت سے روشناس کرانا وقت کی اشد ضرورت ہے مقالہ میں اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

5-مقاصد تحقیق(Objective of The Study)

1۔ پر امن بقائے باہمی سے متعلق مذاہب عالم کی تعلیمات کا جائزہ لینا۔

2۔ بین المذاہب ہم آہنگی اور تعلقات میں تکریم مقدسات کے کردار کو اجاگر کرنا۔

4۔ عصر حاضر میں بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات کا تجزیہ کرنا۔

6-سوالات تحقیق(Research Questions)

1۔ پر امن بقائے باہمی سے متعلق مذاہب عالم کی تعلیمات کیا ہیں؟

2۔ بین المذاہب تعلقات میں مقدسات کی تکریم کا کیا کردار ہے ؟

4۔ بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟

7- منہج تحقیق(Research Methodology)

1۔ تحقیق کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔

2۔ موضوع تحقیق سے متعلق مواد کے لیے بنیادی مصادر پر انحصار کیا گیا ہے جیسے قرآن مجید، صحاح ستہ اور بائبل (عہد نام قدیم وجدید)، ویدوں، گرو گرنتھ صاحب اور وینایاپٹاکا سے استفادہ کیا گیا ہے۔

3۔ بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ ثانوی مصادر کو بھی استعمال میں لایا گیا ہے مثلاً مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، تفسیر الکتاب، احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام ، غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ لطبری)، فتوح البلدان ،ادیان عالم میں عبادت گاہوں کا احترام ایک تقابلی جائزہ، وغیرہ۔

4۔ مواد جمع کرنے کیلئے لائبریری کو استعمال کیا گیا ہے کتب، مقالات اور ریسرچ پیپرز سے استفادہ کیا گیا ہے۔

5۔ بنیادی و ثانوی مصادر سے مواد ذکر کرنے کے بعد موضوعاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

6۔ جدید تحقیق کے ذرائع (انٹرنیٹ، سافٹ ویئر) سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں درج ذیل نمایاں ہیں:

www.kitabasunnat.com

www.almaktabatulwaqifiya.com

www.maktabashamila.com

www.almaktabanoor.com

7. مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لئے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیا ہے۔

فصل دوم: مذاہب عالم میں تقدیس کا تصور

دنیا کے ہر مذہب میں بعض چیزیں نہایت مقدس اور متبرک مانی جاتی ہیں جیسے خانہ کعبہ، مساجد، آذان اور نماز وغیرہ اسلام کے شعائر میں سے ہیں۔ گرجا اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی، زنار اور مندر برہمنیت جبکہ کیس، کڑا اور کرپان سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ یہ سب مذاہب اپنے اپنے پیروکاروں سے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔

در حقیقت مذہب کی بنیاد ہی تعظیم اور تقدس پر ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں مذہبی مقدسات اور شعائر کی تعظیم اور تقدس کا خیال نہ رکھا جائے وہاں مذہب کی اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے

تقدیس کا معنی و مفہوم

عربی لغت میں تقدیس "ق د س" سے مشتق ہے۔ تقدس عربی زبان سے اسم مشتق اور ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل سے مصدر ہے۔[1] تقدیس کے معنی پاک ہونا، خالص ہونا یعنی یہ اس درجہ کے لوگ ہوتے ہیں جن کا تقدس یا زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی ہے۔[2] انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس میں بھی تقدیس کو پرہیز گاری، اور زہد کے معنی میں لکھا گیا ہے۔[3] گویا تقدس خدا کے حکم سے خاص لوگوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

مقدسات "مقدسة" کی جمع ہے جو عربی زبان میں باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا سہ حرفی مادہ قدس ہے جس کے معنی پاک اور بابرکت ہونے کے ہیں۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں: " والتقديس :التطهير وتنزيه الله عز وجل،[4] وقوله تعالى :وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ﴾ [5]

تقدیس کے معنی ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرنا، جیسے ارشاد ہے: "اور ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے"۔

اصطلاحی طور پر "مقدسات" سے مراد وہ تمام اشیاء لی جاتی ہیں جن کو کسی بھی مذہب میں احترام اور تقدس کا رتبہ حاصل ہو، خواہ ان کا تعلق افراد سے ہو، مذہبی عبادات، تہوار اور رسوم و رواج سے ہو، مذہبی کتب اور مقدس مقامات سے ہو، یا ان مقدس عبادت گاہوں میں انجام پانے والی عبادات سے ہو۔ کسی بھی مذہب کا اپنے مقدسات سے بڑا گہرا رشتہ اور تعلق استوار ہوتا ہے

---

[1] عثمانی، خلیل اشرف **المنجد** (دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی) س ن، ص ۷۸۲

[2] ابراہیم مصطفی، **المعجم الوسیط**، مترجم ابن سرور محمد اویس، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن جلد ۲، ص ۸۶۲

[3] **انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس**، والیم ۶، ص ۷۳۱

[4] مرتضی الزبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، **تاج العروس من جواهر القاموس** (بیروت: دار الهدایة،) س ن، ج16، ص358

[5] البقرہ:30

اور اس مذہب کے ماننے والے اور پیروکار ان مقدسات کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں۔ اسلام میں مقدمات کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہیں:

المقدسات الإسلامية هي كل مكان ثبت بالشرع بركته وطهارته كالمساجد، وعلى رأسها المسجد الحرام والمسجد النبوي، والمسجدالأقصى، بل الحرم كله سواء المكي أو النبوي كذلك من المقدسات الإسلامية.[1]

مقدسات اسلامیہ سے مراد ہر وہ مکان ہے جس کے بابرکت اور پاک ہونے کی دلیل شریعت سے ثابت ہے جیسے مساجد، اور ان میں سب سے مقدم مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ہیں، بلکہ سارا حرم مقدس ہے خواہ وہ حرم مکی ہو یا حرم مدنی ہو قرآن کریم میں شام اور فلسطین کی سرزمین کو ارض مقدسہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ﴾[2] اے برادران قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے امام رازی فرماتے ہیں: "ارض مقدسہ وہ پاکیزہ زمین ہے جو ہر طرح کی آفات سے پاک شدہ ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں: وہ زمین جو شرک سے پاک ہے اور انبیاء کرام کا مسکن ہے[3]

مندرجہ بالا بحث معلوم سے ہوا کہ مقدسات کا اطلاق ان شخصیات، مقامات، کتب اور دیگر اشیاء پر ہوتا ہے جو کسی مذہب میں نہایت محترم اور مقدس تصور کی جاتی ہوں۔ دینی مقدسات کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبوی میں عام طور پر "حرمات اللہ" اور "شعائر اللہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

دینی مقدسات کی اہمیت اور ضرورت

انسانی زندگی میں مذہب کی وہی اہمیت ہے جو روح کی جسم میں ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے ابتدائے آفرینش سے انسانوں کو صحیح مذہب کی جانب راہنمائی کا بندوبست فرمایا۔ دنیا کا کوئی بھی بڑا مذہب بنیادی طور دو چیزوں سے عبارت ہوتا ہے: اعتقادات اور عبادات اعتقادات اور عبادات ہر دو کی تعظیم اور تقدس کو بھی شروع ہی سے تمام اہل مذہب نے ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ انسان کسی عقیدے کو اس وقت ہی اختیار کرتا ہے یا کسی بھی عملی مشقت کو کرنے پر وہ تب ہی آمادہ ہوتا ہے جب اس کی نظر میں اس عقیدے، نظریے یا عمل کی کوئی اہمیت اور فائدہ ہو۔ اس طرح انسانی زندگی میں مختلف عقائد، عبادات اور ان سے جڑی مقامات اور دیگر رسوم ورواج کو احترام کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور انہیں چیزیں کو ہم مذہبی مقدسات یا شعائر کہتے ہیں۔

---

[1] لجنة من علماء الحرمين، **فتاوى الشبكة الاسلامية**، (الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية) ج8ص849

[2] المائدہ:21

[3] فخر الدین رازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر، **مفاتیح الغیب** (بیروت: دار إحياء التراث العربي) ج11ص332-

مذہبی احکامات پر عمل کرنے اور نواہی سے اجتناب کرنے کے اعتبار سے تو کسی بھی مذہب کے پیروکار مختلف درجات میں تقسیم نظر آتے ہیں لیکن اپنے مذہب کے شعائر اور مقدسات کی تعظیم کے حوالے سے عموما تمام اہل مذہب یکساں ہوتے ہیں یا اس حوالے سے ان میں بہت ہی کم فرق ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جب عملی اعتبار سے ایک کم درجے کے مسلمان کے لیے مذہبی شعائر کی توہین کو برداشت کرنا ممکن نہیں رہا۔

درحقیقت مذہب کی بنیاد ہی تعظیم اور تقدس پر ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں مذہبی مقدسات اور شعائر کی تعظیم اور تقدس کا خیال نہ رکھا جائے وہاں مذہب کی اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

> اعلم أن مبنى الشرائع على تعظيم شعائر الله تعالى، والتقرب بها إِلَيْهِ تعالى، وذلك لما أومأنا إليه من أن الطريقة التي نصبها الله تَعَالَى النَّاسِ هِيَ محاكاة ما في صنع التجرد بأشياء يقرب تناولها للبهيمية[1]

جان لینا چاہیے کہ تمام شرائع کا مدار شعائر اللہ کی تعظیم پر اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے پر ہے۔ (یعنی شعائر اللہ کا وجود اور ان کی اہمیت صرف شریعت اسلامی ہی میں نہیں ہیں بلکہ سابقہ تمام سماوی ادیان میں شعائر اللہ کا وجود رہا ہے) اور اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ جو طریقہ اللہ نے انسانوں کے لیے مقرر کیا ہے وہ اس چیز کی مشابہت پیدا کرنا ہے جو تجرد کی جانب میں ہے (یعنی ملائکہ کے احوال اپنے اندر پیدا کرتا ہے) ان اعمال کے لیے جن کو اختیار کرنا بہیمیت (انسانوں) کے لیے آسان ہو۔ (اس طرح رفتہ رفتہ آدمی ملائکہ سے مشابہ ہو جائے گا جو انسانیت کی معراج کمال ہے۔)

افراد معاشرہ کی پر امن بقائے باہمی کے لیے تمام مذاہب کے دینی مقدسات کی رعایت رکھنا سب کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کے تمام سماوی اور غیر سماوی مذاہب میں بعض شخصیات، مقامات، عبادات، کتابوں اور تہواروں کو مقدس مانا جاتا ہے جو اس مذہب کے شعائر کہلاتے ہیں۔ یہ تمام مذاہب اپنے اپنے پیروکاروں اور متبعین سے ان شعائر کے احترام اور تعظیم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام سے دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہاں اسلامی

---

[1] شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، **حجۃ اللہ البالغہ** (دار الجیل بیروت لبنان) 2005ء، ج 1 ص 133

[2] مودودی، سید ابو الاعلی، **تفہیم القرآن**، لاہور (مکتبہ تعمیر انسانیت) طبع نہم: 1972ء، ج 1 ص 438

شعائر کی تعظیم اور تکریم پر زور دیا وہاں صحابہ کرام اور امت مسلمہ کو دیگر مذاہب کے مقدسات کی اہانت کرنے سے بھی روکا ہے۔

اسلام میں تقدیس کا تصور

اسلام میں دینی مقدسات میں سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور حرمت کا تقاضا ہے کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لایا جائے، اس کی اطاعت اور بندگی کا حق ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی حدود اور اوامر و نواہی کی رعایت رکھی جائے۔ اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور تمام شعائر اللہ کی تعظیم در حقیقت اللہ کی تعظیم ہے اور ان کی توہین اللہ تعالیٰ کی توہین کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اللہ کی تعظیم کا حکم نہ صرف اسلام میں دیا گیا ہے بلکہ مسیحیت اور یہودیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حکم کرنے اور توہین سے اجتناب کا حکم دیا گیا

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت دنیا کی ہر چیز سے مقدم ہے۔ دنیا میں جس چیز کو بھی حرمت اور تقدس کا شرف حاصل ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی حرمت و تقدس کا پرتو ہے۔ اگر انبیاء کرام نہایت مقدس ہستیاں ہیں تو اس کا سبب فقط اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہے۔ وہ اللہ کے چنیدہ لوگ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام انسانوں پر ان کو شرف و عزت کا رتبہ حاصل ہے۔ اگر آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو حرمت حاصل ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی بنا پر۔ اگر کعبہ مقام تعظیم ہے تو اس وجہ سے کہ اللہ نے اس گھر کو شرف و عزت کا درجہ دیا ہے۔ اگر صفا و مروہ کا شمار شعائر میں سے ہیں اور یہ مقامات نہایت مقدس ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تقدس اور حرمت کے شرف سے نوازا ہے۔

اللہ کی ذات ہی ان تمام تر عزو شرف کی بنیاد اور اصل ہے۔ لہٰذا اس کا تقدس اور اس کی حرمت تمام دیگر مقدسات سے مقدم اور اولیٰ ہے۔ اور اس ذات بابرکت کی توہین سب سے بڑھ کر برائی اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت کے ساتھ استہزاء کفر کی سب سے قبیح انواع میں سے ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں نہایت رسوا کن عذاب کا اعلان ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب

[1] الاحزاب:57

تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں، انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لا دلیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی توہین کرنے اور ان کے ساتھ استہزاء کے بارے میں قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (65) لَا تَعْتَذِرُواقَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [1]

"اور اگر تم ان سے پوچھو تو یہ یقیناً یوں کہیں گے کہ: ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہو کہ: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے؟ کہو کیا تم خدا اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں کرتے تھے؟ بہانے نہ بناؤ، تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو۔"

منافقین اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزا کرتے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے سے گریز نہ کرتے، جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہنسی مذاق کے لئے کیا تمہارے سامنے اللہ اور اس کی آیات و رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمہارا آپس میں ہنسی مذاق کا ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات و رسول درمیان میں کیوں آتے، یہ یقیناً تمہارے اس خبث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الہٰی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمہارے دلوں میں موجود ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیات غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض منافقین نے اس موقع پر اللہ تعالی اور نبی کریم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے۔[2]

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کی شان میں ادنی سے گستاخی اور سوء ادب قول و فعل بھی انسان کی بربادی اور ہلاکت کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالی تو معبود بر حق ہے، اس نے تو مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کے معبودان باطلہ برا بھلا کہیں۔ یہ یقیناً تمہارے اس محبت اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الہٰی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمہارے دلوں میں موجود ہے۔ بہت سے مفسرین کے نزدیک یہ آیات غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض منافقین نے اس موقع پر اللہ تعالی اور نبی کریم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے۔:

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کی شان میں ادنی سے گستاخی اور سوء ادب قول و فعل بھی انسان کی بربادی اور ہلاکت کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالی تو معبود بر حق ہے، اس نے تو مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کے

---

[1] التوبہ:65-66

[2] بغوی، محی السنۃ، أبو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، **معالم التنزیل فی تفسیر القرآن** (بیروت: داراحیاء التراث العربي)1420ھ، 2/366

معبودان باطلہ کو برا بھلا کہے، کیونکہ یہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ بطور جواب اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کرے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[1]

اور (اے مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔"

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ سے نقل کیا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَوْلَهُ:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ، قَالُوا: يَا مُحَمَّدُ، لَتَنْتَهِيَنَّ عَنْ سَبِّكَ آلِهَتَنَا أَوْ لَتَهْجُوَنَّ رَبَّكَ. فَنَهَاهُمُ اللَّهُ أَنْ يَسُبُّوا أَوْثَانَهُمْ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے کہا اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے معبود کی ہجو کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتوں کو برا بھلا کہنے سے روک دیا کہ وہ لوگ حد سے تجاوز کر کے جہالت میں اللہ تعالیٰ کو برا بھلا نہ کہہ بیٹھیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدا مانتے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے؛ لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے اور جس طرح اللہ تعالی کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔[3]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس آیت میں ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ﴾ جواب نہی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ کفار کے بتوں کو برا بھلا کہے، کیوں کہ جب وہ ایسا کریں گے تو کفار کے اندر کفر اور نفرت اور زیادہ بڑھے گی، ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا خواجہ ابو طالب سے کہا کہ یا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کو اس بات سے روکیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہے یا ہم بھی ان کے الہ کو برا بھلا کہیں گے اور اس کی ہجو کریں گے، تو اس واقعہ کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں[4]

حضرت قتادہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ بعض مسلمان کفار کے بتوں کو برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا، تاکہ وہ مشرکین

---

[1] الانعام:108

[2] الطبري، **جامع البيان في تأويل القرآن**-12/34

[3] عثمانی، مفتی محمد تقی، **آسان ترجمہ و تفسیر** مکتبہ معارف القرآن کراچی، 2/119

[4] قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبي بکر شمس الدین القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، (القاهرة: دار الكتب المصرية)، 1964ء-7/61

اللہ عزوجل کی شان میں برا بھلا نہ کہے، کیونکہ وہ جاہل لوگ تھے۔[1]

مفتی محمد شفیع عثمانی فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ولا تسبوا لفظ سب سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں گالی دینا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے فطری اخلاق کی بناء پر پہلے ہی اس کے پابند تھے، کبھی بچپن میں بھی کسی انسان بلکہ کسی جانور کے لئے بھی گالی کا لفظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری نہیں ہوا، ممکن ہے بعض صحابہ کرام کی زبان سے کبھی کوئی سخت کلمہ نکل بھی گیا ہو جس کو مشرکین مکہ نے گالی سے تعبیر کیا، اور قریشی سرداروں کے اس وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس معاملہ کو رکھ کر یہ اعلان کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بتوں کو سب وشتم کرنے سے باز نہ آئیں گے تو ہم آپ کے خدا کو سب وشتم کریں گے۔ اس پر قرآنی حکم یہ نازل ہوا، جس کے ذریعہ مسلمانوں کو روک دیا گیا کہ وہ مشرکین کے معبودات باطلہ کے متعلق کوئی سخت کلمہ نہ کہا کریں۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم اب بھی برقرار ہے اور جب بھی کافر قوت میں ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ اسلام ، نبی کریم ﷺ یا اللہ عزوجل کے متعلق زبان درازی کریں گے تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کے دین، کنیسہ یا صلیب کو گالی دے، اور نہ ہی کوئی ایسا کام کرے کہ کافر لوگ اس کام پر آمادہ ہو جائے کیونکہ یہ معصیت پر لوگوں کو ابھارنا ہے۔[3]

اس آیت کریمہ کی روشنی میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بتوں کا تذکرہ سخت الفاظ میں آیا ہے، اور وہ آیات منسوخ بھی نہیں، ان کی تلاوت اب بھی ہوتی ہے تو کیا ایسی آیات سب اللہ کے ضمن میں نہیں آتی۔ علامہ آلوسی نے اس سوال کا جواب تفسیر روح المعانی میں دیا ہے جس کو مفتی محمد شفیع عثمانی نے "معارف القرآن" میں بھی نقل کیا ہے۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں جہاں کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں وہ بطور مناظرہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں، وہاں کسی کی دل آزاری نہ پیش نظر ہے، اور نہ کوئی سمجھدار انسان ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس میں بتوں کو برا کہنا یا مشرکین کو چڑانا مقصود ہے۔ یہ ایک ایسا واضح فرق ہے جس کو ہر زبان کے اہل محاورہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ کبھی کسی شخص کا کوئی عیب یا برائی کسی مسئلہ کی تنقیح کے لئے ذکر کی جاتی ہے، جیسے عام طور پر عدالتوں میں ہر روز سامنے آتا رہتا ہے، لیکن عدالت کے سامنے ہونے والے بیان کو دنیا میں کوئی آدمی یہ نہیں کہتا کہ فلاں نے فلاں کو

---

[1] بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن-2/150

[2] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن-2/131

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن-7/61

گالی دی ہے، اسی طرح ڈاکٹروں اور حکیموں کے سامنے انسان کے بہت سے ایسے عیب بیان کئے جاتے ہیں کہ ان کو دوسری جگہ اور دوسری طرح کوئی بیان کرے گا تو گالی سمجھی جائے، لیکن بغرض علاج ان کے بیان کرنے کو کوئی گالی دینا نہیں کہتا۔[1]

قرآن کریم نے بھی انسانوں کو سمجھانے کے لیے جابجابتوں کے بے جان، بے حس اور بے شعور ہونے کو اس طرح بیان کیا ہے تاکہ سمجھنے والے لوگ ان کی حقیقت کو سمجھ لیں، اور نہ سمجھنے والوں کی غلطی اور کوتاہ نظری واضح ہو جائے، جس کے نتیجہ میں ارشاد ہوا ہے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾[2] یعنی یہ بت بھی کمزور ہیں اور ان کے چاہنے والے بھی کمزور، اسی طرح ارشاد ہوا ہے: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾[3] یعنی تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں"۔ یہاں بھی کسی کو برا بھلا کہنا مقصود نہیں، گمراہی اور غلطی کا انجام بد بیان کرنا مقصود ہے۔

مندرجہ بالا بحث و تمحیص کے بعد یہ بات عیاں ہے کہ اللہ رب العزت کی شان میں ادنی سی گستاخی بھی جائز نہیں لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی بھی قطعا اجازت نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کو سختی سے منع کر دیا ہے۔ اس کے بعد اب ذیل میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کا مرتکب ہو تو شریعت اسلامی کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

علامہ ابن تیمیہ فقہ اسلامی کے میدان میں ان اولین مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے اس موضوع پر الگ سے کتاب لکھی اور اس کی حقیقت واضح کی، وہ فرماتے ہیں:

> " إن سب الله أو سب رسوله كفر ظاهرا وباطنا وسواء كان الساب يعتقد أن ذلك محرم أو كان مستحلا له أوكان ذاهلا عن اعتقاده هذا مذهب الفقهاء وسائر أهل السنة القائلين بأن الإيمان قول وعمل[4]

"بے شک اللہ عز و جل اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنا یا ان کی شان میں ہجو کرنا ظاہری اور باطنی طور پر کفر ہے اور اس میں برابر ہے خواہ وہ شخص اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہو یا حلال یا خواہ وہ اپنے اعتقاد سے غفلت کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ تمام فقہاء اور اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے۔"

---

[1] آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**۔ (بیروت: دار الکتب-العلمیۃ 1415ء)، 4/237،

[2] الحج: 73

[3] الانبیاء: 98

[4] ابن تیمیہ، تقی الدین أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم، **الصارم المسلول علی شاتم الرسول** محقق: محمد محی الدین عبد الحمید (المملكة العربية السعودية: الحرس الوطني السعودي)، س۔ن۔ ص 1/254

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے شاتم ذات باری تعالیٰ کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:
مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ تبارک وتعالی کو (نعوذ باللہ) گالیاں دی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا، یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیزوں میں سے کسی کو ٹھکرایا، یا کسی نبی کو قتل کیا تو ایسا شخص کافر ہے اگرچہ وہ اللہ کی نازل کردہ تمام چیزوں کا زبان سے اقرار کرنے والا ہو۔[1]

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کو گالی دی، وہ کافر ہوا، خواہ وہ مذاق میں ایسا کرے یا سنجیدگی میں، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کی آیات، انبیائے کرام، مقدس آسمانی کتابوں کے ساتھ استہزاء کرے تو وہ بھی کافر ہے، جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶۵، ۶۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور چاہیے کہ ایسا مذاق کرنے کو صرف توبہ اور اسلام قبول کرنے پر معاف نہ کیا جائے بلکہ اس کو تعزیراً سزا دی جائے کیونکہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو توبہ کرنے پر اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا تو اگر اللہ کی شان میں گستاخی کرے تو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے۔[2]

ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں:

فَصَحَّ بِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ سَبَّ اللَّهَ تَعَالَى، أَوْ اسْتَهْزَأَ بِهِ ، أَوْ سَبَّ مَلَكًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَوْ اسْتَهْزَأَ بِهِ، أَوْ سَبَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، أَوْ اسْتَهْزَأَ بِهِ، أَوْ سَبَّ آيَةً مِنْ آيَاتِ اللَّهِ تَعَالَى، أَوْ اسْتَهْزَأَ بِهَا، وَالشَّرَائِعُ كُلُّهَا، وَالْقُرْآنُ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ بِذَلِكَ كَافِرٌ مُرْتَد، لَهُ حُكْمُ الْمُرْتَدِ[3]

مذکورہ دلائل کی بنا پر یہ بات درست ثابت ہوتی ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالی، کسی فرشتے، نبی یا رسول کی شان میں برا بھلا کہا یا استہزاء کیا، قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کی آیات یا شرائع میں سے کسی کے متعلق برا بھلا کہا تو ایسا کرنے سے وہ شخص کافر اور مرتد ہو جائے گا اور اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ کافر مرتد ہے، بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کافر سے بھی بدتر ہے کیونکہ کافر بھی اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جس دین پر ہے اس میں اللہ کے ساتھ استہزاء یا گالم گلوچ نہیں۔ اگر کوئی مسلمان گستاخی کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتا تو اس بات پر اجماع ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے، اور اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل اور امام مالک اور فقہ حنبلی اور مالکی کے دیگر فقہاء عدم قبول توبہ کے قائل ہیں جبکہ شوافع اور فقہ احناف کے اکثر فقہاء قبول توبہ

---

[1] ابن تیمیہ، **الصارم المسلول علی شاتم الرسول**-1/512

[2] ابن قدامہ المقدسی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ -**المغنی لابن قدامہ**، (مصر: مکتبۃ القاھرۃ)، طبع 1968ء

[3] ابن حزم ظاہری۔ ابو محمد علی بن أحمد بن حزم الأندلسی القرطبی الظاہری، **المحلی بالآثار**، (دار الفکر، بیروت) س۔ن، 12/438

کے قائل ہیں۔ اور اگر کوئی ذمی کافر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے تو جمہور ائمہ کے نزدیک اس کا عہد ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہے جبکہ فقہائے احناف کے نزدیک اس کا عہد ذمہ بر قرار ہے، ہاں قاضی اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے اور اگر وہ پھر بھی اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو سیاست اس کو قتل کرنا بھی درست ہے۔

حرمت قرآن مجید

قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ربانی ہے، جو کسی خاص طبقہ اور گوشہ یا کسی خاص قوم و نسل کا نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کی ضامن ہے۔ یہی وہ مکمل دستور حیات ہے، جس کی ابدیت و آفاقیت کو کبھی زوال نہیں، انسانی کارواں اس راہ کے علاوہ اگر دوسری راہ پر رواں دواں ہوتا ہے، تو اس کا صراط مستقیم سے گم گشتہ ہونا اور اسکی ہلاکت و بربادی پر الٰہی مہر کا ثابت ہونا یقینی ہے۔ قرآن کریم کے عظیم المرتبت ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا اللہ کا کلام الٰہی ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اس کی عظمت و فضیلت کو خود ہی اجاگر کیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا، اور تمہیں کیا معلوم کہ یہ قدر والی رات کیا ہے، (تو جان لو) لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی معجز کتاب ہے جو تا قیامت ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے محفوظ کی گئی ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہے جو ہر آنے والے دن کے ساتھ اس چیلنج پر بر قرار ہے کہ اگر تمہیں اس کتاب سے متعلق ذرا بھر بھی شک ہو تو اس کلام کی طرح ایک سورت ہی بنالاؤ۔ قرآن کریم اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک شعار کی حیثیت رکھتا ہے اور کسی بھی قوم اور مذہب کے لیے شعار کا احترام کرنا واجب اور ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح امت مسلمہ کے لیے قرآن کریم کا احترام کرنا اور اس کی عظمت و توقیر کا خیال رکھنا ایک بنیادی اہمیت کا مسئلہ ہے جس پر اسلاف امت سے لے کر آج تک تمام مسلمان کاربند نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان کتاب کی تعریف و ستائش کی ہے اور قرآن کریم کو مختلف صفات سے موصوف کیا ہے۔ ذیل کے سطور میں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اس کتاب کی تعظیم کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

اللہ عزوجل نے بذات خود اس قرآن کریم کو عظیم اور بلند مرتبہ قرآن کہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] القدر:3،2،1

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ " [1]

اور بلاشبہ ہم ہی نے عطا کیں آپ کو (اے پیغمبر!) بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور عظمتوں بھرا یہ قرآن۔"

جس چیز کے متعلق کائنات کے رب کا کہنا ہے کہ یہ عظیم اور بلند مرتبہ ہے اس کی عظمتوں کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ساری عظمتیں جمع کر دی ہیں۔

قرآن کریم کی تعظیم و توقیر احادیث نبوی کی روشنی میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ قرآن کریم سے عبارت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی اس قدر صفات بیان کی ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہم موضوع بحث سے متعلق چند اہم اہم نکات اور احادیث پر اکتفا کریں گے جس سے سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں قرآن کریم کی تعظیم اور حرمت واضح ہو جائے۔ ذیل میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلَهُ آمَنَ عَلَيْهِ البَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»"[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"ہر نبی کو اس کے مثل (معجزات) دیئے گئے ہیں جس قدر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔"

عَنْ أَنَس أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قال " القرآن أفضل من كل شي فَمَنْ وَقَرَ الْقُرْآنَ فَقَدْ وَقَرَ اللَّهَ وَمَنَ اسْتَخَفَّ بِالْقُرْآنِ اسْتَخَفَّ بِحَقِّ اللَّهِ تَعَالَى حَمَلَةُ الْقُرْآنِ هُمُ الْمَحْفُوفُونَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ الْمُعَظِمُونَ كَلَامَ الله المليسون نور الله فمن والهم فَقَدْ وَإِلَى اللَّهَ وَمَنْ عَادَاهُمْ فَقَدِ اسْتَخَفَّ بحق الله تعالى "[3]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم اللہ تعالی کے بعد سب سے افضل چیز ہے، جس نے قرآن کریم کی توقیر اور عزت واحترام کا پاس رکھا اللہ اس کی توقیر کریں گے اور جس نے قرآن کریم کو ہلکا جانا اور اسکی توہین کی تو اس نے اللہ کے حق کی توہین۔ قرآن کریم کے حاملین اللہ کی رحمت میں ہیں اور وہ کلام اللہ کی تعظیم کیا کرتے ہیں اور اللہ کے نور کا لباس پہنے ہوئے ہیں، لہذا جس شخص نے ان لوگوں کو اپنا دوست بنا رکھا تو اس نے اللہ کو دوست بنالیا اور جس

---

[1] الحجر:87

[2] بخاری، **الجامع الصحیح**-باب کیف نزل الوحی،، حدیث نمبر:4981

[3] قرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**1/26،4

نے ان کے ساتھ دشمنی کی تو اس نے اللہ کے حق کی توہین کی۔
قرآن کریم کی تعظیم کرنا اور اس کے حقوق کی رعایت رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ علامہ نووی نے قرآن کریم کی تعظیم کے واجب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

أجمع المسلمون على وجوب صيانة المصحف واحترامه قال أصحابنا وغيرهم ولو ألقاه مسلم في القاذورة والعيادبالله تعالى صار الملقي كافرا قالوا ويحرم توسده بل توسد آحاد كتب العلم حرام ويستحب أن يقوم للمصحف إذا قدم به عليه لأن القيام مستحب للفضلاء من العلماء والأخيار فالمصحف أولى.[1]

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مصحف قرآن کی حفاظت اور اس کا احترام کرنا واجب ہے۔ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے نعوذ باللہ مصحف کو کسی کوڑے وغیرہ میں پھینک دیا تو پھینکنے والا اس وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ علماء فرماتے ہیں کہ مصحف کو تکیہ بنانا حرام ہے بلکہ کسی بھی علم کی کتاب کو تکیہ بنانا حرام ہے
قرآن کریم میں اللہ تعالی نے قرآن کریم کی آیات کے بارے نامناسب باتیں کرنے اور اس کا استہزاء اور مذاق اڑانے سے منع فرمایا ہے۔
مندرجہ ذیل دو آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ [2]

اور اللہ نے تم مؤمنوں پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"
قرآن کریم کی بے حرمتی سے بچنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصحف قرآن کے ساتھ دشمنوں کے علاقے کی طرف سفر کرنے سے منع فرمایا کیونکہ اس بات کا خدشہ ہے کہ وہاں کوئی مشرک یا کافر قرآن کریم کی بے حرمتی کا مرتکب نہ ہو۔

---

[1] نووی، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف، **التبيان في آداب حملة القرآن**، (بیروت دار ابن حزم للطباعۃ والنشر والتوزیع) س۔ن، ص108
[2] النسا:140

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُو[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کی سرزمین کی جانب قرآن کریم کو لے جانے سے منع فرمایا ہے۔"

اس حدیث سے متعلق درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

(1) اس حدیث میں بالاتفاق قرآن سے مراد مصحف قرآن ہے کیونکہ خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے دشمن کی سرزمین کی جانب سفر فرمایا ہے حالانکہ ان کے سینوں میں قرآن محفوظ تھا۔

(۲) اس حدیث میں سفر سے مراد کوئی بھی سفر ہے خواہ وہ جہاد کی نیت سے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کی خاطر۔

(۳) اگر قرآن کریم ساتھ لے جانے کی صورت میں اس کی بے حرمتی کا خدشہ برقرار ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔

جیسا کہ ابن عبد البر فرماتے ہیں: أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ أَن لا يُسَافَرَ بِالْمُصْحَفِ فِي السَّرَايا والعَسْكَرِ الصَّغِيرِ الْمَخُوفِ عَلَيْهِ"[2]

قرآن کریم یا کسی بھی آسمانی کتاب کی بے حرمتی کرنا، اس کے متعلق برا بھلا کہنا یا اس کا انکار کرنا یہ ایسے افعال ہیں جس کا ارتکاب کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ قاضی عیاض اپنی مشہور کتاب الشفاء میں فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَنِ اسْتَخَفَ بِالْقُرْآنِ، أَوِ الْمُصْحَفِ، أَوْ بِشَيْءٍ مِنْهُ، أَوْ سَبَّهُمَا ، أَوْ جَحَدَهُ، أَوْ حَرْفًا مِنْهُ، أَوْ آيَةً أَوْ كذب به، أو بشيء منه.. أو بِشَيْءٍ مما صرح به فيه من حكم، أو خبرٍ، أَوْ أَثْبَتَ مَا نَفَاهُ، أَوْ نَفَى مَا أَثْبَتَهُ... عَلَى عِلْمٍ مِنْهُ بِذَلِكَ، أَوْ شَكٍّ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، فَهُوَ كَافِرٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِإِجْمَاعِ... وَكَذَلِكَ إِنْ جَحَدَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَكُتُبَ اللَّهِ الْمُنَزَّلَةَ أَوْ كَفَرَ بِهَا، أَوْ لَعَنَهَا، أَوْ سَبَّهَا، أَوِ اسْتَخَفَّ بِهَا فَهُوَ كَافِرٌ .[3]

جان لو کہ جس شخص نے قرآن کریم یا مصحف یا اس کے کسی حصے کی توہین کی، ان کو برا بھلا کہا، قرآن کریم یا قرآن کے کسی آیت یا حرف کا انکار کیا یا اس کی تکذیب کی، یا قرآن کریم کے کسی صریح حکم یا خبر کی تکذیب کی، کسی مثبت کو منفی بنادیا یا کسی منفی کو مثبت بنادیا، باوجود اس کے کہ اس کو اس کا علم بھی تھا، یا ان میں سے کسی بات میں شک کیا تو وہ بالاجماع اہل علم کافر ہے، اور اسی طرح اگر کسی نے تورات، انجیل یا کسی اور اللہ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کیا، یا ان پر لعنت کی، ان کو برا بھلا کہا یا ان کی تخفیف کی تو ایسا کرنے والا آدمی کافر ہے۔"

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**- باب السفر بالمصاحف الی ارض العدو،، حدیث نمبر:4990۔ صحیح مسلم، باب النبي ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار، حدیث نمبر:1869

[2] ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر عسقلاني- **فتح الباري شرح صحيح البخاري**،6/134

[3] قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسی **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی**-6047/2

موجودہ دور میں توہین قرآن کے حوالے سے ایک بہت بڑا مسئلہ ان مقدس اوراق کا بھی ہے جن میں قرآن کریم کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ آج کل ہماری شاہراہوں، گلیوں اور راستوں میں جگہ جگہ ایسے اوراق پڑے ہوتے ہیں جن میں قرآن کریم کی آیات سمیت مقدس چیزیں تحریر کی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے بھی تمام مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیناچاہئے اور جہاں کہیں ایسے اوراق ملے تو ان کو نہایت ادب و احترام سے اٹھا کر اس کو مناسب جگہ پر رکھیں کہ اس میں توہین کا پہلونہ ہو۔ اسی طرح قرآن کریم کے ساتھ کسی بھی ایسے طریقے سے پیش آنا جس میں معمولی سی بھی بے ادبی کا احتمال ہو، ناجائز ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حرمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ جو لوگ بھی ان کو اذیت اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ٹھہرے اور دنیا و آخرت میں ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہے۔ اسلام کی رو سے کسی بھی انسان کو گالیاں دینا، برا بھلا کہنا، اس کی غیبت کرنا اور عزت و آبرو کا خیال نہ رکھنا حرام ہے۔ اسلام ہر انسان کو اس بات کو مکلف بناتا ہے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اس وقت کوئی بات کرے جب اس میں کوئی مصلحت اور فائدہ نظر آئے ورنہ خاموش رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

المسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالمهاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهى اللهُ عَنْهُ " [1]

"مسلمان تووہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے۔

لیکن انبیاء کرام کی شان و منزلت وبہت بلند ہے، وہ اللہ تعالی کے چنیدہ اور برگزیدہ انسان ہیں، ان کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت اور ان کی ناراضگی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کا سبب قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کے متعلق ادنی سے گستاخی بھی اللہ کے ہاں بہت بڑا اجرم اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾[2]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں، انہوں نے بہتان طرازی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لادلیا ہے۔"

---

[1] مسلم، **الجامع الصحیح**، باب الانتہاء عن المعاصی، حدیث نمبر: 6468

[2] سورۃ الاحزاب 57-58

رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے والا دنیاو آخرت کا ملعون ہے۔ آخرت کی لعنت تو جہنم کے عذاب کی صورت میں ہو گی اور دنیا کی لعنت کس عذاب کی صورت میں ہو گی، اسی سورت میں تین آیات کے بعد ہی قرآن کریم کا حکم ہے کہ ملعون گستاخ رسول جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔

﴿مَلعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيلًا سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَلِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا﴾ [1]

پھٹکارے ہوئے (ملعون) جہاں کہیں ملیں، پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔ اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہر گز بدلتا نہ پاؤ گے۔

دوسری آیت میں یہ بھی بیان ہے کہ یہ سزا صرف اس امت کے گستاخوں کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ پہلی اُمتوں کے گستاخوں کے لیے بھی رب کا یہی قانون و دستور رہا تھا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے والے گستاخوں کی سزا بیان ہوئی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہوں انہیں قتل کیا جائے۔ اور دردناک عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کو نہیں دیا جائیگا۔

استہزائے مصطفیٰ باعث کفر وارتداد ہے:

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذاق کا نشانہ بنایا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُم بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ [2]

منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورۃ ایسی اترے جو ان کے دلوں کی چھپی جتادے (ظاہر کر دے) تم فرماؤ ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اسکے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔

اس آیت کریمہ میں واضح ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور جان کائنات کے ساتھ استہزاء کیا وہ اس جرم پر کافر قرار دے دیئے گئے ہیں اور ان مجرموں کے لیے عذاب کی تنبیہ موجود ہے۔ اور اگر استہزاء سے مومن کافر ہو جاتا ہے تو سب و شتم سے تو بطریق اولی کافر ہو گا۔

---

[1] الاحزاب:61-62

[2] التوبہ:64-66

مخالفت مصطفیٰ موجب ذلت ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾[1]

بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول، بیشک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

گستاخان مصطفیٰ کی سزا موت ہے:

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾[2]

توکافروں کی گردنوں سے اوپر مارو(قتل کرو)اور ان کی ایک ایک پور(جوڑ)پر ضرب لگاؤیہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے یہ تو(عذاب کو) چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے۔

اس آیت میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کو قتل کرنے کا واضح حکم موجود ہے۔ یہ آیات کریمہ گستاخوں اور معاندین مصطفیٰ کریم جس سلوک کے مستحق ہیں ان کے احکامات کو واضح کر دیتی ہیں اور احادیث رسول ان احکامات کی تفصیلات کو مزید صراحت کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾[3]

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ فرما دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔ (اب) تم معذرت مت کرو، بے شک تم اپنے ایمان (کے اظہار) کے بعد کافر ہو گئے ہو۔"

علامہ بیضاوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] المجادلہ:20-21

[2] الانفال:12-14

[3] التوبہ:65-66

"لا تَعْتَذِرُوا لا تشتغلوا باعتذارتكم فإنها معلومة الكذب. قَدْ كَفَرْتُم قد أظهرتم الكفر بإيذاء الرسول ﷺ والطعن فيه. بعد إيمانكم بعد إظهاركم الإيمان. [1]

"تم اب معذرتیں مت کرو، تمہارا جھوٹا ہونا معلوم ہو چکا ہے، تمہارا کفر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت وتکلیف دینے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں طعن وتشنیع کرنے کی وجہ سے ظاہر ہو چکا ہے۔"

فقہ حنفی کے مشہور فقیہ اور "احکام القرآن" کے مصنف علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں:

وَدَلَّ أَيْضًا على أن الاستهزاء بآيَاتِ اللهِ وَبِشَيْءٍ مِنْ شَرائع دينهِ كُفرُ فَاعِلِهِ "[2]

یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور شرائع دین میں سے کسی کا بھی مذاق اڑانا اور ان کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے۔"

جس طرح رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت نص قرآنی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ اور تکلیف پہنچانا اللہ تعالی کو تکلیف دینا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت درج ذیل حدیث نقل کر کے صحابہ کرام کو تکلیف دینے کو بھی نبی صلی اللہ علہ وآلہ وسلم کی تکلیف اور اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے کا سبب قرار دیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ الْمُزَنِي قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "الله الله في أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ عَرْضا بَعْدِي، فَمِنْ أَحَبَّهُمْ فيحتي أحبهم، ومَنْ أَبْعَضَهُمْ فَبُغْضِي أَبْعضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمِنْ آذَانِي فَقَدْآذى الله، وَمَنْ أَذَى اللَّهَ يُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ".[3]

حضرت عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور ان کو ہدف ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض کی اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذاء (تکلیف پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالی کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالی کو اذیت دی اللہ تعالی عنقریب اسے اپنے عذاب میں گرفتار کرے گا۔"

اس حدیث کی رو سے جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طعن و تشنیع اور سب وشتم سے تکلیف پہنچاتے ہیں وہ لوگ در حقیقت اللہ ہی کو دکھ دیتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کی جانب سے تبلیغ دین کے لیے مامور ہیں اور ان

---

[1] بیضاوی، عبد اللہ بن عمر - **أنوار التنزيل وأسرار التأويل**، 3/87

[2] جصاص، ابو بکر أحمد بن علي الرازی، **احکام القرآن**- 4/349

[3] ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسیٰ، **سنن الترمذی**- باب فی من سب النبی - حدیث نمبر: 3862

کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول کو ستانا اور تکلیف پہنچانا فی الحقیقت اللہ کو دکھ پہنچاتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالی نے آخرت میں دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے۔
قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو تکلیف دینا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسا کرنے والا شخص دنیاو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہے اور کسی بھی نبی کی توہین کرنا اللہ تعالیٰ کو تکلیف دیناہے۔ علامہ طبرانی اور قاضی عیاض نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ سے روایت نقل کی:
" أن رسول الله صلى الله تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوهُ ومن سب أصحابي فاضربوه "[1]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی اس کو قتل کر دو اور جس نے میرے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی تو اس کو کوڑے مارو۔
محدثین، مفسرین اور مورخین کی ایک بڑی تعداد نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے کہ
جو کوئی انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین کرے اس کی سزا موت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:" عَنْ عَلِيّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَنْ سَبَ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوهُ، وَمَنْ سَبَّ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي فَاجْلِدُوهُ " .[2]
حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی نبیوں میں سے کسی بھی نبی کو گالی دی اس کو قتل کرو اور جس کسی نے میرے کسی ایک صحابی کو گالی دی اس کو کوڑے مارو۔
اس طرح متعدد دوسری کتب میں بھی ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ موجود ہے:
مَنْ سَبَ نَبِيًّا فَاقْتُلُوهُ، وَمَنْ سَبَ أَصْحَابِي فَاضْرِبُوهُ "[3]
جس نے کسی بھی نبی کو گالی دی اس کو قتل کر دو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی اس کو مارو۔
اس میں مومن، کافر، مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں یہ مطلق حکم ہے۔ بلکہ اگر کسی پر اللہ نے انعام کرتے ہوئے دولت اسلام سے بھی مالا مال کر رکھا تھا۔ مگر اس نے اس کی قدر نہ کی اور کسی بھی نبی کی توہین کا ارتکاب کر دیا وہ شخص کافر و مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کے اسلام لانے کا عمل بھی اس کو کسی قسم کا نفع نہیں دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ

---

[1] طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد المعجم الصغیر-1 / 393، حدیث نمبر:659، قاضی عیاض، أبو الفضل القاضي عياض بن موسى- **الشفاء بتعریف حقوق المصطفی** 2/211
[2] المحب الطبري، احمد بن عبد الله، **الرياض النضرة في مناقب العشرة**، (دار الندوة الجديدة بيروت) ج1 / ص10
[3] قاضی عیاض، **الشفا بتعریف حقوق المصطفی**- مذيلا بالحاشية المسماة مزيل الخفاء عن ألفاظ الشفاء، شركة مكتبة ومطبعة مصطفي البابي الحلبي، ج2 ص194

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِه فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِۚ-وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ-هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾"[1]

اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا (عمل) اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا (ہے)۔

لہذا اگر کوئی نبی اکرم ﷺ کی توہین بھی کرتا تو یہ بھی کفر وارتداد ہی ہے جس کے بارے میں خود آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

نبی کو گالی دینا کفر اور صحابی کو گالی دینا فسق ہے:

علامہ ابوالحسن ماوردی الحاوی الکبیر "میں حدیث پاک نقل فرماتے:وروي عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: " مَنْ سَبَ نَبِيًّا ، فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ سَبَ صَحَابِيًّا فَقَدْ فَسَقَ " [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نبی کو گالی دی اس نے کفر کیا اور جس نے صحابی کو گالی دی اس نے فسق کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عتیک کے ہاتھوں گستاخ رسول ابو رافع یہودی کا قتل:

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ:" بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى أَبِي رَافِعٍ الْيَهُودِيِّ رِجَالًا مِنْ الْأَنْصَارِ , فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَتِيكٍ وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُؤْذِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَيُعِينُ عَلَيْهِ , وَكَانَ فِي حِصْنٍ لَهُ بِأَرْضِ الْحِجَازِ , فَلَمَّا دَنَوْا مِنْهُ وَقَدْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَرَاحَ النَّاسُ بِسَرْحِهِمْ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لِأَصْحَابِهِ: اجْلِسُوا مَكَانَكُمْ فَإِنِّي مُنْطَلِقٌ وَمُتَلَطِّفٌ لِلْبَوَّابِ لَعَلِّي أَنْ أَدْخُلَ.........**الخ** "[3]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو رافع یہودی کے قتل کے لیے انصار کے چند افراد کو بھیجا اور عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا ابو رافع حضور ﷺ کو اذیت دیتا اور آپ کے خلاف دشمنوں کی مدد کرتا اس وقت وہ حجاز میں ایک قلعہ میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے بندے جب اس کے پاس گئے تو سورج غروب ہو گیا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے کر (گھروں کو) واپس ہو چکے تھے عبد اللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم یہیں پر بیٹھے رہو میں جا کر قلعہ کے دربان کے ساتھ تدبیر کرتا ہوں تاکہ میں قلعہ میں داخل ہو جاؤں جب وہ دروازے کے قریب ہوئے تو اپنی چادر اوڑھ کر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح بندہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے لوگ قلعہ میں داخل ہوئے تو دربان نے آواز لگائی کہ او اللہ کے بندے اگر تو قلعہ میں داخل ہونا چاہتا ہے تو جلدی آ اور داخل ہو۔ میں دروازہ بند

---

[1] البقرہ:117

[2] ماوردي، **الحاوي الكبير** المؤلف: أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي،:(دار الكتب العلمية، بيروت لبنان) الطبعة:الأولى،1419ھ،ج17ص173

[3] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، حدیث،4039

کرنے لگا ہوں عبد اللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں قلعہ میں داخل ہوا تو کنارے پر کھڑا ہو گیا لوگوں کے داخل ہونے کے بعد دربان نے جب دروازہ بند کیا تو چابیاں ایک کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیں میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور دروازہ کھول دیا ابو رافع کے پاس اوپر والی منزل میں لوگ قصے کہانیاں بیان کیا کرتے تھے پھر جب قصہ سنانے والے اس کے پاس سے چلے گئے تو میں دروازوں سے داخل ہونے لگا اور داخل ہو کر ہر دروازہ اندر کی جانب سے بند کر دیتا تا کہ جب اسے قتل کروں تو کوئی باہر سے مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ جب میں ابو رافع کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے درمیان اندھیرے کمرے میں لیٹا ہوا تھا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان میں ابو رافع کون سا ہے تو میں نے آواز لگائی او ابو رافع کہنے لگا کون ہے میں نے آواز والی سمت میں تلوار ماری میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جس وجہ سے وہ قتل نہ ہو سکا اس نے چیخ ماری میں کمرے سے نکل گیا تھوڑا دور جا کر میں رکا پھر ابو رافع کے پاس آیا اور پوچھا" او ابو رافع یہ آواز کیسی ہے ؟ کہنے لگا" تیری ماں کے لیے ہلاکت ہو کوئی بندہ گھر میں مجھ پر تلوار سے حملہ کر گیا" ہے۔ ہے۔ عبد اللہ کہتے ہیں میں نے پھر اس پر تلوار کا وار کیا جس سے زخمی ہوا لیکن مقتل نہ ہوا۔ میں نے اس کے پیٹ پر تلوار کی نوک رکھ کر زور دیا حتی کہ اس کی پشت سے جا نکلی میں سمجھ گیا اب میں نے اسے قتل کر دیا ہے میں دروازوں کو ایک ایک کر کے کھولتا گیا یہاں تک کہ میں سیڑھی تک پہنچا تو میں سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں میں نے چاندنی رات میں پاؤں رکھا گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اپنی پگڑی کے ساتھ اسے باندھا اور میں چل پڑا، پھر جا کر قلعے کے دروازے کے قریب بیٹھ گیا اور دل میں سوچا کہ رات کو میں لوٹ کر نہیں جاؤں گا تا آنکہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کیا ہے یا نہیں۔ پس جب (صبح) مرغ نے آواز دی تو ای وقت قلعہ کی فصیل پر پکارنے والے نے بلند آواز سے کہا کہ ابو رافع حجاز کا تاجر مر گیا ہے عبد اللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کی موت کا یہ اعلان سنا تو میں اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا کہ اللہ نے نجات دے دی کہ ابو رافع کو ہلاک کر دیا پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے ان سے سارا واقعہ بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا اپنا پاؤں آگے کرو میں نے پاؤں آگے کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیرا تو میرا پاؤں ایسے ٹھیک ہو گیا جیسے کبھی اسے کوئی شکایت ہوئی ہی نہ ہو۔

مصنف عبد الرزاق میں بھی اس واقعہ کو سند کے ساتھ یوں نقل کیا گیا ہے:

عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ الْفَضْلِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ . . . أَوْ قَالَ: أَلْقَيْنِ أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَسُبُّ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: " مَنْ يَكْفِينِي عَدُوِّي؟" فَخَرَجَ إِلَيْهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَقَتَلَهَا . "[1]

---

[1] ابو بکر، عبد الرزاق بن ہمام، **المصنف**۔ 5 / 307، حدیث نمبر: 9705

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں برا بھلا کہا کرتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار صحابہ کرام کی مجلس میں کہا: کون ہے جو میرے اس دشمن کا کام تمام کر دے؟ یہ سن کر حضرت خالد بن ولید نے تلوار اٹھائی اور جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔"

عمیر بن عدی کا معظمی عورت عصماء بنت مروان کو قتل کرنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

هجت امرأة من خطمة النبي ﷺ فقال : (من لی بها ؟ (فقال رجل من قومها : انا يا رسول الله ،فنهض فقتلها فاخبر النبي ﷺ ، فقال : (لا ينتطح فيها عنزان) [1]

خطمہ "قبیلے کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اس عورت سے کون نمٹے گا۔" اس کی قوم کے ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کام میں سر انجام دوں گا۔ چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہ ٹکرائیں یعنی اس عورت کا خون رائیگاں ہے اور اس کے معاملے میں کوئی دو آپس میں نہ ٹکرائیں۔

مشرک گستاخ کو قتل کرنا زبیر بن عوام کا

عن ابن عباس ان رجلا من المشركين شتم رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ (من يكفيني عدوي ؟) فقام الزبير بن العوام فقال : انا فبارزه ، فاعطاه رسول الله ﷺ سلبه [2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اس دشمن کی کون خبر لے گا؟ تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

---

[1] السبتي، عیاض بن موسی، **الشفابتعریف حقوق المصطفی**،(دار الفیحا، عمان 1407)ھ ج2، ص222، 1

[2] الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، **مصنف عبد الرزاق**، تحقیق حبیب الرحمن اعظمی، (، المجلس العلمی ہند، 1403ھ ج5، ص236 حدیث 9477

یہودیت میں تقدیس کا تصور

یہودیوں کی بنیادی مذہبی کتاب تورات ہے۔ جو موجودہ دور میں عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے۔ یہود عہد نامہ جدید کو نہیں مانتے۔ اس کے علاوہ تالمود ان کی شریعت ہے جس میں فقہی احکام درج ہے۔ آئندہ سطور میں عہد نامہ قدیم کی روشنی میں دینی مقدسات کی توہین کی ممانعت اور خداوند قدوس کی حرمت سے متعلق احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی بنیادی مذہبی کتاب تورات ہے۔ جو موجودہ دور میں عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ تالمود ان کی شریعت ہے جس میں فقہی احکام درج ہیں۔ یہودی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں بھی بعض مذہبی مقدسات کی توہین کو جرم سمجھا جاتا ہے اور ان جرائم پر سزاؤں کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہودیت میں دینی مقدسات کی توہین کی ممانعت

یہودی اور عیسائیوں کی مشترک مذہبی کتاب بائبل میں دینی مقدسات کی حرمت کے احکامات ذکر کرنے سے قبل مناسب یہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں توہین (Blasphemy) کا مفہوم واضح کیا جائے۔

مغربی زبان وادب میں توہین کے لئے بلاس فیمی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس سے خدا اور مذہب یا زیادہ سے زیادہ متبرک اشیاء (Sacred) کی بے حرمتی توہین شمار کی جاتی ہے۔ بائبل کی آیات میں توہین رسالت کے عنوان سے کچھ نہیں ملتا، کیونکہ ان کے ہاں نبی اور رسول کا تصور نہیں بلکہ اسلام کے برعکس وہ نبی کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو "ابن اللہ" (The Son of God) یعنی خدا مانتے ہیں لہٰذا ان کے ہاں خدا کے مفہوم میں مقدس ہستیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس لئے توہین خداوندی کے الفاظ سے توہین رسالت بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

تاہم کچھ اعمال وافعال ایسے ہیں جنہیں یہودی روایات میں توہین تصور کیا جاتا ہے۔

"Encyclopedia of Religion" کے مطابق یہودیت میں بلاس فیمی کی حسب ذیل چار صورتیں ہیں:

"1Cursing God and God's name.

2Using God's name in vain, pronouncing it illicitly or destroying its written form.

3Saying inappropriate things about God.

4Acting in a manner that would bring disrepute upon the God of Israel.[1]

1۔ خدا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا۔

2۔ خدا کا نام غیر حقیقی اور غیر قانونی استعمال کرنا یا اس کی تحریری صورت بگاڑنا۔

---

[1] Thomson Gale, Encyclopedia of Religions, New Yark, 2nd Edition, 2:968.

۳- خدا کی شان میں واہیات بکنا۔

۴- ایسا انداز اختیار کرنا جو یہودیوں کے خدا کی رسوائی کا سبب بنے۔

یہود کی مذہبی کتابوں میں دینی مقدسات کی توہین کا حکم اور اس کی سزا

خداوند کی توہین؛ سنگساری اور سزائے موت:

1450-1410 قبل مسیح کے دوران لکھی جانے والی توریت کی تیسری کتاب احبار (Leviticus) کی نسبت تصنیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کتاب کی رو سے جو شخص خداوند تعالیٰ کی ذات پر برا بھلا کہے، ایسے شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے،

اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ [1]

تورات کی کتاب "سلاطین اول" میں بھی خداوند تعالیٰ اور بادشاہ وقت کی توہین کرنے والے کو سنگسار کا حکم دیا گیا ہے:

اور دو آدمیوں کو جو شریر ہوں اس کے سامنے کر دو کہ وہ اس کے خلاف یہ گواہی دیں کہ تو نے خدا پر اور بادشاہ پر لعنت کی پھر اسے باہر لیجا کر سنگسار کریں تاکہ وہ مر جائے۔ [2]

کتاب مقدس کے سفر "احبار" میں خداوند کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

تم میرے سبتوں کو ماننا اور میرے مقدس کی تعظیم کرنا۔ میں خداوند ہوں۔" [3]

اسی طرح کتاب خروج (Exodus) میں توہین باری تعالیٰ سے ممانعت ان الفاظ میں مذکور ہے: "تو خدا کو نہ سنا اور نہ اپنی قوم کے سردار پر لعنت بھیجنا۔" [4]

خداوند کی توہین کرنے والے ایک اسرائیلی نژاد عورت کے بیٹے کو قتل کرنے کا حکم

تورات کے سفر احبار کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک اسرائیلی عورت کے بیٹے نے ایک مجلس میں خداوند تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جو وہاں موجود بہت سارے لوگوں نے سن لیے۔ لوگ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گئے اور انہوں نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا تاکہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم اس باب میں نازل ہو

---

[1] احبار 16:24

[2] سلاطین 10:21

[3] ،احبار 2:26

[4] خروج 28:22

جائے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس شخص کو خدواند تعالیٰ کی توہین کرنے کی سزا میں تمام لوگوں کی موجودگی میں سنگسار کیا جائے۔ عہد نامہ قدیم کی کتاب احبار میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

."اور ایک اسرائیلی عورت کا بیٹا جسکا باپ مصری تھا اسرائیلیوں لشکر گاہ میں آپس میں مار پیٹ کرنے لگے۔

. اور اسرائیلی عورت کے بیٹے نے پاک نام پر کفر بکا اور لعنت کی۔ تب لوگ اسے موسی کے پاس لے گئے۔ اسکی ماں کا نام سلومیت تھا جو دبری کی بیٹی تھی جو دان کے قبیلہ کا تھا۔ اور انہوں نے اسے حوالات میں ڈال دیا تاکہ خداوند کی جانب سے اس بات کا فیصلہ ان پر ظاہر کیا جائے۔. تب خداوند نے موسی سے کہا کہ:. اس لعنت کرنے والے کو لشکر گاہ کے باہر نکال کر لے جا اور جتنوں نے اسے لعنت کرتے سنا وہ سب اپنے اپنے ہاتھ اسکے سر پر رکھیں اور ساری جماعت اسے سنگسار کرے۔. اور تو بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کرے اسکا گناہ اس کے سر پر گرے گا۔. اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر کے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر کے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے۔"[1]

یوم السبت کی توہین اور اس کی سزا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے لئے یوم السبت (ہفتہ کا دن) انتہائی متبرک دن تھا کیونکہ اللہ کے حکم سے اس دن وہ لوگ تمام دنیاوی مصروفیات چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ تورات کی دوسری کتاب خروج (Exodus) میں اس دن کی بے حرمتی پر قتل اور ملک بدری کی سزائیں ذکر کی گئی ہیں جس کی تائید قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیات 65،66 سے بھی ہوتی ہے۔ بائیبل میں ایسے گستاخوں کی سزا ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

لہذا سبت کو مانو کیونکہ یہ تمہارے لئے مقدس ہے اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے اور جو کوئی اس دن کوئی کام کرے، اپنی قوم سے خارج کیا جائے۔ چھ دن کا کام کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے خداوند کے لئے مقدس ہے جو شخص سبت کے دن کوئی کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔"[2]

کتاب مقدس کے ان احکامات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالی نے اس دن کو اپنے لئے مخصوص اور متبرک قرار دیا تھا اور بنی اسرائیل کا اس دن کی بے حرمتی کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت کو چیلنج کرنا تھا جو ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو قتل کی سزا کا حکم دیا گیا تھا۔

---

[1] احبار 10:24

[2] خروج 28:22

خداوند قدوس کے نائبین کی اہانت پر سزائے موت:

بائبل کی آیات کی روشنی میں قاضی اور کاہن روئے زمین پر اللہ تعالی کے نائب ہوتے ہیں اور ان کی تحقیر ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا گیاہے۔ شریعت موسوی میں قاضی اور کاہن کی سزا بائبل کی کی کتاب استثناء(Deuteronomy) کی زبانی حسب ذیل ہے:

جو شخص قاضی کی یا اس کاہن کی جو خداوند تمہارے خدا کی خدمت کے لئے کھڑا کرتا ہے، توہین کرتا ہے، وہ جان سے مار ڈالا جائے۔ تمہیں اسرائیل سے ایسی برائی کو دور کرنا ہی ہو گا۔ اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر توہین نہ کریں گے۔ [1]

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود کی مذہبی کتابوں کی روشنی میں بھی خداوند تعالی اور ان کے نائبین کی تحقیر اور گستاخی ایک عظیم جرم اور قابل سزا جرم ہے اور ایسے مجرموں کے لیے سزائے موت اور سنگسار کرنے کے احکامات موجود ہیں۔ اسی طرح مقدس تہواروں اور ایام جیسے یوم السبت کی حرمت کو پامال کرنا بھی یہودیت میں ایک جرم ہے جس کی سزا کے طور پر مجرم کو قوم سے نکالنے اور مار ڈالنے کا حکم دیا گیاہے۔

مسیحیت میں تقدیس کا تصور

مسیحیت کی مذہبی روایات میں توہین (Blasphemy) سے مراد مقدس اقدار اور عقائد کے خلاف بد زبانی کرنا ہے۔ اسے بڑے بڑے جرائم میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ اسے خدا سے بغاوت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

"Encyclopedia of Religion" کی رو سے بلاس فیمی کا تصور شریعت موسوی سے مسیحیت میں وارد ہوا ہے:

"Christendom's concept of blasphemy derived from the Mosaic injunction of exodus 22:28, which declares, you shall not revile God[2].

ترجمہ: "دنیائے مسیحیت میں توہین (Blasphemy) کا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم سے منتقل ہوا ہے جو کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۲۸ میں ذکر کیا گیا ہے: تم لوگ خدا کی شان میں بد گوئی اور بد کلامی نہیں کرو گے۔

بائبل جو دراصل تورات اور انجیل مقدس کے مجموعے کا نام ہے، مختلف قسم کے امور کی توہین اور بے حرمتی پر سخت سے سخت سزاؤں سے لبریز ہے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جب ایسے معمولی معمولی جرائم پر اس قدر سنگین سزائیں دی جاتی تھیں تو خداوند تعالی، نبی، رسول یا دیگر مذہبی مقدسات کی بے ادبی کی سزا کتنی سخت ہو گی؟ ذیل میں بائبل بالخصوص عہد نامہ جدید سے مذہبی مقدسات کی توہین سے متعلق چند اہم واقعات بطور دلیل پیش کئے جاتے ہیں:

---

[1] استثناء 17:12-13

[2] Thomson Gale, Encyclopedia of Religions, New Yark. 2nd Edition, 2:970

ماں باپ کی توہین: ہلاکت کا سبب

روئے زمین پر اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے زیادہ احسانات والدین کے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کی تقدیس اور حرمت سب سے بڑھ کر بیان کی ہے۔ عہد نامہ جدید کی پہلی کتاب انجیل متی (Methew) میں ماں باپ کی توہین کی سزا قتل اور ہلاکت بیان کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

کیونکہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی عزت کرنا اور جو باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے۔[1]

جس مذہب میں والدین کی اتنی قدر و اہمیت ہو گی کہ ان کی بے حرمتی سزائے موت کی طرف لے جاتی ہے، اس دین میں نبی اور رسول جو احسانات میں ماں باپ سے بڑھ کر ہوتے ہیں، ان کی توہین اور گستاخی کی سزا بدرجہ اولی موت ہونی چاہئے۔

توہین خدا؛ ایک نا قابل معافی جرم:

تمام الہامی مذاہب میں عقیدہ نبوت ورسالت ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتا ہے اور اسی وجہ سے نبی اور رسول کی تحقیر اور استخفاف نا قابل معافی جرم شمار کیا جاتا ہے بلکہ بائبل میں دین اسلام کی نسبت سخت وعید اور سزا ذکر کی گئی ہے۔ انجیل متی میں اسے دونوں جہانوں کے لئے نا قابل معافی جرم بتایا گیا ہے:

اسی لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہیں کیا جائے گا اور جو کوئی ابن آدم اس کے بر خلاف بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے بر خلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہیں کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔"[2]

اسی طرح انجیل لوقا (Luke) میں بھی توہین پیغمبر کو نا قابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا گیا ہے:

"جو کوئی ابن آدم کے خلاف کچھ کہے گا، اسے بخش دیا جائے گا لیکن جو پاک "روح" کے خلاف کفر کرے گا اسے نہیں بخشا جائے گا۔"[3]

دین اسلام میں توہین رسالت کے سلسلے میں بعض فقہاء کے نزدیک توبہ کی کسی قدر گنجائش موجود ہے لیکن بائبل کی روشنی میں مسیحیت میں یہ دونوں جہانوں میں نا قابل معافی جرم ہے۔

---

[1] متی 4:15

[2] متی 12:31-32

[3] لوقا 10:22

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خدا کی توہین کے الزام میں ستفنس کا قتل:

بائبل کی کتاب "اعمال الحواریین" جسے اردو میں "رسولوں کے اعمال"(Acts of Apostles) کہا جاتا ہے، میں ستفنس کی شہادت کے عنوان سے ایک واقعہ مذکور ہے۔ ستفنس کو خدا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کے جھوٹے الزام میں پتھر مار مار کر قتل کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ان الفاظ کے ساتھ آج بھی بائبل کے صفحات میں مرقوم ہے:

."جب انہوں نے یہ باتیں سنیں تو جل بھن کر رہ گئے اور اس پر دانت پیسنے لگے۔

لیکن ستفنس نے پاک روح سے معمور ہو کر آسمان کی طرف سے غور سے نگاہ کی تو اسے خدا کا جلال دکھائی دیا اور اس نے یسوع کو خدا کے داہنے ہاتھ کھڑا دیکھا۔

اس نے کہا: دیکھو! میں آسمان کو کھلا ہوا اور ابنِ آدم کو خدا کے داہنے ہاتھ کھڑا دیکھتا ہوں۔

یہ سنتے ہی وہ زور سے چلائے اور اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور ایک ساتھ اس پر جھپٹ پڑے۔

اور اسے گھسیٹ کر شہر سے باہر لے گئے اور اس پر پتھر برسانے لگے۔ اس دوران گواہوں نے اپنے چغے اتار کر ساؤل نامی ایک جوان آدمی کے پاس رکھ دیئے۔

جب وہ ستفنس پر پتھر برسا رہے تھے تو ستفنس یہ دعا کر رہا تھا: اے خداوند یسوع میری روح قبول فرما۔

پھر اس نے گھٹنے ٹیک کر زور سے پکارا کہ اے خداوند! یہ گناہ ان کے ذمے نہ لگا۔ یہ کہنے کے بعد وہ موت کی نیند سو گیا۔"[1]

اس طویل واقعے سے چند حقائق سامنے آتے ہیں:

(1) ستفنس پر توہین پروردگار اور بے حرمتی رسول کی وجہ سے پتھر برسائے گئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسیحیت میں کسی نبی کی توہین ایک بڑا جرم ہے اور اس کی سزا صرف قتل ہے۔

(۲) بائبل کی رو سے ستفنس بے گناہ تھا، لیکن اس پر الزام یہی تھا کہ اس نے نبی وقت کی توہین کی ہے اور اس جرم کی سزا میں اس کو قتل کیا گیا۔ مزید براں اس کے خلاف قانون کے غلط استعمال پر کوئی بھی یہودی اور عیسائی اس قانون کو بائیل کے اوراق سے نکالنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ تو پھر اسلام میں قانون توہین رسالت کے خلاف کیوں بات کی جاتی ہے۔ جب کہ یہ صرف اسلام کا قانون نہیں بلکہ تمام آسمانی مذاہب کا متفقہ قانون ہے۔

---

[1] اعمال 7:54-60

گستاخان رسول، خدا کے مبغوض انسان:

انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستیاں ہوتی ہیں اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی بے ادبی کو اپنی ذات باری تعالیٰ کی گستاخی قرار دیا ہے۔ ۱۵۰ گیتوں پر مشتمل حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کتاب زبور (Psalm) میں حضرت داؤد علیہ السلام نے شاتمان رسول کو شریر کے نام سے ذکر کیا ہے:

شریروں نے میرے لئے پھندا لگایا ہے لیکن میں نے تیرے فرمانوں کو نہیں بھلایا۔"[1]

اسی کتاب زبور میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تو زمین کے سب شریروں کو دھات کے میل کی مانند چھاٹ دیتا ہے؟ اس لئے میں تیرے قوانین کو عزیز رکھتا ہوں۔"[2]

اس کے علاوہ دانش و حکمت پر مبنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کتاب امثال (Proverbs) میں گستاخان رسول کے متعلق بڑی کثرت سے زواجر و تنبیہات مذکور ہیں۔ ایک جگہ یوں بیان کیا گیا ہے:

کسی ناگہانی آفت کا خوف نہ کر اور نہ ایسی بربادی کا جو شریر پر آپڑتی ہے۔"[3]

شریر اور موذی رسول پر ہر وقت لعنت برستی ہے۔ یہی سزا ایسے شخص کے لیے کتاب امثال میں ذکر کی گئی ہے:

شریر کے گھر پر خدا کی لعنت ہوتی ہے لیکن راست باز کے مسکن کو وہ برکت دیتا ہے۔ وہ مغرور اور ٹھٹھ بازوں کا مضحکہ اڑاتا ہے لیکن حلیموں پر فضل کرتا ہے۔"[4]

اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے والے خود ہی بے نام و نشان بن جاتے ہیں۔ اس خدائی اصول کو بائبل کی کتاب امثال میں یوں بیان کیا گیا ہے:

راستبازوں کی یاد مبارک ہے، لیکن شریروں کا نام سڑ جائے گا۔"[5]

کتاب مقدس کے سفر "یوحنا" میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ محبت کرنے اور ان کا احترام کرنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے: "یسوع نے جواب میں اُن سے کہا وہ وقت آگیا کہ ابن آدم جلال پائے۔

---

[1] زبور 110:119

[2] زبور، 119:119

[3] امثال، 25:3

[4] امثال، 3:33-34

[5] امثال 10:7

میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا تو اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو اپنے ساتھ بہت سا پھل لاتا ہے۔۔

جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ اُسے کھو دیتا ہے اور جو دنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کے لئے محفوظ رکھے گا۔ اگر کوئی شخص میری خدمت کرے تو میرے پیچھے ہو لے اور جہاں میں ہوں وہاں میرا خادم بھی ہو گا۔ اگر کوئی میری خدمت کرے تو باپ (یعنی خدا) اُس کی عزت کرے گا۔"[1]

کتاب مقدس کی مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور انبیاء کرام کی توہین اور ان پر طعنہ زنی کرنا ایک بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا۔

توہین اور تحقیر پروردگار، تنگ دستی کا سبب:

بائبل کی کتاب یسعیاہ(Asaiah) میں خدا کی بے حرمتی، مایوسی اور تنگ حالی کا سبب بیان کی گئی ہے:

وہ پریشان حال اور بھوکے ملک میں بھٹکتے پھریں گے اور جب فاقہ کی نوبت آئے گی تو زندگی سے بیزار ہو کر اور اوپر نگاہ کر کے اپنے بادشاہ اور اپنے خدا کو کوسنے لگیں گے۔

پھر وہ زمین کی طرف نگاہ کریں گے اور صرف تنگ حالی، تاریکی اور خوفناک اداسی ہی دیکھ پائیں گے اور وہ گہری تاریکی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔"[2]

425ء میں لکھی جانے والی کتاب تواریخ(Chronicles) میں توہین اور شرارت کو ہلاکت اور تباہی کا سبب بیان کیا گیا ہے

"اپنے باپ دادا اور بھائیوں کی مانند نہ بنو جنہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کی نافرمانی کی۔ جس کی وجہ سے اس نے انہیں ہلاکت کے سپرد کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔"[3]

بائبل کی درج بالا آیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں خداوند قدوس، انبیاء کرام اور دیگر مقدسات کی حرمت کا تصور موجود ہے۔ ان مقدسات کو ہر قسم کی توہین اور تنقید سے منزہ و مبرا تصور کیا جاتا ہے اور کسی بھی شخص کو ان مقدسات کی اہانت کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی اس جرم کا مرتکب قرار پائے تو اس کو سخت ترین سزا دینے کا حکم ہے۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں میں خداوند تعالیٰ، خداوند تعالیٰ کے نائبین، روح

---

[1] یوحنا12:23-25

[2] یسعیاہ8:21-22

[3] تواریخ، 7:30

القدس، یوم السبت اور دیگر مذہبی مقدسات اور شعائر کی توہین کی ایک بڑا جرم تصور ہوتا ہے۔ ان مذاہب کی مقدس کتابوں کی روشنی میں مذہبی شعائر اور مقدسات کی توہین کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزائیں مقرر کی گئی ہیں حتیٰ کہ ان کو جلاوطن کرنے، سنگسار کرنے اور جان سے مار ڈالنے تک احکامات موجود ہیں۔

یہودیت اور مسیحیت میں مقدسات کی حرمت کا تصور ان مذاہب کے بنیادی عقائد کا حصہ ہے، اور ان کی مقدس کتب میں انبیاء کرام، خداوند تعالیٰ، روح القدس، اور دیگر مذہبی شعائر کی بے حرمتی کے لیے سخت احکامات دیے گئے ہیں۔ یہ تعلیمات ان مذاہب میں خدا کی حاکمیت اور تقدس کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

یہودیت اور مسیحیت دونوں میں خداوند قدوس، انبیاء، روح القدس، اور مذہبی شعائر کو توہین و تنقید سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ ان کے مذہبی ڈھانچے کا مرکزی حصہ ہے۔

ان مذاہب کی تعلیمات میں مقدسات کی بے حرمتی کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزائیں تجویز کی گئی ہیں، جن میں جلاوطنی، سنگسار کرنا، اور موت کی سزا شامل ہیں۔ یہ سزائیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان مذاہب میں مقدسات کے خلاف گستاخی کو نہایت سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔

ہندومت میں تقدیس کا تصور

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں دیوی دیوتاؤں، اتاروں، گروؤں بلکہ برہمن ذات کے ہندوؤں کی توہین پر بھی سزائیں بیان کی گئی ہے جو کہ ان کی مختلف کتابوں ویدوں اور پرانوں وغیرہ میں موجود ہیں۔ جن میں سے کچھ کا تذکرہ یہاں پر کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی ویدوں میں سب سے اہم سمجھی جانے والی رگ وید میں گستاخوں کو مارنے کا ذکر ملتا ہے، اس میں ہے۔

> GREAT is this might of yours, Indra and Soma: the first high exploits were your own chievements.
> Ye found the Sun ye found the light of heaven: ye killed all darkness and the Gods' blasphemers[1] .

اندر[2] اور سوما یہ تمہاری عظمت و طاقت ہے۔ پہلے اعلیٰ کارنامے تمہاری اپنی کامیابیاں تھیں۔ تم نے سورج اور آسمانوں کی روشنی کو پالیا تم نے تمام اندھیروں اور وشنو کے گستاخوں کو مارا (نیست و نابود کر دیا)۔

---

[1] Rig-Veda, Translated by Ralph T.H. Griffith, [1896] Publisher: Evinity Publishing Inc; 1.0 edition (March 11, 2009) Book 6 HYMN LXXII -1

[2] اندر ہندی آریاؤں کا محافظ دیوتا جسے ابتداء میں دیوتاؤں کا سربراہ تسلیم کیا جاتا تھا۔

دیوتاؤں کی توہین کرنے والا نرک (جہنم) میں جائیگا:

دیوی بھگوتا پران میں دیوی، دیوتاؤں کے بے ادبوں گستاخوں کے لیے نہ صرف سب سے بدترین آگ کے عذاب کا حکم ہے اس کے علاوہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس کی گستاخی کی وجہ سے وہ انسانیت کے درجے سے گر کر اگلے جنم میں سانپ کے روپ میں پیدا ہو گا۔ کیونکہ ان کے مذہب میں انسان کو کئی جنم ملنے ہوتے ہیں لہذا اس جرم کی وجہ سے وہ اگلے جنم میں سانپ بن جائے گا اور اس گناہ کو تمام گناہوں سے بڑا گناہ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے گستاخ کو اسکی معافی بھی کبھی نہیں ملے گی۔

> The wretch that abuses Mûla Prakriti, the Vedas, the S'âstras, Purânas, Brahma, Visnu, S'iva and the other Devas, Gaurî, Laksmî, Sarasvatî and the other Devîs, goes to the hell named Bhayanaka Narakakunda. There is no other hell more tormenting than this. The sinners live here for many Kalpas and ultimately become serpents. There is no sin greater than the abuse of the Devî. There is no expiation for it. So one ought never to abuse the Devi[1].

جو بد قماش ملا پراکرتی، وید، شاستر، پران، برہمن، وشنو، شیوا، اور دوسرے دیوتاؤں اور گوری لکشمی، سرسوتی اور دوسری دیویوں کی ہتک (گستاخی) کرے وہ نرگ (جہنم) میں جائے گا جس کا نام بھیانک نرکا کندا ہے۔ اس جہنم سے زیادہ دردناک کوئی دوزخ نہیں۔ گناہگار بہت سارے زمانوں تک یہاں رہیں گے اور آخر کار سانپ بن جائیں گے۔ دیوی کی ہتک سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس جرم کی کوئی معافی نہیں اس لیے کسی کو دیوی کی توہین نہیں کرنی چاہیے۔

گستاخوں کو قتل کا حکم:

اتھر وید میں معبودوں کے گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی اس سے بھی آگاہ کر دیا ہے کہ ایسے مجرم کو مرنے کے بعد بھی مفر حاصل نہیں ہو گا بلکہ ایسے ملعون کو آگ جلا دے گی۔

> O Cow, break thou the head of him who wrongs the Brahmans, criminal, niggard, blasphemer of the Gods. 61. Let Agni burn the spiteful wretch when crushed to death and slain by thee.[2]

اے مقدس گائے جو برہمن کو غلط کہے اس کا سر توڑ دے۔ تو ہر مجرم، بخیل اور معبودوں کے گستاخ کو مار دے۔ اور آگ اس نفرت انگیز ملعون کو جلا دے جب وہ تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جائے۔

---

[1] The S'rîmad Devî Bhagawatam THE NINTH BOOK Chapter XXXIII translated by Swami Vijñanananda Part I & II 1921-22 p. 928

[2] The Hymns of the Atharvaveda translated. by Ralph T.H. Griffith [1895-6] Publisher: Evinity Publishing Inc; 1.0 edition (April 16, 2009) Book XII HYMN V. 60.61, p. 103

گستاخوں کے لیے برہما کی سزا:

اس منڈلا میں برہما کی ہیبت بیان کرنے کے بعد بیان کیا جارہا ہے کہ برہما گستاخوں کو آگ کے سے برباد کر دیگا۔

His voice an arrow's neck, his tongue a bowstring, his windpipes fire -enveloped heads of arrows, With these the Brahman pierces through. blasphemers, with God-sped bows that quell the hearts within them[1].

اسکی آواز تیر کا سرا ہے اور اسکی زبان کمان کی ڈور ہے۔ اسکے گلے سے آگ میں لپٹے ہوئے تیر نکلتے ہیں۔ ان تیروں سے برہما گستاخوں کے بدن چھید کرر کھ دیتا ہے۔ یہ برہما کے چھوڑے ہوئے تیر ہیں جو ان مجرموں کے دلوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔

استھزاء و تضحیک کرنے والوں کی نسل کی بربادی:

جو فرد دیوی دیوتاؤں کی بے ادبی و گستاخی کرے اس کے لیے تو سزا ہے ہی بلکہ اتھر و وید میں ہے کہ مقدس ہستیوں کا تمسخر و تضحیک ایسا سنگین جرم ہے کہ جس کی سزا باقی خاندان کو بھی ملتی ہے

21۔Covet not thou our kine or men, covet not thou our goats or sheep .Elsewhither, strong One! Turn Thine aim: destroy the mockers[2] family[3]

. ہماری گائے اور آدمیوں کی لالچ مت کرو اور نہ ہی ہماری بکریوں اور بھیڑوں کی تمنا کرو! اے زور آور کہیں جا۔ اور اپنا نشانہ بدل لے: تمسخر اڑانے والے کے خاندان کو تباہ کر دے۔

گستاخی کرنا اور دیکھنا دونوں نیک اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں:

گستاخی ایک ایسا معین جرم ہے جو صرف مجرم کے اعمال تباہ نہیں کرتا بلکہ اسکے اثرات دیکھنے والوں پر بھی ہوتے ہیں ان کی نیکیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔

61The pious credits earned in a hundred births are at once destroyed for they who blaspheme Lord Krsna or His saintly devotee.
62 They are cooked in the terrible hell called Kumbhipaka. They are eaten by worms for as long as the sun and moon exist63 Simply by seeing such a blasphemer all one's piety is destroyed. If he sees him

---

[1] The Hymns of the Atharvaveda translated. by Ralph T.H. Griffith [1895-6] Book V HYMN XVIII- 8, p. 176

[2] کسی کی تضحیک، تمسخر اور تذلیل کرنے کو کہتے ہیں۔

[3] The Hymns of the Atharvaveda translated. by Ralph T.H. Griffith [1895-6] Book HYMN II-21, p. 48

a wise man bathes in the Ganga or glances at the sun, and in that way becomes purified [1]

61- ایک سو جنموں کے نیک اعمال کا بدلہ بھگوان کرشن اور اس کے پجاریوں کی گستاخی کی وجہ سے ایک لمحے میں تباہ ہو جاتا ہے۔ 62- وہ ایسے خوفناک نرگ میں جلائے جاتے ہیں جس کا نام کمبھیپکا ہے۔ ان کو کیڑے کھاتے رہتے ہیں جب تک سورج اور چاند کی روشنی باقی ہے۔ 63- صرف کسی گستاخ کو دیکھنے سے ہی سارے نیک عمل تباہ ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی !اسکو دیکھ لے تو عقلمند آدمی کو چاہیے کے وہ گنگا جل میں نہالے یا سورج کو دیکھ لے تا کہ وہ اس گناہ سے پاک ہو جائے۔

جب تک سورج و چاند باقی ہیں ان کو آگ میں جلایا جائے گا جو کہ ابدی سزا کو بیان کر رہا ہے کیونکہ ہندو مذہب میں چار یگ ہیں جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے آخری یگ کے خاتمے پر پھر پہلے یگ کی ابتدا ہو جاتی ہے، لہذا یہ سزا بھی ختم نہیں ہو گی اس لیے بھی کیونکہ ان کے مذہب میں سورج مخلوق نہیں بلکہ ان کا دیوتا ہے تو جب تک یہ دیوتا باقی ہے تب تک گستاخ آگ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔

اونچی پر جاتی (ذات) کی توہین پر سزا:

ہندومت کی ویدوں وغیرہ میں صرف دیوی دیوتاؤں کی توہین پر ہی سزا نہیں ہے بلکہ اگر کوئی کسی اعلیٰ خاندان، جیسا کہ برہمن، کھتری وغیرہ کی توہین کر دے تو اس کے لیے جہاں جرمانے کی سزا دی جاتی تھی وہیں اگر جرم کا ارتکاب کرنے والا کوئی شودر ہوتا تو اس کی زبان تک کاٹنے کا حکم تھا۔ "منو سمرتی" سنسکرت میں ہندو مذہب کی قدیم کتاب ہے جس میں ہندوؤں کے لیے نظام زندگی اور سماجی و فوجداری قانون کو بیان کیا گیا ہے۔ سنسکرت زبان کی یہ پہلی کتاب ہے جس کا 1776ء میں سر ولیم جونز نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور برطانوی حکومت کے زیر اہتمام کلکتہ سے 1796ء میں چھپی۔ ہندوؤں کا مذہبی قانون ہونے کی وجہ سے سر ولیم کے علاوہ کئی دوسرے افراد نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے، یہاں تک کہ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ منو سمرتی جو مڈھا تیتھی کی شرح (Manusmriti with the Manubhasya of Medhatriti) اور گنگاناتھ کے ترجمہ کے ساتھ سات جلدوں میں موتی لال بنارسی داس پبلشر سے 1922ء میں چھپ چکی ہے اس میں سنسکرت متن کے ساتھ نہ صرف رومن تلفظ اور انگریزی ترجمہ ہے بلکہ مشکل الفاظ کے معانی و تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس کتاب کے آٹھویں باب میں دیوانی و فوجداری قانون (Dasure VII – Law Civil and Criminal) کے سیکشن (XLI) میں زبانی حملہ توہین و گستاخی (Verbal Assault (Abuse)and Defamation) کے بیت نمبر 267 تا 287 بارہ شکوں میں مختلف لوگوں

[1] Brahmavaivarta Purana translated by Shanti Lal Nagar Published by Parimal Publications (2001) chapter1.61

کے لیے مختلف ذاتوں کے افراد کی توہین پر سزائیں بیان کی گئی ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔[1]
اس کے انگلش ترجمے اور اردو کے ترجموں میں کچھ فرق بھی ہے لہذا دونوں جمع کر دیئے گئے ہیں

برہمن کی توہین پر جرمانہ و سزا:

On abusing a Brähmaṇa the Kṣatriya should be fined one hundred; and the Vaisya one hundred and fifty; or two hundred;or two hundred;the Sudra however deserves immolation.[2]

.برہمن کی توہین پر کھشتری کو ایک سو جرمانہ ہو گا۔ اور ویش کو ایک سو پچاس یا دو سو؛ البتہ شودر پر بلیدان (قربانی) لازم ہے۔
اگر کشتری کسی برہمن کو چور کہے تو سو پن ڈنڈ دیوے اگر ویش ایسی بات کہے تو ڈیڑھ یا دو سو پن ڈنڈ دیوے اور اگر شودر ایسی بات کہے تو قطع عضو کے لائق ہے۔[3]

سر ولیم" کے انگریزی ترجمے میں صرف "abuse" "گالی" کا لفظ ہے جو کہ مطلق توہین پر دلالت کرتا ہے کہ چاہے کسی قسم کے توہین آمیز الفاظ ہوں تو اس پر یہ سزا ہو گی۔ مگر "گرپارام" کے ترجمہ میں چور کے الفاظ کی تخصیص کی گئی ہے۔)
شودر کی اس گستاخی کے متعلق اس کتاب کا شارح مڈھا تیتھی لکھتا ہے

For the Sudra immolation, in the form of beating, cutting off the tongue, actual death, and so forth, to be adjusted in accordance, with the exact nature of the abuse[4].

(Sidra immolation)" شودر" کی قربانی اس کی جسمانی سزا، زبان کاٹنا، حقیقی موت، علی ھذا القیاس ہے جس کا تعین اس کی توہین کے حساب سے ہو گا"۔ یعنی اس توہین پر سزا کا تعین اس کی توہین کی سنگینی کے حساب سے ہو گا جو کہ زبان کاٹنے سے لے کر اس کی موت تک ہو سکتی ہے۔
اسی طرح کی سزا صراحت کے ساتھ اس کتاب کے بیت 271 اور 272 میں بیان بھی کی گئی ہے۔

---

[1] ابو تراب، حبیب الحق کاظمی، **تحفظ ناموس رسالت (اسلامی و عالمی قانون)**، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، دسمبر 2020ء ص: 409-410

[2] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha | Published by the University of Calcutta1926. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 307

[3] **منوسمرتی** اردو ترجمہ و نوٹ مترجم: کرپارام شرما جگرانوی ویدک دھرم پریس دھلی۔ ص 298

[4] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 307

> If a once-born person insults a twice-born one with gross abuse, he should suffer the cutting off of his tongue as he is of low origin[1]

اگر ایک دفعہ پیدا ہونے والا دو دفعہ پیدا ہونے والے کی سنگین توہین کرے تو اسے زبان کے کٹنے کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ وہ کم ذات ہے۔

اگر شودر یعنی جاہل خدمتگار، عالم، سپاہی اور بیوپاری سے سخت کلامی سے پیش آئے تو اسکی زبان چھید کرنے کے لائق (لائق) ہے کیونکہ وہ جن لوگوں کی خدمت کے واسطے مقرر ہوا ہے بجائے اونکی خدمت کے ان کی توہین کرتا ہے۔[2]

ایک مترجم نے ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے: اگر شودر برہمن یا کشتری یا دیشہ سے سخت زبانی کرے تو اسکی زبان میں سوراخ کیا جائے کیونکہ وہ عضو حقیر سے یعنی پانوں (پاؤں) سے پیدا ہوا ہے۔[3]

اس میں جو سنگین" کے الفاظ بیان ہوئے ہیں اس کی وضاحت اگلے بیت میں ہو جاتی ہے کہ کس قسم سنگین نوعیت کی توہین میں آتے ہیں۔ اس میں سزا کی بھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

> If he mentions the name and cast of these men with scorn, a burning iron nail ten inches long shall be thrust into his mouth[4]

اگر یہ ان لوگوں کا نام یا ذاتوں کو توہین (حقارت) سے ذکر کرتا ہے تو اس پر دس انچ بھی گرم لوہے کی سلاح اس کے منہ میں گاڑ دی جائے۔

جو شودر (ارے تو فلانے برہمن سے نیچ) ایسا باآواز بلند براہمن وغیرہ کے نام اور ذات کو کہے تو اوسکے منہ میں بارہ اونگل کی سیخ آہنی جلتی ہوئی ڈالنا چاہیے۔[5]

اب یہ سزا کسی قسم کی توہین پر ملے گی یعنی کسی قسم کے الفاظ کا استعمال جرم ہے اس کی شرح مڈھا تیتھی "(Medhatithi)ان لوگوں یا ان ذاتوں کی توہین کے حوالے سے اس کی شرح میں لکھتا ہے۔

---

[1] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 307

[2] منو سرتی اردو ترجمہ ونوٹ مترجم: کرپارام شرماجگرانوی ویدک دھرم پریس دھلی، ص299

[3] منو سمرتی کی مع ترجمہ اردو مرتبہ لالہ سوامی دیال صاحب بار دوم مطبع منشی نول کشور مقام کانپور، ص299

[4] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha | 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 310

[5] منو سمرتی اردو ترجمہ ونو مترجم کرپاراشر ماجگرانوی ویدک دھرم پریس دھلی، ص299

The words being in some such form as 'O wretched Brahmaṇa, do not touch me'; and so forth. Similarly with the name also[1].

وہ الفاظ اس قسم کے ہوں او بد بخت برہمن مجھے مت چھونا؛ اور اسی طرح نام لے کر کہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں بیان کیے گئے قوانین میں تو "شودر" ذات کا فرد کسی "برہمن" کو سختی کے ساتھ اس کے فرائض کی ادائیگی کا بھی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ برہمن کی تخلیق بھگوان کے منہ سے ہوئی ہے لہٰذا وہ اعلیٰ ذات کا فرد ہونے کے ساتھ بھگوان کا محبوب ہے جس کی توہین سخت جرم ہے۔ اگر "شودر" جو بھگوان کے پاؤں سے تخلیق ہوا ہے کسی ایسی جرات کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے لیے قانون سخت سزا تجویز کرتا ہے۔

If through arrogance, he teaches brahmanas their duty, the king shall pour heated oil into his mouth and ears[2].

. اگر وہ برہمن کو تکبر کے ساتھ اس کے فرائض یاد کراتا ہے تو بادشاہ کو چاہیے کہ ابلتا ہوا تیل اس کے منہ اور اور کانوں میں انڈیل دے۔

جو شودر براہمنو نکو (براہمنوں کو) غرور سے دھرم کا اُپدیش کرنیوالا ہو اسکے منہ اور کان میں گرم تیل راجہ ڈالے۔[3]

مڈھاتیتھی (Medhatithi) اس قانون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

Sometimes Śūdras, 'through arrogance' due to a slight knowledge of grammar, address to Brāhmaṇas such advice as 'this is your duty, such is the procedure of this rite'-'do not do it in this manner, you, who are learned in the Veda. And the text lays down the penalty for such Südras. If however a Südra has learnt things through his association with Brāhmaṇas, and points out lapses as to proper time and place due to forgetting the details, in a friendly manner, with such words as 'Do not please omit the morning time,' 'fulfil your duties towards the gods,' 'satisfy the gods,' 'wear the cloth over your

---

[1]Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha | 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 310

[2] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha | 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation) p. 310

[3]منوسمرتی اردو ترجمہ ونو مترجم کرپاراشر ماجگر انوی ویدک دھرم پریس دھلی، ص 299

right shoulder, and not the reverse,' then there is nothing wrong in this[1].

بعض دفعہ شودر "تکبر کے ساتھ "زبان کے قواعد کی قلیل معلومات کی وجہ سے برہمن کو اس طرح نصیحت کرتا ہے "یہ تمہارا فرض ہے،"۔ اس طرح بیان کا طریقہ - اس طرح کے انداز سے نہ کرو، تم نے جو وید میں سیکھا ہے اور متن اس شودر کے لیے سزا مقرر کرتا ہے۔ اگر شودر نے برہمن کی صحبت میں چیزیں سیکھ لی ہیں، اور تفصیلات کے بھولنے کی وجہ سے صحیح وقت اور صحیح جگہ پر کمزوری کی نشاندہی دوستانہ انداز میں اس طرح کے الفاظ میں کرتا ہے۔ برائے کرم صبح کے وقت کو نظر انداز نہ فرمائیں، خداؤں کی طرف اپنے فرائض پورے فرمائیں، خداؤں کو مطمئن فرمائیں، کپڑا اپنے دائیں کندھے پر ڈالیں نہ کہ اس کے خلاف، اس پر کوئی مذائقہ نہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک تو اسے برہمن کے مقام و مرتبہ سے اچھی آگاہی ہونی چاہیے اور دوسرا برہمن کی صحبت کی وجہ سے اگر اسے مذہبی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، (کیونکہ شودر کو مذہبی کتب پڑھنے کی اجازت نہیں) تو پھر بھی وہ برہمن کو تواضع اور عاجزی کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے توجہ دلا دے۔ اگر وہ ان امور سے جاہل ہے یا تحکم کے لہجے میں اسے اس کے فرائض یاد دلاتا ہے تو اس پر وہ سزا کا مستحق ہے۔

اونچی ذات کے فرد پر تھوکنا قابل سزا جرم ہے:

اونچی ذات کے فرد کا ادب واحترام کرنا نچلی ذات والے کے لیے لازم ہے اور اگر وہ نفرت وغرور سے اس پر تھوک دیتا ہے تو منو سمرتی میں اس کے لیے ہونٹ کاٹنے کی سزا ہے

If, out of arrogance, he spits, the king s hould have his two lips cut off[2]

اگر یہ تکبر سے تھوکتا ہے تو بادشاہ اس کے دونوں ہونٹ کاٹ دے؛

یہ تو ہندوؤں کی اونچی ذات کے افراد کی توہین پر سزائیں ہیں وگرنہ ان کے دیوی دیوتاؤں اور اتاروں کی توہین تو اس سے بھی سنگین جرم ہے جس پر ان کی کتابوں میں سخت ترین سزائیں بیان ہوئی ہیں اگر کوئی بانی مذہب کی توہین کرے تو اس کے لیے لکھا ہے۔

---

[1] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation), p. 310-311

[2] Manusmriti with the Commentary of Medhatithi translated by: Ganganatha Jha 1920. Volume 6. Part IV. Discourse VIII - Law (Civil and Criminal). Section XLI - Verbal Assault (Abuse and Defamation), p. 319

بانی مذہب کے گستاخ کی سزا قتل ہے:

سر مد بھگوتم (بھگوت پر ان میں وید گرو کی گستاخی کرنے والے کی پہلے زبان کاٹنے اور پھر قتل کرنے کا حکم ہے، بلکہ اس کتاب میں گستاخوں کو سزا دینے کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ گستاخی سننے والے کے لیے حکم ہے کہ اگر اس کو اپنی جان کا خوف نہ ہو تو گستاخی کرنے والے کو حاکم کے پاس لے جانے کی مہلت دینے کی ضرورت نہیں بلکہ سننے والا خود سزا دے دے گا۔

> 17.Sati continued: If one hears an irresponsible person blaspheme the master religion, one should block his ears and go away if, unable and controller of to punish him. But if one is able to kill, then one should by. force cut out the blasphemer's tongue and kill the offender, and af that one should give up his own life [1]

ستی نے کہا: اگر تم کسی غیر ذمہ دار آدمی کو مذہب کے بانی کی گستاخی کرتے سنو تو اپنے کان بند کر لو اور اگر اس کو سزا نہیں دے سکتے تو وہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن اگر تم اسے قتل کرنے کے قابل ہو تو اس گستاخ کی زبان کاٹ دو اور مجرم کو قتل کر دو۔ اور اسکے بعد اسے اپنی جان دے دینی چاہیے۔

مذہب کے بانی کی گستاخی کی سنگینی بیان کرتے ہوئے ستی دیوی واضح کر دیتی ہے کہ اس کے گستاخ کو کسی قسم کی مہلت نہیں مل سکتی سننے والوں کو اس گستاخانہ کلام سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھنے کی وصیت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ اگر تم میں طاقت ہو تو پہلے اس گستاخ کی زبان کاٹ کر پھر کیفر کردار تک پہنچادو چاہے اس میں تمہیں اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے۔ اگر تم کمزور ہو تو ایسی مجلس میں رکنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں سے چلے جانا چاہیے۔

ستی دیوی جو شیو دیوتا کی پتنی تھی ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس نے شیو دیوتا کی توہین پر ہی آتم ہتھیا (خودکشی) کی تھی، کیونکہ وہ اپنے باپ کو شیو دیوتا کی توہین کرنے پر سزا دینے سے قاصر تھی لہذا نہ صرف اس مجلس کو خیر باد کہا بلکہ اپنی جان بھی دے دی۔[2] ہندو مذہب کے ان مذکورہ بالا مندرجات سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب کی مقدس ہستیوں کے معاملے میں ادب و احترام کا خیال رکھنا ان کے نزدیک بھی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ان کی حرمت کی پاسداری کے لیے ان کی مذہبی کتابیں سخت ترین سزائیں تجویز کرتی ہیں۔

---

[1] Srimad Bhagavatam Author: A.C. Bhaktivedanta Swami Prabhupada, Publisher: Bhaktivedanta Book Trust (November 1987) Canto 4: Creation of the Fourth Order. Chapter 4: Sati Quits Her Body. text: 17

[2] Srimad Bhagavatam Author: A.C. Bhaktivedanta Swami Prabhupada, Publisher. Bhaktivedanta Book Trust (November 1987) Canto 4: Creation of the Fourth Order. Chapter 4: Sati Quits Her Body.

ہندو مذہب کے اصولوں اور مذہبی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک بھی مقدس ہستیوں، دیوی دیوتاؤں، اور مذہبی شعائر کے احترام کو ایک اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی مقدس کتب میں ان ہستیوں اور شعائر کی توہین یا بے حرمتی کو سنگین جرم تصور کیا گیا ہے اور اس کے لیے سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

بدھ مت میں تقدیس کا تصور

مجرموں کی سزا کے حوالے سے بدھ مت میں سزائے موت کا کوئی تصور نہیں بلکہ جسمانی سزائیں بدھ مت میں نہیں ملتیں، کیونکہ بدھ مت کسی کو ذہنی و جسمانی تکلیف دینے کے خلاف ہے۔ مگر اس کے باوجود کسی دوسرے کو گالی گلوچ اور سب و شتم کرنے سے روکنے کے لیے "تری پٹک" میں مختلف سزائیں بیان ہوئی ہیں۔

توہین و گالی گناہ ہے

گوتم بدھ کی تعلیمات کو دیکھیں تو اس میں کوئی دورائے نہیں کہ توہین و گالی کو گناہ قرار دیا گیا ہے اور ان سے بچنے کو ہی باعث نجات قرار دیا ہے۔ "پال کارس"(Paul Carus) کی ترجمہ شدہ بدھ مت کی بائبل کے پینتالیسویں باب "مصیبت کا خاتمہ " (The Annihilation of Suffering) میں گوتم بدھ نے جن چیزوں کو برائی (Evil) قرار دیا ان میں کہا کہ (slandering is evil abuse is evil)'توہین کرنا گناہ ہے اور گالی دینا گناہ ہے۔ اور آگے ان افعال سے اجتناب کرنے کو ہی اعمال صالحہ بیان کیا ہے۔ اور بیان کیا کہ (abstaining from slander is good)توہین کرنے سے اجتناب عمل خیر ہے۔ آگے اسی کتاب کے صفحہ نمبر 126 پر چھیالیسویں باب میں دس برائیوں سے اجتناب میں "بدھ " نے خاص طور پر کسی کی توہین کرنے سے بچنا بھی بیان کیا:

> The Buddha said: "All acts of living creatures become bad by ten things, and by avoiding the ten things they become good. There are three evils of the body, four evils of the tongue, and three evils of the mind. 1 "The evils of the body are murder theft, and adultery, of the tongue, lying, slander, abuse, and idle talk; of the mind, covetousness, hatred, and error. 2 "I exhort you to avoid the ten evils:[1]

بدھ " نے کہا کہ زندہ مخلوق کے اعمال دس وجوہات سے برے ہو جاتے ہیں۔ اور دس چیزوں سے اجتناب کرنے سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ جن میں تین " بدن" کے گناہ ہیں، چار "زبان" کے گناہ ہیں، اور تین " دماغ " کے گناہ ہیں۔ بدن کے گناہ قتل،

---

[1] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 126

چوری اور زنا ہیں۔ زبان کے گناہ جھوٹ، توہین، گالی اور غیر نفع بخش گفتگو ہے اور دماغ کے گناہ حرص، نفرت اور غلطی ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ان دس برائیوں سے بچو۔

توہین آمیز کلام پر کفارہ

بدھ مت کے جو معروف پالی کینن ہیں ان میں توہین کے جرم کو قابل سزا جرائم میں شمار کیا گیا ہے۔ "وینایا پٹک" کی دوسری جلد میں ہے جو کسی کی توہین کرتا ہے اس کے لیے سزا ہے۔

"In insulting speech there is an offence of expiation.[1]"

گستاخانہ / توہین آمیز کلام پر کفارہ واجب ہے۔

اس کتاب کی تیسری جلد میں بدھ مت کے پیروکار "بھکشو" کی توہین کرنے پر سزا بیان ہوئی ہے جو کہ کفارہ ادا کرنا ہے۔

Whatever nun should revile or should abuse a monk, there is an offence of expiation[2].

کوئی بھکشنی بھی بھکشو کی توہین کرے یا بھکشو کو گالی دے اس پر کفارہ واجب ہے۔

بلکہ اس توہین کرنے کے حوالے سے "پال کیرس" کی "گوسپل" ستانوے ویں باب میں گستاخی پر بدھا کا مستقل خطبہ درج کیا ہے۔ جس میں وہ گستاخی کرنے والے کے بارے میں مختلف مثالوں کے ساتھ تعلیمات دیتا ہے کہ گستاخوں کو گستاخیوں کی متعفن بدبو اور مجھے اچھائی کی معطر خوشبو ملے گی۔ جس کے بارے میں وہ کہتا ہے۔

The fragrance of goodness always comes to me, and the harmful air of evil goes to him[3]"

اچھائی کی خوشبو ہمیشہ میری طرف آئے گی اور برائی کی مضر بدبو اس کی طرف جائے گی۔

اسی طرح وہ گستاخ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو تحفہ بھیجے اور سامنے والا اسے قبول نہ کرے تو وہ تحفہ کہاں جائے گا۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ واپس بھیجنے والے کے پاس آئے گا، جس پر "بدھ" کہتا ہے کہ: میں نے بھی تمہارا یہ تحفہ قبول نہیں کیا، لہذا یہ تمہارے پاس واپس آئے گا۔ اور اس کے آخر میں وہ گستاخ کے بارے میں کہتا ہے گالیاں دینے اور کسی کی توہین کرنے والا حقیقت میں اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس کے اس عمل بد سے نیک روحوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ توہین کرنے والے کی اس گھٹیا حرکت کے بارے میں ایک بڑی اچھی مثال دی۔

---

[1] The Book of The Discipline (VINAYA-PITAKA), vol. ii (SUTTA VIBHANGA) Translated by: I. B. Horner, M.A., Published by: The pali text society Oxford 2004, p. 173

[2] The Book of The Discipline (VINAYA-PITAKA), vol. iii (SUTT A VIBHANGA) Translated by I. B. Horner, M.A., Published by: The pall text society Oxford 2004, p. 344

[3] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 168

"The slanderer is like one who flings dust at another when the wind iscontrary; thedust does but return on him who threw it. The virtuous mancannot be hurt and the misery that the other would inflict comes back onhimself[1].

توہین کرنے والے کی مثال ایسے ہے کہ جو کسی دوسرے پر جب ہوا مخالف سمت چل رہی ہو خاک پھینکتا ہے ؟ تو وہ خاک اس پھینکنے والے پر ہی آتی ہے۔ صالح شخص کو تو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچتا۔ اور مصیبت جو دوسرے پر ڈالنا چاہے تو وہ اس پر ہی واپس لوٹ آتی ہے۔

بھکشوؤں کو سب وشتم کرنے پر سزا

ویناپاپٹک کی چوتھی جلد میں ہے کہ بدھ مت کے پیروکار گوتم بدھ سے نووار دلوگوں میں سے جو توہین و گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں ان کی تادیب کے۔ لیے خاص طور پر شکایت کرتے ہیں جس پر بدھ "گستاخوں کو سزا دینے کی اجازت دیتا ہے۔

novices are not respectful... towards the monks?" They told this matter to the Lord. He said: Monks, I allow you to impose a punishment on a novice who is possessed of five qualities: if he tries for non-receiving (of gains) by monks, if he tries tries for non-residence for monks, if he for non-profiting by monks, if he reviles and abuses monks, if he causes monk to break with monk. I allow you, monks, to impose a punishment on a novice who is possessed of these five qualities[2]"

گوتم بدھ کے پاس اس کے پیروکاروں نے اس بات کی شکایت کی کہ نووارد افراد بھکشوں کی عزت نہیں کرتے، جس پر گوتم بدھ نے کہا کہ بھکشوو، میں تمہیں ایسے نو آموزوں جن میں پانچ خامیاں ہوں ان پر سزا نافذ کرنے کی اجازت دیتا ہوں: اگر وہ بھکشوں کے فوائد کے حصول میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اگر وہ بھکشوں کے منافع میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اگر وہ بھکشوں کی رہائشوں میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اگر وہ بھکشوں کو سب وشتم کرتا ہے، اگر وہ ایک بھکشو کی دوسرے بھکشو کے درمیان پھوٹ کا باعث بنتا ہے، تو بھکشوو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ایسا نو آموز جس میں یہ پانچ خامیاں ہوں اس پر سزا نافذ کرو۔

ایسے ہی "بدھ" کے بارے میں ایک قصہ ہے کہ جب وہ "بنارس" کا بادشاہ تھا تو اس کا جنم ہمالیہ کے علاقے میں ہاتھی کی صورت

---

[1] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 168
[2] The Book of The Discipline (VINAYA-PITAKA), vol. iv. (MAHAVAGGA) Translated by I. B. Horner, M.A., Luzac & company ltd. London 1962, p. 106

میں ہوا۔ تو وہ بڑا مضبوط و توانا ہو کر جوان ہوا، اس نے ٹیلوں اور پہاڑوں، چوٹیوں اورر خمدار درختوں والی وادیوں کی غاروں کو استوارا۔ ایک دفعہ وہ مرغوب درخت کو دیکھنے گیا، اور اس کا پھل اتارا، جس دوران وہ اس کے نیچے کھڑا تھا۔

Then some impertinent monkeys came down out of the tree, and jumping on the elephant's back, insulted and tormented him greatly; they took hold of his tusks, pulled his tail and disported themselves, thereby causing him much annoyance[1]

کچھ گستاخ بندر درخت سے نیچے اترے اور ہاتھی کی پشت پر اچھل کود شروع کر دی، اس کی سخت توہین کی اور تکلیف دی، انہوں نے اس کے دانتوں کو پکڑا، دم کھینچی اور کھیل کود میں مشغول رہے، جس پر اس کو شدید اشتعال دلایا۔

بندروں کی بار بار کی بد تمیزی کے باوجود "بدھا کے صبر ، ہمدردی اور رحم دلی سے بھرپور ہونے کے جو درخت میں رہتی تھی، درخت کے تنے پر تمیزی کیوں برداشت کرتے ہو۔ اس سبب اس نے ان پر کوئی دھیان نہ دیا۔ ایک دن ایک روح نے جو درخت میں رہ کھڑے ہو کر اس نے بدھا سے کہا میرے مالک تم ان برے بندروں کی بد تمیزی کیوں برداشت کرتے ہیں اس نے شعروں میں اس طرح کہا۔

Why dost thou patiently endure each freak
These mischievous and selfish monkeys wreak[2]?

آپ ان حواس باختہ دشمنوں کو اتنے صبر سے کیوں برداشت کرتے ہیں۔ ان شریروں اور خود غرضوں کو ان کے ظلم کی سزا کیوں نہیں دیتے۔

یہ سننے کے بعد "بدھا" نے جواب دیا

اے درخت والی روح اگر میں ان بندروں کو ان کی پیدائش نسل پر لعنت کیے بغیر برداشت نہیں کروں گا تو میں آٹھ تعلیمات کے مقدس راستے پر کیسے چلوں گا؟ اگر یہ بندر کسی اور کو میری طرح سمجھ کر، یہ کچھ کریں گے، اگر یہ کسی جنگلی ہاتھی کے ساتھ یہ حرکت کریں گے تو یقیناً انہیں وہ سزا دیگا۔

"If they will treat another one like me,
He will destroy them; and I shall be free"[3]

اگر یہ کسی اور کے ساتھ میرے والا سلوک کریں گے تو وہ انہیں تباہ کر دے گا اور میں اس کا ذمہ دار نہیں۔

---

[1] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 216

[2] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 216

[3] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 216

A few days after, the Bodhisatta went elsewhither, and another elephant, a savage beast, came and stood in his place. The wicked monkeys thinking him to be like the old one, climbed upon bis back and did as before. The rogue elephant seized the monkeys with his trunk, threw them upon the ground, gored them with his tusk and trampled them to mincemeat under his feet;[1]

کچھ دنوں کے بعد بدھا کہیں اور چلا گیا، اور ایک دوسرا جنگلی ہاتھی آیا اور اس کی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

بد فطرت بندر اسے پہلے والے کی طرح سمجھتے ہوئے اس کی پشت پر سوار ہو گئے اور پہلے کی طرح ستانی) کرنے لگے۔ اس جنگلی ہاتھی نے انہیں اپنی سونڈ سے پکڑ کر زمین پر پیچ دیا، اپنے دانتوں کے ساتھ انہیں لہولہان کر دیا اور اپنے پاؤں کے نیچے انہیں کچل کر ان کا قیمہ کر دیا۔

ان تعلیمات کو مکمل کرنے کے بعد ماسٹر نے حقیقت کو ظاہر کیا کہ:

At that time the mischievous monkeys were the wicked relatives of the good man, the rogue elephant was the one who will punish them, but the virtuous noble elephant was the Tathagata himself in a former Incarnation.[2]

. اس وقت شریر (گستاخ) بندر اچھے انسان کے بدکار رشتہ دار تھے، اور جنگلی ہاتھی وہ تھا جو انہیں سزا دے گا۔ لیکن صالح ہاتھی سابقہ جیون میں بدھا خود تھا۔

بدھا کے مجسمہ کی توہین پر سزا

29 مارچ 1990ء کو چین کے صوبے سی چوان میں وانگ ہونگ نامی شخص کو جس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہاتما بدھ کے مجسمے کا سر کاٹا تھا، سزائے موت سنائی گئی تھی[3]

[1] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 217

[2] The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: 0. Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915, p. 217

[3] ام عبد منیب، **تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم**، مشربہ علم وحکمت لاہور، س ۲۰۱۴، ص ۹۸

ان چند حوالہ جات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی کی توہین کرنا بدھ مت میں بھی قابل قبول نہیں اور کسی کو گالی دینا نہ صرف بدترین گناہ ہے بلکہ قابل سزا جرم ہے۔

بدھ مت کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مذہب میں دوسروں کی توہین کرنا یا ان کے خلاف نازیبا زبان استعمال کرنا اخلاقی اور روحانی طور پر سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔ بدھ مت کے بنیادی اصولوں میں امن، رواداری، اور احترام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور دوسروں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنا اس کی تعلیمات کا بنیادی حصہ ہے۔

بدھ مت کے مطابق کسی کی توہین کرنا یا اسے گالی دینا بدترین گناہوں میں شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ عمل نفرت اور جھگڑے کو جنم دیتا ہے، جو روحانی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔

بدھ مت کے اخلاقی اصولوں کے مطابق، کسی کو گالی دینا یا اس کی بے حرمتی کرنا ایک ایسا عمل ہے جس پر دنیاوی یا روحانی سزا کا تصور موجود ہے

سکھ مت میں تقدیس کا تصور

مذاہب یا بزرگوں کا احترام کرنا اور برا بھلا نہ کہنا:

گرونانک دیو جی نے ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں یا بدھوں کے دھرم گرنتھوں یا ان کے بزرگوں کو کبھی برا نہیں کہا۔ نہ کسی کی نندا (تحقیر) کی، بلکہ وہ ہر ایک کو اس کے دین دھرم کی حقیقی راہ دکھایا کرتے تھے، انہوں نے خود کو کبھی بڑا یا افضل پیغمبر یا گرو قرار نہیں دیا۔

> "The primary doctrines of Sikhism emphasize interfaith understanding, mutual respect, and harmony. Guru Nanak, the founder of Sikhism, proclaimed that the sharing of views and ideas should be a continuous process throughout one's life. The Sikh Gurus possessed a natural openness to other religions. They emphasized tolerance and particularly religious tolerance. To be a Sikh, one must respect all other religions[1]"

ترجمہ: سکھ مذہب کے بنیادی عقائد بین المذاہب افہام و تفہیم، باہمی احترام، اور ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔ سکھ مذہب کے بانی گرونانک نے اعلان کیا کہ خیالات اور نظریات کا اشتراک، پوری زندگی میں ایک مستقل عمل ہونا چاہئے۔ سکھوں کے گروؤں کا دوسرے مذاہب کے لئے فطری طور پر کھلا پن تھا۔ انہوں نے رواداری اور خصوصا مذہبی رواداری پر زور دیا۔ سکھ بننے کے لئے

[1]Hardev Singh Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#2 p.45 (New Dehli: Guru nanak foundation, 2020

،دوسرے تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہئے۔

دوسرے مذاہب کا احترام

Kazi Nurul Islam reports that "Sikhism is a religion whichwas founded on the principles of interfaith understanding,mutual respect, and harmony. From the very beginning, the leaders and the followers of this tradition preached the vugion was founded on the principles of interfaith understanding, mutual respect, and harmony. From the very beginning, the leaders and the followers of this tradition preached the principles of interfaith respect, dialogue, and understanding. To be a Sikh it is mandatory that he/she must respect and accept all other religions of the world and at the same time must protect, guard, and allow the free practice of the customs and rituals of others. The Guru Granth Sahib teaches its followers to love all creation as God's own manifestation. Acceptance of all faiths and interfaith tolerance and understanding are basic to the teachings of Guru Granth Sahib"[1]

ترجمہ: قاضی نور الاسلام کہتے ہیں کہ "سکھ مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد بین المذاہب افہام و تفہیم، باہمی احترام اور ہم آہنگی کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ شروع ہی سے قائدین اور اس روایت کے پیروکار بین المذاہب احترام، مکالمہ اور تفہیم کے اصولوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ سکھ بننے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اسے دنیا کے دوسرے تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہئے اور ساتھ ہی دوسروں کے رسم ورواج اور آزادانہ رواج کی حفاظت، اور ان کی اجازت دینا بھی ضروری ہے۔ گروگرنتھ صاحب اپنے پیروکاروں کو خدا کی ذات کے مطابق اپنی تمام حقوق سے پیار کرنا سکھاتے ہیں۔ تمام عقائد کی قبولیت اور بین المذاہب رواداری اور تفہیم گروگرنتھ صاحب کی تعلیمات کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔"

سکھ برادری اپنی عبادت گاہوں کا تقدس برقرار رکھنے کو بہت اہمیت دیتی ہے انڈیا کے شہر امرتسر میں سکھوں کے ایک مقدس مقام پر ایک شخص کو 'توہین آمیز حرکت' کے الزام میں وہاں موجود لوگوں نے تشدد کر کے ہلاک کر دیا۔

یہ واقعہ سنیچر کی شام امرتسر میں گولڈن ٹیمپل کے اندر عبادت کے دوران پیش آیا۔ ایک شخص گولڈن ٹیمپل میں اس مقام میں داخل ہوا جہاں سکھوں کی مقدس کتاب گروگرنتھ صاحب رکھی گئی ہے۔

اس شخص نے کتاب کے ساتھ موجود رسمی تلوار کو چھونے کی کوشش کی مگر اسے سکیورٹی گارڈز اور وہاں موجود دیگر افراد نے روک لیا۔

---

[1] Kazi Nurul Islam, "Guru Granth Sahib: A Model For Interfaith Understanding", (15June 2011

اس واقعے سے چند روز قبل ایک شخص نے مبینہ طور پر سکھوں کی چھوٹی مقدس کتاب گٹکا صاحب کو گولڈن ٹیمپل میں بنائے گئے تالاب میں پھینک دیا تھا جس کے بعد اسے گرفتار کر لیا گیا۔[1]

کراچی: پاکستان سکھ کونسل (پی ایس سی) نے منگل کو حکومتِ سندھ اور چیف جسٹس آف پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ سندھ کے کئی مقامات پر سکھوں کی مقدس کتاب 'گرو گرنتھ صاحب' کی توہین کے واقعات کا نوٹس لیا جائے۔

ان میں سے اکثر واقعات ہندوبرادری کے مندروں میں ہوئے ہیں جہاں ان کی مقدس کتاب موجود ہوتی ہے کیونکہ ہندوبرادری کے بہت سے افراد گرو گرنتھ صاحب کو مانتے ہیں۔

سنگھ نے بتایا کہ پہلا واقعہ چند ماہ قبل پیش آیا جب شکارپور میں سادھا آشرم میں ایک ہندو بزرگ پر مقدس کتاب پر 'خاکے بنانے' کا الزام عائد کیا گیا اور اس سے سکھ برادری میں اشتعال پھیل گیا۔

پھر اسی طرح کے واقعات پنوں عاقل میں دل دربار، پھر شکارپور کے کھاٹ والی دربار، شکارپور کے سجل شیر جھولے لعل دربار، اور گرونانک دربار میر دادو میں پیش آئے۔ انہوں نے بتایا کہ کتاب کی بے حرمتی کے اکثر واقعات سکھر میں پیش آئے۔[2]

سکھ پگڑی کی توہین پر سزا

مہندر کے بقول سکھ مذہب میں پگڑی کو مقدس تصور کیا جاتا ہے اور اسے زمین پر پھینکنا سکھ مذہب کی بے حرمتی کے مترادف ہے

پاکستان کے صوبہ پنجاب کے علاقے چیچاوطنی کی پولیس نے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کے پانچ ملازمین اور بس ٹرمینل کے مالک کے خلاف ایک سکھ مسافر کی پگڑی کی مبینہ بے ادبی کرنے پر توہین مذہب کے قانون کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے۔

مہندر کے بقول سکھ مذہب میں پگڑی کو مقدس تصور کیا جاتا ہے اور اسے زمین پر پھینکنا سکھ مذہب کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔

اس کا موقف تھا کہ وہ ایک پاکستانی شہری ہے اور اس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف توہین مذہب کے قوانین کے تحت مقدمہ درج کیا جائے[3]

مذہبی کتاب کی توہین پر سزا

بھارت میں مبینہ طور پر مذہبی کتاب کے اوراق پھاڑنے پر ایک 19 سالہ لڑکے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

---

[1] https://www.bbc.com (accessed :8-6-23)
[2] https://www.dawnnews.tv (accessed :8-6-23)
[3] https://www.urduvoa.com (accessed :8-6-23)

بھارتی میڈیا رپورٹس کے مطابق مذہبی کتاب کے اوراق پھاڑنے کا واقعہ بھارت کی ریاست پنجاب کے شہر فیروزپور کے ایک گردوارے میں پیش آیا جہاں تلی غلام گاؤں کے رہائشی بخشیش سنگھ نے مبینہ طور پر بنڈالہ گاؤں کے ایک گردوارے میں جا کر سکھوں کی مذہبی کتاب گرو گرنتھ کے چند صفحات کو پھاڑا تھا جس پر وہاں موجود لوگوں نے لڑکے کو تشدد کر کے جان سے مار ڈالا۔

دوسری جانب مقتول کے والد لکھوندر سنگھ نے بتایا کہ میرے بیٹے کا ذہنی توازن درست نہ تھا اور اُس کا علاج کیا جا رہا تھا، پولیس کو درخواست دے دی کہ بیٹے کے قتل میں ملوث افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔

پولیس کا کہنا ہے کہ بخشیش سنگھ نے مذہبی کتاب کے صفحات پھاڑنے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، گردوارے میں موجود افراد نے لڑکے کو پکڑ لیا اور جیسے ہی مذہبی توہین کی خبر گاؤں میں پھیلی وہاں لوگ اکھٹے ہو گئے اور بخشیش سنگھ کو تشدد کا نشانہ بنایا۔

پولیس نے مقتول کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ تعزیرات ہند کی دفعہ 295 اے کے تحت درج کر لیا، پولیس نے تشدد سے ہلاک ہونے والے لڑکے کے والد کی درخواست پر بھی مقدمہ درج کیا ہے تاہم اس میں ملزمان کو نامعلوم لکھا گیا ہے۔[1]

گردوارے اور گرو گرنتھ صاحب کی حفاظت سکھوں کے لیے بہت حساس معاملہ ہے۔

رواں برس اکتوبر میں مبینہ طور پر سکھوں کی مقدس کتاب کی بے حرمتی کرنے پر نہنگ سکھوں کے ایک گروپ نے نئی دہلی کے باہر ایک شخص کو ہلاک کر دیا تھا۔

کپورتھلا کے گاؤں نظام پور میں شہریوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے صبح سویرے گردوارے سے ایک شخص کو پکڑا جس پر الزام ہے کہ اس نے سکھوں کے جھنڈے 'نشان صاحب' کی بے حرمتی کی۔

اگرچہ پولیس موقع پر پہنچی اور اس شخص کو اپنی حراست میں لے لیا، لیکن سکھ جتھے نے کہا کہ اس آدمی سے ان کے سامنے پوچھ گچھ کی جائے۔ اس کے بعد ہجوم کا پولیس کے ساتھ جھگڑا ہوا اور اس شخص کو تشدد کر کے ہلاک کیا گیا۔

دوسرا واقعہ امرتسر میں سامنے آیا جہاں سنیچر کی شام عبادت کے دوران ایک نامعلوم شخص جنگلا پھلانگ کر ٹیمپل کے اندرونی حصے میں پہنچ گیا۔ اس آدمی نے سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب کے پاس رکھی تلوار پکڑنے کی کوشش کی جس کے بعد لوگوں نے اسے روکا اور مار پٹائی شروع کر دی۔[2]

---

[1] https://www.urdunews.com (accessed :8-6-23)
[2] https://www.urdunews.com (accessed :8-6-23)

ایسے واقعات میں جذبات کی شدت کے باوجود، اس بات کی ضرورت ہے کہ قانون کے مطابق کارروائی کی جائے اور مذہبی احترام کو برقرار رکھنے کے لیے قانونی طریقوں کا انتخاب کیا جائے۔ تشدد کے بجائے کسی بھی توہین یا گستاخی کی صورت میں قانونی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ انصاف کا عمل شفاف اور متوازن ہو سکے، اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو۔
یہ بھی اہم ہے کہ ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے مقدس مواد اور عبادت کے مقامات کی عزت کا حق حاصل ہے لیکن اس قسم کے واقعات سے فرقہ وارانہ فسادات اور معاشرتی امن میں خلل پڑ سکتا ہے۔
سکھ برادری کے لیے گردوارے اور گرو گرنتھ صاحب کی حفاظت انتہائی حساس اور مقدس معاملہ ہے۔ سکھوں کا عقیدہ ہے کہ گردوارے وہ مقدس مقامات ہیں جہاں گرو گرنتھ صاحب رکھی جاتی ہیں، جو ان کے مذہبی عقیدے اور روحانی رہنمائی کا مرکزی حصہ ہیں۔ ان کی توہین یا ان مقامات کی بے حرمتی سکھوں کے لیے ایک سنگین جرم اور مذہبی تقدس کی پامالی کے مترادف ہے۔
اندرا گاندھی کے قتل کا واقعہ 1984 میں سکھوں کے لیے ایک انتہائی تکلیف دہ سانحہ تھا۔ اس قتل کی وجہ ایک خاص حساس معاملہ تھا جب انہوں نے آپریشن بلیو اسٹار کا حکم دیا، جس میں سکھ علیحدگی پسندوں کے خلاف گولڈن ٹیمپل میں فوجی آپریشن کیا گیا تھا۔ اس آپریشن کے دوران گردوارہ کے اندر فوجی کارروائی کی گئی تھی، جس سے نہ صرف سکھوں کی مذہبی حساسیت پر گہرا اثر پڑا، بلکہ گولڈن ٹیمپل کی بے حرمتی کا معاملہ بھی اٹھا۔ اس سانحے کے بعد اندرا گاندھی کو ان کے سکھ محافظ نے قتل کر دیا، جو اس عمل کے خلاف سخت غصے میں تھا۔
اسی طرح، 2015 میں سکھ مذہب کے بانی گرو نانک پر بننے والی متنازعہ فلم بھی سکھوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنی۔ اس فلم میں گرو نانک کو ایک انسان کے روپ میں دکھایا گیا تھا جو سکھ مذہب کی تعلیمات کے برخلاف تھا۔ سکھ کمیونٹی نے اس پر احتجاج کیا، جس کے نتیجے میں فلم کو بند کر دیا گیا۔
سکھوں کے لیے اپنے مذہب کی صحیح نمائندگی اور عزت کا سوال ہمیشہ اہم رہا ہے، اور وہ کسی بھی توہین یا تحقیر کے خلاف متحد ہو کر آواز اٹھاتے ہیں۔۔۔"
یہ واقعات سکھ برادری کے مذہبی جذبات اور ان کے مقدسات کے تحفظ کے لیے ان کی حساسیت اور عزم کو ظاہر کرتے ہیں، جو ان کے مذہبی عقائد کی پاسداری اور احترام پر مبنی ہے

باب دوم: مذہب اور پُر امن بقائے باہمی

فصل اول: امن عالم سے متعلق مذہبی تعلیمات

فصل دوم: پُر امن بقائے باہمی میں مذہب کا کردار

مذہب اور پُر امن بقائے باہمی

جب ہم مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے اوپر یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ جب سے یہ کائنات معرض وجود میں آئی ہے تب سے انسان اور مذہب ساتھ ساتھ ہیں یعنی مذہب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انسان کی تاریخ ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بنی نوع انسان ہر دور میں کسی نہ کسی مذہب کی پیروی کرتے رہے ہیں۔

دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لیے مادی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی واجتماعی زندگی کو صحت کی بنیاد پر برقرار رکھنے کے لیے اخلاقی وتمدنی اصولوں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کیا ہے مادی اور جسمانی ضروریات کی تسکین کے لیے وسائل کا نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین وآسمان میں ودیعت فرمادیا ہے اور اخلاقی وتمدنی رہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جنھوں نے انسانی زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا وہ کائنات کی روحانی تعمیر، فرد کی روحانی آزادی اور عالمگیر اہمیت کے بنیادی اصول ہیں انہی عالمگیر اہمیت کے حامل اصولوں پر مذہب کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی، شعور و آگہی کو معتدل اور سنجیدہ رکھنے کے لیے مذہب کا کلیدی کردار ہے مذہب انسانیت کو جذباتیت اور بے راہ روی کی طرف نہیں لے جاتا بلکہ اس کے اندر غور وفکر اور تعقل پسندی کو پروان چڑھاتا ہے فہم وفراست سے نوازتا ہے آج کل بعض لوگ کسی بھی مذہب کے افراد کی ذاتی خامیوں کو مذہب سے جوڑ کر دیکھتے ہیں جبکہ یہ نظریہ فکر سراسر غلط ہے کیونکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اپنے متبعین کو غیر اخلاقی اعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

مذاہب عالم کی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تمام مذاہب امن وآشتی کا درس دیتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب کی تعلیمات میں کسی نہ کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جیسا کہ دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات میں قتل، چوری، زنا اور لڑائی جھگڑے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور تمام قسم کی اچھائیوں کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس باب میں امن عالم سے متعلق مذاہب کی تعلیمات کو زیر بحث لایا جائے گا علاوہ ازیں پُر امن بقائے باہمی میں مذہب کے کردار کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

فصل اول: امن عالم سے متعلق مذہبی تعلیمات

امن ایک بہت بڑی نعمت ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کو عطیہ الٰہی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعائیں کیں ان میں سب سے پہلی دعا امن کے قیام کی تھی۔ قرآن میں اس دعا کا ذکر یوں کیا گیا

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾[1] ترجمہ: اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے۔

یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ امن کسی بھی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ امن کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا، نہ ہی وہاں خوشحالی یا سکون ممکن ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں سب سے پہلے امن کی درخواست کی، کیونکہ ایک پرامن ماحول ہی انسان کو عبادت، ترقی اور بہتر زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ بھی مہینے کے ہر چاند کو دیکھ کر سب سے پہلے امن اور سلامتی کی دعا مانگتے اور فرماتے کہ اے اللہ ہمیں اس چاند میں امن اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ رکھ۔ «اللّٰهمَّ أهِلَّهُ علينا بالأمْنِ والإيمان، وَالسَّلامَةِ وَالإسلامِ، رَبِّي وربُّكَ اللهُ»[2]

انبیاء کی دعائوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امن معاشرے کی تشکیل میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب معاملات کی بات ہو تو قرآن حسن معاشرت کی تعلیم دیتا ہے۔ انصاف کی بات ہو تو مساوات کا پیغام دیا جاتا ہے اور حقوق کی باری آئے تو قرآن کریم ہمیں لوگوں کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرنے کا درس دیتا ہے بلکہ والدین کے سامنے اف تک کہنے سے بھی منع کرتا ہے۔ ان تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے میں امن و سکون انھی باتوں پر عمل کرنے سے آسکتا ہے۔

امن، ہر مذہب اور ہر قوم کی مشترکہ ضرورت ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی کے لیے امن کا قیام نہایت ضروری ہے۔ امن و آشتی اور عدل و انصاف کا قیام ہر دور اور تمام مذاہب و ملت میں تسلیم کیا گیا ہے۔ کوئی بھی صاحب عقل و شعور اس بات کو باور نہیں کراسکتا ہے کہ کوئی بھی ملک، کوئی بھی قوم، یا کوئی بھی زمانہ امن و سلامتی کے بغیر ترقی و کامیابی کی منازل کو طے کر سکتا ہے۔

---

[1] البقرہ، 126:

[2] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی**، تحقیق: بشار عواد معروف (بیروت: دار الغرب الاسلامی - طبع 1998ء) کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حدیث نمبر: 3451 قال الشیخ البانی، صحیح

امن کا معنی و مفہوم

الأمن :ضد الخوف [1] یعنی امن، خوف کی ضد یا خوف کا تضاد ہے۔" قرآن میں بھی امن کا لفظ خوف کے متبادل کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ امن خوف کی ضد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:﴿وَ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾[2]

اردو زبان میں امن کے وہی معانی ہیں جو عربی میں ہیں۔ مثلاً۔ چین، سکون، اطمینان، آرام اور صلح و آشتی وغیرہ [3]

انگریزی میں Peace، جرمنی میں Friden فرانسیسی میں Palx لفظ امن کا مترادف ہے [4]

امن سماج کی اس کیفیت کا نام ہے جہاں تمام معاملات معمول کے ساتھ بغیر کسی پر تشدد اختلافات کے چل رہے ہوں امن کا تصور کسی بھی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی یا پھر صحت مند، مثبت بین الاقوامی یا بین الانسانی تعلقات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق و تحفظ حاصل ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں امن کا دور اختلافات یا جنگ کی صورتحال کی غیر موجودگی سے تعبیر ہے امن کی عمومی تعریف میں کئی معنیٰ شامل ہوتے ہیں ان میں مجموعی طور پر امن کو تحفظ، بہتری، آزادی، دفاع، قسمت اور فلاح و بہبود کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اسلام میں تعلیماتِ امن

جس معاشرہ میں امن و امان کا فقدان ہو تو اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت و احترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّه مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاوَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[5]

ترجمہ:"اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی انسانی جان کی

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت دار صادر) جلد 13، صفحہ، 61

[2] القریش:4

[3] الحاج مولوی، فیروزالدین، **فیروزاللغات**، (فیروز سنز اردو بازار لاہور)، ص116، س ن

[4] The Oxford English Dictionary, Oxford: Second Edition, Clarendon Press Publishers London, Vol.XI. 1989, P.383 Burtt, E. A.. The Teachings of the Compassionate Buddha, New York: Mentor Books,

[5] المائدہ:۳۲

عظمت واحترام کو پہچانا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔"

انسانی جان کا ایسا عالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب و تحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔

اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبردار قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِۚ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الْاَمْنُ وَ ہُمْ مُّہْتَدُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: "فریقین (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم و شرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔"

اسلام قتل و خونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ [2]

ترجمہ: "اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو"

﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾[3]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔۔"

امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن نے اس کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

﴿فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ(3)الَّذِیْۤ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْ عٍ وَّ اٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ [4]

ترجمہ: "اہل قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہئے جس رب نے انہیں بھوک سے بچایا کھانا کھلایا اور خوف وہراس سے امن دیا"

اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت (حرم مکہ) کو گہوارۂ امن قرار دیا۔

---

[1] الانعام:۸۲،۸۱

[2] الاعراف:۵۶

[3] القصص:۷۷

[4] القریش:۵،۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ دَخَلَه كَانَ اٰمِنًا﴾ [1]

ترجمہ:"اس کے سایہ میں داخل ہونے والا ہر شخص صاحب امان ہو گا۔"

احادیث میں بھی زمین میں امن وامان بر قرار رکھنے کے سلسلے میں متعدد ہدایات موجود ہیں مثلاً:

رسول اکرم ﷺ نے "صاحب ایمان" کی علامت یہ قرار دی ہے کہ اس سے کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

:الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ"[2]

ترجمہ:"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔"

ایک اور موقعہ پر ظلم سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ. [3]

ترجمہ:"ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے، نیز بخل وتنگ نظری سے بچو اس چیز نے تم سے پہلے بہتوں کو ہلاک کیا ہے اسی مرض نے ان کو خونریزی اور حرام کو حلال جاننے پر آمادہ کیا۔

بخاری میں حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ" قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ:" الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ"[4]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ کہ اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ کون مومن نہیں ہو سکتا؟ فرمایا کہ جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"

---

[1] آل عمران:97

[2] ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، **سنن ترمذی**، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۶۲۷) قال الشیخ البانی، صحیح

[3] مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوری، **المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** محقق: محمد فواد عبد الباقی - بیروت: دار را حیاء التراث العربی۔ س ن۔ کتاب البر والصلۃ والآداب، حدیث نمبر ۲۵۷۸)

[4] بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن راسماعیل بن إبراهيم بن المغيرة البخاری، **الجامع المسند الصحیح المختصر من آمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**۔ تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر - بیروت: دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1422ھ، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۶۰۱۶

حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ". [1]

ترجمہ:"اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

نیز اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[2]

ترجمہ:"خبردار!جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا؛ تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعویٰ پیش کروں گا۔"

اسی طرح ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عنه، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ:" مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا"[3]

ہم سے قیس بن حفص نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالواحد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حسن بن عمرو نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے مجاہد نے بیان کیا اور ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"جس نے کسی ذمی کو (ناحق) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے سونگھی جا سکتی ہے۔"

اس طرح کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں ظلم وجبر سے بچنے، پرامن زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، فتنہ وشر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، روئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ (خواہ وہ کسی بھی مذہب و قوم سے تعلق رکھتا ہو) فراخدلی ورواداری اور ہر مذہب و قوم کے مذہبی روایات و شخصیات کی توہین کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے

اسلام کی یہ تعلیمات ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں جو امن، انصاف، اور احترام پر مبنی ہو۔ اگر ان اصولوں کو اپنایا جائے تو نہ صرف مسلمانوں کے درمیان بلکہ تمام اقوام اور مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعلقات بہتر اور

---

[1] بخاری: **الجامع الصحیح**، کتاب التوحید، حدیث نمبر ٧٣٧٦

[2] ابوداود، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داود**،(دار الرسالۃ العالمیۃ بیروت 2009ء) کتاب الخراج والامارۃ والفئی، حدیث نمبر ٣٠٥٢ قال الشیخ البانی، صحیح

[3] بخاری: **الجامع الصحیح**، کتاب: الجزیۃ والموادعۃ باب: إثم من قتل معاهدًا بغیر جرم، حدیث نمبر:3166

خوشگوار ہوسکتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں افواہیں پھیلانے، فتنہ انگیزی، اور بے گناہ افراد کے قتل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ ان اعمال سے بچنا اور معاشرتی امن، عدل، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو نہ صرف انفرادی سطح پر اخلاقیات اور پر امن زندگی پر زور دیتا ہے بلکہ معاشرتی اور بین الاقوامی سطح پر بھی امن و آشتی، احترام اور انصاف کو فروغ دیتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانوں کو ظلم و جبر سے بچنے اور پر امن زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں متعدد مقامات پر عدل و انصاف، صلہ رحمی، حقوق کی ادائیگی اور فتنہ و فساد سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ان تعلیمات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اسلام ظلم و جبر سے بچنے، دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور پر امن زندگی گزارنے کی بھرپور تعلیم دیتا ہے۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

یہودیت میں تعلیماتِ امن

کسی بھی معاشرے کی فلاح و بہبود میں امن و امان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ یہود میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعائے امن اس بات کی دلیل ہے کہ کرۂ ارضی کی فلاح اور اس کی معاشی و تمدنی ترقی امن پر منحصر ہے۔ جہاں امن ہوگا وہیں خوشحالی ہوگی وہی معاشرہ اور قوم اقتصادی خوش حالی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ ذیل میں بائبل (عہد نامۂ قدیم) کی امن تعلیمات پر مشتمل آیات درج کی جاتی ہیں:

"جو امن و امان کے لیے کام کرتے ہیں، خوشی پائیں گے"[1]

"خدا حکم راں ہے..... وہ اپنی سلطنت میں امن و امان قائم کرتا ہے"[2]

"امن کے لیے کام کرو، امن کی کوششوں میں لگے رہو جب تک اسے پا نہ لو"[3]

"پاک اور فرماں بردار رہو۔ لوگ جو امن سے محبت کرتے ہیں ان کی نسل ایک اچھا مستقبل پائے گی"[4]

"اے خداوند! برے لوگوں کو سزا دے..... اِسرائیل میں امن قائم رہے"[5]

---

[1] (امثال:12:20)

[2] (ایوب،25:2)(بائبل اردو ایڈیشن)، انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، کلوریڈو، امریکہ، 2005ء

[3] (زبور،34:14)

[4] (زبور،37:37)

[5] (زبور،125:5)

عہد نامہ قدیم کی مندرجہ بالا آیات سے امن وامان کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہودی تعلیمات کے مطابق بھلائی اور نیکی کے فروغ کے لیے امن کا قیام ناگزیر ہے۔ ان میں امن کو اہم قرار دیا گیا ہے اور اس کے قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو اسے صلح کا پیغام دینا''[1]

یہودی اس بات خیال رکھتے جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تو کبھی اسے چاروں طرف سے نہ گھیرتے، بلکہ ہمیشہ ایک طرف کا حصہ بھاگنے اور فرار ہونے والوں کے لیے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ کسی ملک سے جنگ شروع کرنا یہودیوں کے لیے قومی اور ذاتی طور پر ایک آزمائش ہوتی تھی اور یہ ان کی امن پسند فطرت کی بدولت ہوتا تھا۔

بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر انبیاء سیدنا یرمیاہ اور سیدنا یسعیاہ کی نبوتیں عالمی امن کی نوید ہیں۔ ان کا دور نبوت چالیس برسوں پر محیط ہے۔ اس دور میں یہوداہ کے پانچ بادشاہوں (یوسیاہ، یہوآخز، یہویقیم، یہویاکین اور صدقیاہ) نے حکومتیں کیں۔ بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے یہ چشم دید انبیاء ہیں۔ سیدنا یسعیاہ انبیاء بنی اسرائیل میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ انہیں طائرانِ نبوت کا شاہین اور عہد قدیم کا مبشر جیسے القابات سے نوازا گیا ہے۔ سیدنا یسعیاہ اور سیدنا یرمیاہ کی یہ رویا عالمی امن کی تمہید ہیں۔ امن عالم کی یہ نویدیں اور ان کی تعبیریں مذاہب ثلاثہ کے لیے رہ نما ہیں۔ کتاب یسعیاہ میں ہے:

''وہ بات جو یسعیاہ بن آموص نے یہوداہ اور یروشلم کے حق میں رویا میں دیکھی۔ آخری دنوں میں یوں ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹی پر قائم ہوگا اور سارے پہاڑوں سے بلند ہوگا۔ سبھی ملکوں کے لوگ وہاں جایا کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں خداوند کے پہاڑ پر جانا چاہئے، ہم کو یعقوب کے خدا کے گھر میں جانا چاہئے اور خدا ہمیں اپنی راہیں بتائے گا اور ہم اس کے راستوں پر چلیں گے، کیوں کہ یروشلم میں کوہ صیون پر خدا کے کلام کا آغاز ہوگا اور وہاں سے شریعت روئے زمین پر پھیلے گی۔ وہ کئی قوموں کے درمیان انصاف کرے گا اور بہت سی دوسری قوموں کے لیے فیصلہ کرے گا۔ وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر بھالے بنائیں گے اور لوگ اپنے بھالوں کا استعمال درانتی بنانے میں کریں گے۔ ایک دوسرے سے جنگ نہ چھیڑیں گے اور وہ کبھی جنگ کا فن نہیں سیکھیں گے۔ اے خاندانِ یعقوب! آؤ، ہم لوگ خدا کی روشنی میں چلیں۔''[2]

تحفظِ جان ومال

قتل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کو اراداتاً قتل کیا جائے، دوسرے یہ کہ ارادہ قتل کا نہ ہو، بلکہ مارنے والے نے صرف ضرب پہنچانے کی غرض سے مارا ہو۔ ظاہر ہے کہ انصاف کی رو سے دونوں صورتوں کا حکم مختلف ہونا چاہیے۔ اس

---

[1](استثناء، 20:10)

[2](یسعیاہ، 2:1-5)

بارے میں عہد نامۂ قدیم میں کہا گیا ہے:

کتاب پیدائش میں ہے:

"اِس لیے کہ خدا نے انسان کو اپنی مشابہت پر پیدا کیا ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی کسی شخص کا خون بہاتا ہے تو دوسرا شخص اس کا خون بہائے گا"[1]

"اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو ایسا مارے کہ وہ مر جائے تو وہ لازماً جان سے مارا جائے۔ تاہم اگر اس نے قصداً ایسا نہ کیا ہو، بلکہ خدا نے ایسا ہونے دیا ہو تو اس صورت میں وہ اس جگہ، جسے میں مقرر کروں گا، بھاگ جائے۔ لیکن اگر کوئی دیدہ دانستہ کسی دوسرے آدمی کو مار ڈالے تو اسے میری قربان گاہ سے دور لے جا کر مار دیا جائے"[2]

قتل اگر کسی عام شخص کا کیا جائے تو بھی یہ بڑا سنگین جرم ہے، لیکن اگر کوئی بدبخت اپنے والدین کو قتل کر دے تو اس کا جرم مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ اس کو کسی رعایت کا حق دار ٹھہرانے کے بجائے فوری اور لازمی طور پر قتل کر دیا جائے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

"اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے، وہ لازماً مار ڈالا جائے۔"[3]

اغوا کسی بھی طرح قتل سے کم درجہ سنگین جرم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نامۂ قدیم میں اس کی سزا قتل والی ہی رکھی گئی ہے:

"اور جو کوئی دوسرے شخص کو اغوا کرے، خواہ اسے بیچ دے، خواہ اپنے پاس رکھے اور پکڑا جائے تو اسے ضرور مار ڈالا جائے۔"[4]

اس معاملے میں آزاد اور غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انسان ہونے کے ناطے غلاموں کے حقوق کا بھی لحاظ ضروری ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس بارے میں واضح احکام موجود ہیں۔ ایک مقام پر ہے:

"اگر کوئی آدمی اپنے غلام یا اپنی کنیز کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ فوراً مر جائے تو اسے لازماً سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دو دن زندہ رہے تو اسے سزا نہ دی جائے، کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہے"[5]

جس طرح کسی زندہ شخص کو قتل کرنا ایک سنگین جرم ہے، اسی طرح حمل کی حالت میں کسی جان کو ختم کر دینا بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ اس بارے میں عہد نامۂ قدیم میں ہے:

---

[1](پیدائش،9:6)

[2](خروج،21:12-14)

[3](خروج،21:51)

[4](خروج،21:16)

[5](خروج،21:20)

"اگر وہ لوگ، جو باہم لڑ رہے ہوں، کسی حاملہ عورت کو اَیسی چوٹ پہنچائیں جس کے باعث اس کا حمل گر جائے، لیکن اسے کوئی اور ضرر نہ پہنچے تو جتنا جرمانہ اس کا شوہر مانگے اور قاضی منظور کریں، اس سے لیا جائے۔ لیکن اگر اسے کوئی اور ضرر پہنچا ہو تو جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں لے لینا۔ جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ پہنچانا"[1]

عدل و انصاف کے بارے میں احکام

شریعتِ موسوی میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رشوت ستانی، اقربا پروری اور جانب داری برتنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے:

"تمہیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا چاہئے"[2]

امن و امان کے لیے انصاف اور راست بازی کس قدر ضروری ہے، اس سے کوئی بھی ذی شعور انسان لاعلم نہیں۔ جس معاشرے سے انصاف اور راست بازی کنارہ کر جائے، اس میں دنگا و فساد، قتل و غارت اور دہشت گردی جیسی لعنتیں اپنے جھنڈے گاڑ لیتی ہیں۔ تمام الہامی مذاہب انصاف اور راست بازی کا درس دیتے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم میں بھی انصاف اور راست بازی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور ہر شخص کو خصوصاً قاضیوں اور حاکموں کو انصاف اور راست بازی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے:

"اے یہوداہ کے بادشاہ! تُو، تیرے حکام اور تیرے لوگ، جو ان پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہیں، تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی سے کام کرو۔" 3

"خداوند یوں فرماتا ہے: اے اسرائیل کے امیرو! تم حد سے بڑھ گئے ہو، تم تشدّد اور ستم چھوڑ دو اور وہی کرو جو جائز اور روا ہے۔ میرے لوگوں سے ان کی جائیداد نہ چھینو۔"[4]

"اور قاضیوں سے کہا کہ جو کچھ تم کرو، احتیاط اور سوچ سمجھ کر کرنا۔ تم آدمیوں کی طرف سے نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے عدالت کرتے ہو اور جب بھی تم کوئی فتویٰ سناتے ہو، خدا تمہارے پاس ہوتا ہے، لہٰذا تمہیں خدا کا خوف رہے۔ اس لیے احتیاط

---

[1](خروج، 21:22۔25)

[2](خروج، 23:6)

[3](یرمیاہ، 22:2۔3)

[4](حزقی ایل، 45:9)

سے فیصلہ سنانا، کیوں کہ خداوند ہمارے خدا کے ہاں ناانصافی یا جانب داری یا رشوت خوری نہیں ہے۔"[1]

"تم فیصلہ کرتے وقت بے انصافی مت کرنا اور نہ تو غریب کی طرف داری کرنا اور نہ بڑے آدمی کا لحاظ کرنا، بلکہ راستی سے اپنے ہم سایہ کا انصاف کرنا۔"[2]

"اور جب تو کسی مقدمہ میں گواہی دے تو محض عوام کا ساتھ دینے کی خاطر انصاف کا خون نہ کر دینا۔ اور کسی غریب کے مقدمہ میں بھی جانب داری سے کام نہ لینا۔۔۔ تو اپنے غریب لوگوں کے مقدمات میں انصاف کا خون نہ ہونے دینا۔"[3] "تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانب دار رہنا۔۔۔ ہمیشہ انصاف پر ہی قائم رہنا، تاکہ تم جیتے جی اس ملک پر قابض ہو جاؤ جو خداوند تمہارا خدا تمہیں دے رہا ہے۔"[4]

عدل و انصاف کے بغیر عبادت مقبول نہیں

یہودیت میں امن و امان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ قربانی، ہدیہ، عید جیسی عبادات اور عدل و انصاف کی اہمیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب معاشرے میں عدل و انصاف ہو گا تو لازمی طور پر امن و امان بھی قائم ہو جائے گا۔ یعنی یہودیت میں اس وقت تک عبادت مقبول نہیں جب تک امن و امان قائم نہ کیا جائے:

"خداوند فرماتا ہے! تمہاری کثیر التعداد قربانیاں میرے کس کام کی ہیں؟ بچھڑوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ جانوروں کی چربی سے میرا جی بھر چکا ہے، بیلوں، برّوں اور بکروں کا خون میری خوشی کا باعث نہیں۔ کون کہتا ہے کہ میری بارگاہ میں چلے آؤ اور میرے آنگنوں کو پاؤں سے روندو؟ باطل ہدیے لانے سے باز آؤ۔ تمہارے بخور سے مجھے سخت نفرت ہے۔ نئے چاند، سبت اور عید کے اجتماع... اور تمہاری ناشائستہ محفلیں میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہارے نئے چاند کے تہواروں اور تمہاری مقررہ عیدوں سے میری جان کو نفرت ہے۔ وہ میرے لیے ایک بوجھ بن گئی ہیں۔ میں انہیں برداشت کرتے کرتے عاجز آ چکا ہوں۔ جب تم دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تم سے منہ موڑ لوں گا۔ تم چاہے کتنی دعائیں کرو، میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ خون آلودہ ہیں۔ اپنے آپ کو دھو کر پاک کر لو۔ اپنے برے اعمال کو میری نگاہوں سے دور لے جاؤ۔ بدفعلی سے باز آؤ، بھلائی کرنا سیکھو۔ انصاف طلب بنو۔ مظلوموں کی حوصلہ افزائی کرو، یتیموں کے حقوق کا تحفظ کرو اور بیواؤں کے حامی ہو[5]

---

[1](تواریخ دوم، 19:6)

[2](احبار، 19:15)

[3](خروج، 23:2-6)

[4](استثناء، 16:19،20)

[5](یسعیاہ، 1:11-17)

عہد نامہ قدیم میں ایک اور جگہ عدل وانصاف اور امن وامان کو خدا کی نجات کا نام دیا گیا ہے:

"یقیناً اس کی نجات ان کے قریب ہے جو اس سے ڈرتے ہیں، تاکہ اس کا جلال ہمارے ملک میں بسے۔ شفقت اور راستی باہم ملتے ہیں۔ راست بازی اور امن ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔ زمین سے صداقت پھوٹتی ہے اور راست بازی آسمان پر سے جھانکتی ہے۔ بے شک خداوند اچھی چیز ہی عنایت کرے گا اور ہماری زمین اپنی پیداوار دے گی۔ راست بازی اس کے آگے آگے چلے گی اور اس کے قدموں کے لیے راہ تیار کرے گی"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں سماجی ناانصافی انسانی خون کرنے کے مترادف ہے۔ غریبوں کے لیے ان کی روٹی ان کی زندگی ہے اور جو کوئی اس کو ان سے روکے وہ گویا غریبوں کا قاتل ہے۔ جو کوئی ہم سائے کی روزمرہ کی خوراک چھینتا ہے یا اس سے محروم رکھتا ہے، وہ اسے گویا قتل کرتا ہے۔ جو مزدور کی مزدوری میں ہیرا پھیری سے کام لیتا ہے، وہ اس کا خون بہاتا ہے۔ ایسے شخص کی کوئی عبادت خدا کو منظور نہیں جو اس کی عبادت کرنے کا خواہش مند تو ہو، لیکن اس کے عدل کو مانے، نہ اس پر عمل کرے۔ ایک اور مقام پر عدل وانصاف کے ذریعے امن وامان کے قیام کو عبادت سے افضل قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

"میں تمہاری عیدوں کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ مجھے تمہارا اجتماع بالکل پسند نہیں۔ ہاں تم میرے لیے سوختنی قربانیاں اور نذر کی قربانیاں گذرانتے ہو، لیکن میں ان کو قبول نہیں کروں گا۔ تم بہترین قربانیاں لاتے ہو، لیکن میں ان کا کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔ اپنے نغموں کی آواز مجھ سے دور کرو۔ میں تمہارے رباب کی آواز نہ سنوں گا، بلکہ انصاف کو پانی کی مانند اور صداقت کو کبھی نہ سوکھنے والے چشمے کی طرح جاری رکھو"[2]

عہد نامہ قدیم سلطنتِ امن کے قیام کے سلسلے میں کس قدر سنجیدہ ہے، اس سلسلے میں وہ ایک مثال بیان کرتا ہے۔ یہ مثال سلیمان علیہ السلام کے شاہی خاندان کی ہے، جن کے ذریعے امن کی ایک سلطنت قائم ہوئی:

"یسیّ کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اس کی جڑوں سے ایک بارآور شاخ پیدا ہو گی۔ خداوند کی روح اس پر ٹھہرے گی۔ حکمت اور فہم کی روح، مصلحت اور قدرت کی روح، معرفت اور خداوند کے خوف کی روح۔ اور خداوند کے خوف میں اس کی خوشنودی ہو گی۔ وہ اپنی آنکھوں کے دیکھنے کے مطابق انصاف نہ کرے گا اور نہ اپنے کانوں کے سننے کے مطابق فیصلہ کرے گا، بلکہ وہ مسکینوں کا انصاف راستی سے کرے گا اور دنیا کے غریبوں کا فیصلہ عدل سے کرے گا۔ وہ اپنی زبان کے عصا سے زمین کو مارے گا اور اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو ہلاک کرے گا۔ راست بازی اس کا کمربند ہو گی اور وفاداری اس کا پٹکا ہو گی۔ تب

---

[1] (زبور، 85:9-13)

[2] (عاموس، 5:21-24)

بھیڑیا برّہ کے ساتھ رہے گا اور چیتا بکری کے ساتھ بیٹھے گا۔ بچھڑا، شیر اور ایک سالہ بچھیرا اکٹھے رہیں گے اور ایک چھوٹا بچہ ان کا پیش رَو ہو گا۔ گائے اور ریچھنی مل کر چریں گے۔ اور ان کے بچے اکٹھے بیٹھیں گے اور شیر بیل کی طرح بھوسا کھایا کرے گا۔[1]
غم گین اور شکستہ دل لوگوں کی دل جوئی کرنا عہد نامہ قدیم کی رو سے بہت بڑا عمل ہے۔ اس حوالے سے ایک عبارت ملاحظہ ہو:

"خداوند کی روح مجھ پر ہے، کیونکہ خداوند نے مجھے مسح کیا ہے، تاکہ میں حلیموں کو خوش خبری سناؤں۔ اس نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں شکستہ دلوں کو تسلی دوں، قیدیوں کے لیے رہائی کا اعلان کروں اور اسیروں کو تاریکی سے رہا کروں اور خداوند کے فضل کے سال کا اور خدا کے انتقام کے دن کا اشتہار دوں اور تمام ماتم کرنے والوں کو دلاسا دوں اور صیون کے غم گین لوگوں کے لیے ایسا اہتمام کروں کہ انہیں راکھ کے بجائے میری طرف سے سہرا، ماتم کی بجائے خوشی کا روغن اور اداسی کی بجائے ستایش کا خلعت بخشا جائے۔ وہ راست بازی کے بلوط اور خداوند کے لگائے ہوئے پودے کہلائیں گے، تاکہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ تب وہ قدیم کھنڈروں کو پھر سے تعمیر کریں گے اور بہت عرصہ سے ویران پڑے ہوئے مقامات کو بحال کریں گے اور ان اجڑے ہوئے شہروں کو از سر نو بسائیں گے جو پشت در پشت تباہ ہوتے آئے ہیں۔ بیگانے تمہارے گلّوں کی نگہبانی کریں گے اور پردیسی تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں میں کام کریں گے"[2]

انسان خدمتِ انسانیت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بالخصوص صلح پسندی یہودیت کے ہاں نہایت اجر کا باعث ہے۔ جیسا کہ زبور میں ہے:

"کامل آدمی پر نگاہ کر اور راست باز کو دیکھ، کیونکہ صلح دوست آدمی کے لیے اجر ہے"[3]

اسرائیلی روایات میں امن ایک معاشرتی تصور تھا۔ اسے خاندان' معاشرہ اور اقوام کی درمیان سازگاری کی صورت میں دیکھا جا سکتا تھا۔

قتل انسانی معاشرے کا سب سے پہلا جرم ہے۔ اس کی تباہی و بربادی سے کون واقف نہیں۔ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، کیونکہ ایک قتل کی صورت میں پورے انسانی معاشرے کا امن داؤ پر لگ سکتا ہے۔ اس حوالے سے تمام انسانی مذاہب کی مشترکہ تعلیمات ہیں۔ انسانی قتل اور اغوا پر مؤثر قانون سازی سے اس کی روک تھام اور امن و امان کا قیام ممکن ہے۔ عہد نامہ قدیم میں بھی اس حوالے سے کافی تفصیلی احکام موجود ہیں۔

---

[1](یسعیاہ، 11:1-11)

[2]۔(یسعیاہ، 61:1-5)

[3](زبور، 37:37)

یہودیت میں امن (شالوم) کو ایک بنیادی اور اہم قدر کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ "شالوم" صرف جنگ کے خاتمے یا جھگڑے سے دوری کا مطلب نہیں رکھتا، بلکہ یہ دل و دماغ کی سکون، انصاف، خوشحالی، اور تعلقات کی بحالی کے لیے ایک جامع تصور ہے یہودیت میں امن کو دینی، اخلاقی، اور سماجی سطح پر بہت بلند مقام دیا گیا ہے۔ یہ تعلیمات معاشرتی انصاف، ہم آہنگی، اور خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط بنانے کی ترغیب دیتی ہیں، جو امن کے قیام کی بنیاد ہے۔

شالوم یہودیت میں صرف ایک لفظ نہیں بلکہ ایک طرزِ زندگی ہے، جو انسان کو خدا، خود، اور معاشرے کے ساتھ ہم آہنگی میں رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہودی تعلیمات میں شالوم کو اس قدر بلند مقام حاصل ہے کہ یہ نہ صرف عبادات کا حصہ ہے بلکہ عملی زندگی کا مرکز بھی ہے۔

شالوم (שלום) یہودی روایت میں صرف ایک سلامتی کی دعا یا لفظ نہیں، بلکہ یہ ایک جامع تصور ہے جو امن، تکمیل، اور ہم آہنگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ تصور خدا، انسان، اور معاشرتی تعلقات کے درمیان توازن کو فروغ دیتا ہے۔ یہودی تعلیمات میں شالوم کی اہمیت کو اس بات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ روزمرہ کی دعاؤں، مذہبی رسومات، اور معاشرتی اصولوں کا بنیادی حصہ ہے۔
یہودیت میں "شالوم" کا تصور صرف جنگ کے خاتمے تک محدود نہیں، بلکہ یہ دل و دماغ کی سکونت، انصاف، خوشحالی اور تعلقات کی بحالی کا جامع تصور پیش کرتا ہے۔ یہ دینی، اخلاقی اور سماجی سطح پر ایک بلند مقام رکھتا ہے، جو معاشرتی انصاف، ہم آہنگی اور خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔

مسیحیت میں تعلیماتِ امن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسیحیت کا نقطۂ آغاز ہی امن کی تلاش ہے اس میں صلح و آشتی، امن و سلامتی، اخوت و مساوات، ہمدردی اور باہمی محبت و یگانگت پر زور دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہود کے ادنیٰ طبقات اور یونان و روما کی کثیر تعداد مسیحیت میں داخل ہو کر روحانی تسکین حاصل کرنے میں سبقت لے گئی۔ ذیل میں عیسائی ماٰخذ کی تعلیماتِ امن کو بیان کیا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے

" امن ہی میں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں اور امن ہی میں تمہیں دیتا ہوں سو تم اپنے آپ کو خوف و ابتلاء میں مت ڈالو "[1]

> " میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو، جو تم سے عداوت رکھے ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو، جو تمہاری بے عزتی کریں ان کے لئے دعا مانگو، جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے اس کے سامنے دوسرا بھی پھیر دے، جو تیرا چوغہ لے اس کا کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر، جیسا تم اوروں سے برتاؤ چاہتے ہو تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو، اگر تم محبت رکھنے والوں سے ہی محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے کیوں کہ گناہ گار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں "[2]
>
> " جو کوئی خدا سے محبت رکھے اسے چاہئیے کہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے "[3]
>
> ایک سوال پر یسوع نے جواب میں کہا کہ ایک آدمی یروشلم سے یریحو کی طرف جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں میں گھر گیا۔ انہوں نے اس کے کپڑے اتار لئے اور مارا بھی اور ادھ مرا چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاقاً ایک کاہن اسی راہ میں جا رہا تھا اور دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔ اسی طرح ایل لاوی اس جگہ آیا وہ بھی اسے دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔ لیکن ایک سامری سفر کرتے ہوئے وہاں آنکلا۔ اور اسے دیکھ کر اس نے ترس کھایا اور پاس آکر اس کے زخموں کو تیل لگا کر باندھا اور اپنے جانور پر سوار کر کے سرائے میں لے گیا اور اس کی خبر گیری کی۔ دوسرے دن دو دینار نکال کر بھٹیارے کو دیئے اور کہا اس کی خبر گیری کرنا اور جو کچھ اس سے زیادہ خرچ ہو گا میں پھر آکر ادا کر دوں گا۔[4]

---

[1] لوقا:۶:۲۷تا۳۲

[2] یوحنا:۴:۲۱

[3] متیٰ:۵:۹

[4] متی ۵ ، ۳۰ تا۳1

اس حکایت سے یہ اخلاقی درس ملتا ہے کہ نسل اور مذہب کا خیال کئے بغیر ہر شخص کی بروقت ضرور مدد کرنی چاہیئے۔
صلح و مصالحت کا نقطۂ نظر کسی بھی مذہب یا نظریہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کی بناء پر معاشرہ میں خوشگوار فضا قائم ہوتی ہے، حضرت عیسی کا ارشاد ہے " مبارک ہیں وہ لوگ جو صلح کراتے ہیں وہ توخدا کے بیٹے کہلائیں گے "[1]
عدل و انصاف کا قیام کسی بھی معاشرہ و سوسائٹی اور فرد و جماعت میں بد امنی کے سد باب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے حضرت عیسی کا ارشاد ہے "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں، انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے "[2]
انسانی زندگی کے تقدس کی پامالی اور معصوم انسانوں کا قتل ناحق بہت ہی سنگین جرم ہے اس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد و بد امنی کا ظہور ہوتا ہے، قتل ناحق پر ضرب لگاتے ہوئے عیسی علیہ السلام کا ارشاد ہے "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کریگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا "[3]
" کسی عورت کی جانب شہوت زدہ نظروں سے دیکھنا ہی زناکاری کے مترادف ہے "[4]
" اس نے کہا جو کچھ آدمی میں سے نکلتا ہے وہی امن کو ناپاک کرتا ہے کیوں کہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے برے خیالات نکلتے ہیں حرام کاریاں، چوریاں، خوں ریزیاں، لالچ، بدیاں، مکر، شہوت پرستی، بد نظری، بد گوئی، شیخی، بیوقوفی، یہ سب بری باتیں اندر سے نکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں "[5]
اس کے علاوہ مسیحیت میں بد امنی کے سد باب کے لئے عفو درگزر، عمل صالح کی تلقین، حقوق انسانی کا تحفظ، راست بازی، صبر و توکل پر بہت زور دیا گیا ہے تاکہ بد امنی کی مذموم فضا سے معاشرہ کو محفوظ رکھا جاسکے ۔
توخون نہ کرنا
توزنانہ کرنا
توچوری نہ کرنا

---

[1] متیٰ:۲۳:۲۳
[2] متیٰ:۵:۱تا۱۰
[3] متیٰ:۵:۲۱
[4] متیٰ:۵:۲۸
[5] مرقس:۷:۲۰تا۲۳

تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا[1]

تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اپنے پڑوسی کے گھر یا کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھے یا اس کی کسی اور چیز کا خواہاں نہ ہونا[2]

اس پر افسوس ہے جو اپنے گھر کیلئے ناجائز نفع اٹھاتا ہے تا کہ اپنا آشیانہ بلندی پر بنائے اور مصیبت سے محفوظ رہے [3]

اس میں خود غرضی اور ناجائز منافع خوری اور تکبیر سے منع کیا گیا ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی جان کے تحفظ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور انسانی جان کے دشمن کو فسادی اور بد کردار کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس پر افسوس جو قبضہ کو خون ریزی سے اور شہر کو بد کرداری سے تعمیر کرتا ہے [4]

شریروں کے گھر پر خدا کی لعنت ہے لیکن صادقوں کے مسکن پر اس کی برکت ہے [5]

تو اپنی ہی نگاہ میں دانشمند نہ بن، خداوند سے ڈر اور بدی سے کنارہ کر [6]

مسیحیت میں امن ایک بنیادی قدر اور الہامی تعلیم ہے، جو یسوع مسیح کی زندگی، ان کے اقوال، اور انجیل کی تعلیمات میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ عیسائی تعلیمات میں امن کا مطلب نہ صرف جنگ یا جھگڑے کا خاتمہ ہے بلکہ یہ دل کا سکون، خدا کے ساتھ ہم آہنگی، اور دوسروں کے ساتھ محبت پر مبنی تعلقات پر مشتمل ہے۔

مسیحیت میں امن کو ایک مقدس اور زندگی بدل دینے والی قدر کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو یسوع مسیح کی زندگی، ان کی تعلیمات، اور انجیل کے پیغام میں جابجا نمایاں ہے۔ امن کا مطلب عیسائی تناظر میں صرف جنگ یا تنازعات کا خاتمہ نہیں، بلکہ یہ ایک جامع تصور ہے جس میں شامل ہیں:

مسیحیت میں امن ایک روحانی، اخلاقی، اور سماجی قدر ہے جو یسوع مسیح کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دل کے سکون، معاشرتی انصاف، اور عالمی ہم آہنگی پر مبنی ہے، اور عیسائیوں کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر امن کا پیامبر بننے کی دعوت دیتی ہے۔ یسوع مسیح کی زندگی اور تعلیمات اس بات کا عملی نمونہ پیش کرتی ہیں کہ امن کس طرح محبت، معافی، اور خدمت کے

[1] استثناء 20:5

[2] استثناء 17-21:5

[3] حقوق 9:6

[4] حقوق 12:2

[5] امثال 33:3

[6] امثال 7:3

ذریعے قائم کیا جاسکتا ہے۔ مزید بر آں، امن کا دائرہ دوسروں کے ساتھ محبت اور معافی کے اصولوں پر بھی مبنی ہے۔ یسوع مسیح نے دشمنوں سے محبت کرنے اور انہیں معاف کرنے کی تعلیم دی، جو امن کے قیام کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔ عیسائی تعلیمات میں یہ پیغام بار بار دیا گیا ہے کہ دلوں میں سکون اور معاشرتی ہم آہنگی حاصل کرنے کے لیے عاجزی، صبر، اور محبت کا مظاہرہ ضروری ہے۔

لہذا، مسیحیت میں امن صرف جنگ کا خاتمہ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ تعلق، دل کی سکونت، اور دوسروں کے ساتھ محبت و معافی پر مبنی ایک جامع نظریہ ہے۔

ہندومت میں تعلیماتِ امن

ہندومت کی ویدوں سے لے کر پرانوں تک ایسی کوئی کتاب نہیں ہے، جس میں امن و امان بھائی چارہ کی تعلیمات موجود نہ ہوں، جب معاشرہ میں اخلاقی پہلو غالب ہوگا تو امن و سکون، چین و آرام خود بخود معاشرہ میں قائم ہوگا، ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کس طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے، اس بات کا علم ہوتا ہے، انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات سے تعلقات کو خوشگوار طریقے سے نبھانے کا طریقۂ زندگی معلوم ہوتا ہے اور ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا، جس میں امن و آشتی، اطمینان و سکون میسر ہوتا ہے ہندومت میں عدم تشدد دیا جسے وہ آہمسا یا اہنسا کہتے ہیں، کا درس دیا گیا ہے کہ کسی بھی ذی روح کو تکلیف نہ دی جائے گی۔ ہندومت میں اہنسا کا عقیدہ کے متعلق حافظ محمد شارق لکھتے ہیں:

> ہندو مذہب پر پانچویں صدی قبل مسیح کی دو تحریکوں کا بہت اثر پڑا ہے: ایک جین مت اور دوسرا بدھ مت۔ بت پرستی کے علاوہ اہمسا یا اہنسا کا تصور بھی ہندوؤں نے ان مذہب کے پیروکاروں سے ہی سیکھا تھا۔ اہمسا کے لغوی معنی عدم تشدد ہے۔ ہندومت کے تمام فرقوں میں ان دونوں مذاہب سے قبل قربانی کی رسم رائج تھی، حتی کہ بعض فرقوں کے نزدیک پرش میدھ یعنی انسانی قربانی بھی ثواب کا موجب تھی۔ لیکن ان مذاہب کے ظہور کے بعد لوگوں میں عدم تشدد کا فلسفہ رائج ہوا، لوگوں میں یہ تصور اس قدر طاری ہو چکا تھا کہ بلا ضرورت کسی بھی جاندار کو مارنا ان کے نزدیک جائز نہیں تھا، اس تصور کی وجہ سے ہندوراہبوں نے اپنی زندگی انتہائی کٹھن کر دی تھی۔ وہ پانی نہیں ابال سکتے تھے کیونکہ اس سے اس میں موجود جراثیم ہلاک ہو جاتے۔ ہل نہیں چلا سکتے کہ اس سے حشرات الارض کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسے حتی کہ مچھر یا مکھی بھی ڈنگ مارے تو بھی کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ گوتم بدھ یا مہاویر نے گوشت خوری کے متعلق

کوئی واضح ہدایات نہیں دی گئی تھی، لیکن غالباً ان مذاہب میں اس تصور کو تقویت فلسفہ ہمہ اوست کے سبب ملی، جب ہر شے میں خدا کو دیکھا جائے تو پھر اسے کیسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔"[1]

ویدوں میں امن وامان کے تصور کو اس طرح سے واضح کیا گیا ہے:

"میں ہر بشر سے محبت کروں خواہ وہ شریف ہو یا رذیل"[2]

اس شلوک سے ایک دوسرے سے باہمی تعلقات پیار و محبت اور لگاؤ و بھائی چارگی امن و سکون کی تعلیم ملتی ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ شریف ہو یا رذیل، اچھا ہو یا برا، اپنا ہو یا پرایا۔

"مجھے برے فعل سے بچا میں ایماندار رہوں"[3]

امن، چین، آرام و اطمینان کے لئے اچھا اخلاق بہت اہمیت کا حامل ہے، اچھے اخلاق کیلئے از حد ضروری اور اہم کام ایمانداری ہے، ایمانداری ایک ایسی بلند پایاں صفت ہے جس کا شمار اخلاقیات میں سب سے اوپر ہوتا ہے، ایمانداری کی وجہ سے معاشرہ میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کے بالمقابل بے ایمانی کی وجہ سے معاشرہ میں بے چینی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

انسانی زندگی میں بھائی بہن کے رشتہ کو پاکیزہ مانا جاتا ہے، اگر بھائی بہن میں خوشگوار تعلقات ہوں گے تو معاشرہ کو فروغ ملے گا ،معاشرہ فروغ پائیگا تو انسان کو امن وسکون نصیب ہوگا اسی وجہ سے اتھر وید میں بھائی بہن کے درمیان مہربانی اور نیک نیتی پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے

"بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے بہن بہن پر نامہربان نہ ہو نیک نیتی کے ساتھ دوسرے سے گفتگو کریں"[4]

"دلیری، عفو، ضبط، نفس، قبضہ ناجائز سے اجتناب جسم اور ذہن کا تزکیہ حواس کو پر اثر طریقہ پر منضبط رکھنا، عقل، علم، صداقت یہ دسوں کے دسوں نیک اعمالی اور نیکی کے خصوصیات ہیں"[5]

منو سمرتی سماجی تعلیم پر اہم کتاب ہے، اس کتاب میں متعدد شلوک ایسے موجود ہیں جو امن و آشتی، صلح و بھائی چارگی، پیش کرتے ہیں، حق بات کو اختیار کرنے پر اور جھوٹ سے اجتناب پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

---

[1] 4۔ حافظ محمد شارق، **اسلام اور مذاہب عالم**، ص۸۹،۸۸، علوم اسلامیہ پروگرام-www.islamic-studies.info

[2] اتھر وید، کانڈ ۱۹، ادھیائے ۶، سوکت ۶۲، منتر ا

[3] یجر وید، ادھیائے ۴، شلوک ۲۸ (مترجم پنڈت آشورام آریہ، آریہ پرکاش 1594 سیکٹر 7 سی چندی گڑھ بھارت 1988,)

[4] اتھر وید، کانڈ ۳، سوکت ۳۰، ادھیائے ۶، منتر ۳

[5] منو سمرتی، ادھیائے ۶، شلوک ۹۲

"حق بات کہو اسے کڑوی نہ بناؤ میٹھا جھوٹ نہ بولو یہی قدیم قانون ہے"[1]

حق بات ہو یا کوئی اور اخلاق حمیدہ ان تمام پر انسان کو عمل پیرا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس پر ضمیر گواہی دیتا ہو، اگر ضمیر راضی نہ ہو گا تو بے دلی سے اس کو انجام دے گا جس کے نتیجہ میں عمل صحیح طور پر انجام نہ پا سکے گا ضمیر کی اسی گواہی کو بیان کرتے ہوئے منو کہتے ہیں:

"صرف وہی اعمال کرو جس پر تمہارا ضمیر آفرین کہے دوسرے کاموں سے کنارہ کرو"[2]

گائیتری منتر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اپنا سمجھنا چاہئے اور دوسروں کو ترجیح دینا چاہئے جتنا کہ وہ حق دار ہے، اور اس کا مقام اپنی نظروں میں بلند و بالا رکھنا چاہئے گائیتری منتر کا شلوک اس طرح ہے:

"ہماری عقل کو نیکی کے راستے پر لگاؤ"[3]

معاشرہ میں اچھے برے، صحیح غلط اور دوست و دشمن ہر طرح کے افراد موجود ہوتے ہیں، ایک جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"لوگوں کی بے ہودہ باتوں کو برداشت کرے اور کسی کے ایمان کی توہین نہ کرے اور نہ کسی سے دشمنی کرے"[4]

سب کو ساتھ چلنا ہے باہم گفتگو کرنا ہے تاکہ انفرادی ترقی کے ساتھ اجتماعی ترقی ہو ویدک دھرم میں لوگوں کے ساتھ عزت و احترام محبت و ہمدردی امن و سکون اور ایثار و قربانی کی تلقین کی گئی ہے، منو سمرتی کی تعلیم ہے:

"اپکار اور دھرم کا جاننے والا مستقبل کا کام شروع کرنے والا اچھی عادت والا محبت سے بھرا ہوا جو دوست ہے وہ نہایت اچھا ہے"[5]

سکون و آرام سے پیش آنے کی تعلیم دی گئی ہے چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے دوست ہوں یا دشمن، ایک انسان کا رویہ سب کے ساتھ یکساں ہونا چاہئے

اہم کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدک دھرم میں امن کا تصور موجود ہے، اس سے متعلق تعلیمات پر عمل کر کے اس کے متبعین معاشرہ میں پر سکون زندگی گزار سکتے ہیں اور دنیا میں امن کے قیام میں مدد مل سکتی ہے۔

ویدک دھرم، جو ہندو متون اور تعلیمات پر مبنی ہے، میں امن کا تصور گہری جڑوں کے ساتھ موجود ہے۔ ویدک فلسفہ نہ صرف

---

[1] منو سمرتی، ادھیائے ۴، شلوک ۱۳۸

[2] منو سمرتی، ادھیائے ۴، شلوک ۱۶۱

[3] یجر وید، ادھیائے ۳، شلوک ۳۵

[4] منو سمرتی، ادھیائے ۶، شلوک ۴۷

[5] منو سمرتی ادھیائے ۷، شلوک ۲۰۹

انفرادی امن (آتما کا سکون) بلکہ سماجی اور کائناتی امن کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ یہ تعلیمات روحانی، اخلاقی، اور معاشرتی اصولوں کے ذریعے امن کو فروغ دیتی ہیں

ویدک دھرم میں امن کا تصور ایک جامع اور عالمگیر فلسفہ ہے، جو انفرادی سکون سے لے کر سماجی اور کائناتی توازن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان تعلیمات پر عمل کر کے نہ صرف ایک پر امن معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ دنیا بھر میں امن کے قیام میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ "شانتی" کا یہ پیغام انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور دنیا کو خوشحالی کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔

بدھ مت میں تعلیماتِ امن

بدھ مت ایک اہنسائی مذہب ہے۔ اہنسا کا لغوی معنیٰ عدم تشدد ہے اس میں ہر ذی روح شے کو معصوم قرار دیا گیا۔ اور انسان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے تک ہر جاندار کی عصمت اس معنی میں تسلیم کی گئی ہے کہ اس پر کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ بودھ کے احکام عشرہ میں پہلا تاکیدی حکم یہ تھا کہ "کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔ "کو بھکشو عمداً کسی جاندار شے کو اس کی زندگی سے محروم کرے، وہ اس قانون میں ناقابل عفو جرم کا مرتکب ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ بھکشوؤں کو برسات کے تین مہینوں میں گوشہ عزلت سے باہر نکلنے تک کی ممانعت کرتا ہے، تاکہ زمین پر چلنے سے حشرات الارض نہ کچلے جائیں۔ "[1]

انہی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ بُدھ اپنے پیروکاروں کو نہ صرف قتل و غارت گری سے منع کرتا ہے، بلکہ دوسرے لوگ بھی اگر قتل و غارت گری کرتے ہوں تو ان کا تماشا کرنے سے بھی منع کیا ہے، چنانچہ ان کی مذہبی کتاب پکتیہ دھما میں ۴۸ویں دفعہ میں لکھا ہے: "جو بھکشو بلا کسی وجہ معقول کے ایک ایسی فوج کو دیکھنے جائے، جو جنگ کے لیے صف بستہ ہو تو وہ پکتیہ جرم کا مرتکب ہو گا۔" اور دفعات ۵۰،۴۹ کے الفاظ یہ ہیں: "اگر اس بھکشو کے فوج کی طرف لے جانے کی کوئی معقول وجہ ہو تو وہ صرف دو یا تین راتوں تک وہاں ٹھہر سکتا ہے۔ اور وہ اس سے زیادہ ٹھہرے، تو یہ پکتیہ ہے اور اگر وہ وہاں دو یا تین رات کے دوران قیام، میدانِ جنگ کی صف آرائی یا افواج کی سیہ شماری یا قوائے حرب کی صف بندی یا معائنہ کے موقع پر جائے، تو یہ بھی پکتیہ جرم ہے۔ [2]

بدھ مت کی مذہبی تعلیمات کے وہ احکام جو احکام عشرہ" کے نام سے مشہور ہیں، دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے پانچ احکام "پنچ شیل" کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی پابندی بدھ مت کے تمام پیروکاروں پر چاہے وہ بھکشو ہوں یا دنیادار، فرض ہے۔ پنچ شیل میں شامل پانچ احکام درج ذیل ہیں:

---

[1] 5- Vinaya Text. Vol.I p.46,298,301. بحوالہ **الجہاد فی الاسلام** از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سولہواں ایڈیشن ۲۰۰۱ء، ص ۳۹۲، ۳۹۱، ادارہ ترجمان القرآن پرائیویٹ لیمنڈ، اردو بازار، لاہور۔

[2] ۔Vinaya Text. Vol.1 p.43 بحوالہ کتاب ایضاً، ص ۳۹۲

1۔ کسی بھی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔
2۔ جو چیز تمہیں نہ دی گئی ہو اسے حاصل نہ کرو۔
3۔ جھوٹ نہ بولو۔
4۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال نہ کرو۔
5۔ ناجائز جنسی تعلقات استوار نہ کرو۔[1]

ہر بدھی پیروکار پر مذکورہ بالا پانچوں قواعد وضوابط کی پابندی کرنا فرض ہے۔

احکام عشرہ کے علاوہ چند ایسے پیشے ہیں جنہیں گوتم بدھ نے ممنوع قرار دیا ہے:

1۔ ہتھیار بیچنا۔
2۔ لونڈی غلام بیچنا۔
3۔ گوشت بیچنا۔
4۔ شراب بنانا یا بیچنا۔
5۔ زہر بیچنا۔[2]

دانشمندوں کی خدمت کرو اور نادانوں کی صحبت سے بچو، اس کی عزت کرو جو عزت کا مستحق ہو۔

علم حاصل کرو اور عقل کی روشنی بڑھاؤ۔

والدین کی اطاعت، اہل و عیال کی خبر گیری کرو اور ایسا پیشہ اختیار کرو جس سے کسی کو دکھ نہ ہو۔

خیرات کرو، ایمانداری سے رہو اور عزیزوں، رشتہ داروں کی مدد کرو۔

گناہ سے بچو، شراب کے پاس نہ جاؤ اور نیک کاموں سے کبھی نہ تھکو۔

عاجزی اور فروتنی اختیار کرو، قناعت اور شکر گزاری اپنا شیوہ بناؤ۔

مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

اپنی عصمت کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرو۔

---

[1] کرشن کمار، **گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک**، مترجم پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز لاہور، 2002ء، ص 274

[2] علوی، امیر احمد، منشی، **گوتم بدھ**، دارالناظر پریس، لکھنو، 1923ء، ص 28

دل پر اتنا قابو حاصل کرو کہ کسی غم وغصہ کا اس پر اثر نہ ہو۔ نروان "حاصل ہونے سے ناامید نہ ہو اور یقین رکھو کہ اصلاح اخلاق سے یہ خود بخود ملے گا۔

نفس کو زیر کرو اور تمام عالم سے محبت رکھو۔

یہ وہ تمام احکامات ہیں جن کو اختیار کرنا ہر بھکشو کے لئے لازمی قرار دیا گیا اور جو ان تمام احکامات پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے مقصد نروان کو حاصل کر لیا،

بدھ مت میں امن کا تصور داخلی سکون سے شروع ہوتا ہے اور دوسروں کے ساتھ محبت، ہمدردی، اور عدم تشدد پر مبنی تعلقات کے ذریعے بڑھتا ہے۔ یہ تعلیمات انفرادی، سماجی، اور عالمی سطح پر امن قائم کرنے کا ایک عملی راستہ پیش کرتی ہیں۔ گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات امن کے فلسفے کا عملی نمونہ ہیں، جو آج بھی دنیا کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

بدھ مت میں امن کا تصور ایک جامع اور ہمہ جہت فلسفہ ہے جو انسان کی داخلی اور خارجی زندگی دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ داخلی سکون بدھ مت کے امن کے تصور کی بنیاد ہے، جسے مراقبہ، شعور، اور خود آگاہی کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ سکون انسان کو اپنی خواہشات، غصے، اور نفرت پر قابو پانے کی تربیت دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک متوازن اور پرامن شخصیت تشکیل پاتی ہے۔

بدھ مت میں امن کا تصور داخلی سکون سے شروع ہو کر محبت، ہمدردی، اور عدم تشدد کے اصولوں کے ذریعے انفرادی، سماجی، اور عالمی سطح پر پھیلتا ہے۔ یہ فلسفہ انسانیت کے لیے ایک ایسا عملی راستہ فراہم کرتا ہے جو دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔ گوتم بدھ کا پیغام آج بھی دنیا کو نفرت، جنگ، اور کشیدگی سے آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

سکھ مت میں تعلیماتِ امن

سکھ مت ایک ایسا مذہب ہے جو امن، محبت، اور انسانیت کے احترام پر زور دیتا ہے۔ سکھ مت کی تعلیمات میں روحانی ترقی، انصاف، اور سماجی ہم آہنگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ امن کا تصور سکھ مت میں صرف ایک سماجی اصول نہیں بلکہ ایک روحانی فریضہ ہے۔

بنی نوع انسان کی یکجہتی کا تصور:

سکھ مت کی اخلاقی تعلیمات میں بنی نوع انسان کی یکجہتی کا تصور کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مذہب انسانوں کے مابین ذاتوں اور پیدائش کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کرتا۔ بحیثیت انسان سب برابر ہیں اور تمام لوگوں کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے۔ گرو کی محبت

کی وجہ سے نیک اعمال میں کمال حاصل کیا جاسکتا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں بابانانک اپنے متبعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سبھ کو اوچا آکھیئے نیچ نہ دیسے کوئی

اک نہ بھانڈے ساجیے اک چانن تیہہ لوئے

کرم ملے سچ پایئے دھر بخش نہ میٹے کوئی

سادھ ملے سادھو جنے سنتوکھ وسے گربھائے۔[1]

ترجمہ: سبھی کو سرفراز ماننا چاہیے مجھے تو کوئی ہیچ نظر نہیں آتا۔ واحد خدا نے تمام اجسام تخلیق کیے ہیں۔ تمام دنیا میں صرف ایک ہی نور پھیلا ہوا ہے۔ یہ صداقت اس کی رحمت سے ملتی ہے۔ اس کے کرم کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ جب ایک نیک انسان دوسرے نیک انسان سے ملتا ہے تو وہ گرو کی محبت کے ذریعے مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

دھوکہ وفریب:

کسی دوسرے شخص کا مال ومتاع ناجائز طریقے سے ہتھیالینا دھوکہ وفریب کے زمرے میں آتا ہے۔ سکھ مت کی تعلیمات میں دھوکہ اور غریب کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اس سے متعلق گرو گرنتھ صاحب میں متعدد مقامات پر پند ونصائح موجود ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرنے والوں کو بے وقوف گردانا گیا ہے اور اسے آخرت کا خسارہ قرار دیا گیا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب، راگ آسا محلہ 5 میں مرقوم ہے:

بلو بچ کرے نہ جانے لابھے سو دھورت نہیں موڑھا

سوارتھ تیاگ اسارتھ رچیو نہیں سمرے پربھ روڑا[2]

دھوکہ کرنے والوں کو اپنے فائدے کا علم نہیں ہے۔ وہ خدا کے پیارے نہیں بلکہ بے وقوف انسان ہیں۔ منافع بخش اور سود مند بات کو ترک کر کے خسارے والی باتوں میں پھنس گئے ہیں۔ وہ خدا کی عبادت نہیں کرتے۔"

گرو گرنتھ صاحب میں دھوکہ بازی کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

ولو بچ کرار دبھر ہے مورکھ گوارا

---

[1]Guru Granth Sahib, Raga Sarang Mahala , 162. English translation, Dhanial Singh) (Delhi: Singh publication , 1987)

[2]Guru Granth Sahib, Raga Sarang Mahala5،1221،

سبھ کچھ دے رہیاہر دیون ہارا[1]

ترجمہ :اے بے وقوف تو دھوکہ بازی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے حالانکہ خدا رازق ہے جو ہر ایک کو سب کچھ دے رہا ہے۔"

دھوکہ وفریب ایک معاشرتی برائی ہے جو کہ مزید سماجی برائیوں کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔ فی زمانہ اس کی متعدد عملی صورتیں ہیں۔ اسلام ان تمام ممکنہ صورتوں کی مذمت کرتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی طرح سکھ مذہب بھی دھوکہ وفریب کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ دھوکہ وفریب کرنے والے کو بے وقوف گردانا گیا ہے۔ کیونکہ یہ نہ صرف دنیا میں اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے بلکہ یہ آخرت میں کیا یہ بھی خسارے کا باعث ہے۔ رزق دینے والا تو خدا ہے ؟ دھوکہ باز اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

چوری اور ڈاکہ کی ممانعت

کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کو اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اٹھالینا چوری اور اس سے زبردستی چھین لینا ڈاکہ کہلاتا ہے۔ سکھ مت کی اخلاقی اقدار میں یہ ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں متعدد مقامات پر اس کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چوری کو دنیا و آخرت کا خسارہ قرار دیتے ہوئے گرونانک گرو گرنتھ صاحب میں بیان کرتے ہیں:

کر چوری میں جال کچھ لیا تال من بھلا بھائیا

ہلت نہ سوبھا پلت نہ ڈھوئی ابلا جنم گوائیا۔[2]

ترجمہ "دوسروں کا مال چوری کرنے کی طرف مائل نہ ہو۔ چور سرقہ کے ذریعے مال حاصل کر کے بہت خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی یہ خوشی جز وقتی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی دنیا و آخرت خراب ہو رہی ہے اور زندگی رائیگاں جارہی ہے۔"

سکھ مت کی تعلیمات میں چوری کو حرام خوری اور گناہ کا کام تصور کیا گیا ہے۔ چوری کرنے والا کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ مال حاصل کرنے کی اس کی یہ خوشی بھی عارضی ہوتی ہے۔ معاشرے میں برائی پھیلانے والے اور لوگوں کو دکھ دینے والوں کا انجام بھیانک ہوتا ہے۔ وہ خود بھی کبھی راحت وسکون کی زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ چوری ایک ظلم ہے اور گرنتھ صاحب میں اسے حرام خوری کہا گیا ہے۔ جپ جی میں بابانانک فرماتے ہیں:

اسنکھ چور حرام خور اسنکھ امر کر جاہیں زور

---

[1]Ibid, Raga Asa Mahala 5, 461.

[2]Guru Granth Sahib, Raga Sarang Mahala1،155،

اسنکھ گل وڈھ ہتیا کمائیں اسنکھ پاپی پاپ کر جائیں [1]

ترجمہ: بے شمار لوگ زور اور طاقت سے دوسروں پر اپنا حکم چلاتے ہیں اور بے شمار لوگ چوریاں کر کے حرام خوریاں کرتے ہیں۔ بے شمار لوگ گناہ کماتے ہیں اور دوسروں کے گلے کاٹتے ہیں۔"

سکھ مذہب بھی چوری ورڈاکہ زنی کو ناپسندیدہ عمل قرار دیتا ہے۔ اس کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔ سارق یا محارب مال مفت حاصل کر کے عراضی طور پر خوشی کا اظہار کرتا ہے لیکن اس کی یہ خوشی دائمی نہیں ہوتی۔ وہ ہر وقت اک انجانے خوف میں مبتلا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دنیاو آخرت کو بھی رائیگاں کر دیتا ہے۔ ایسا شخص بظاہر لوگوں سے چھپ کر مجرمانہ فعل کا درکتاب کرتا ہے لیکن وہ خالق کائنات سے اپنی حرکات وسکنات کو نہیں چھپا سکتا۔

امانت میں خیانت کی ممانعت

گروگرنتھ صاحب میں امانت میں خیانت کو ایک بدترین اخلاقی برائی کہا گیا ہے اور اس بارہ میں تعلیم دی گئی ہے کہ جس کی امانت ہو اسے ہر حال میں واپس لوٹادینی چاہیے کیونکہ امانت میں خیانت قوموں کے اخلاقی زوال کا سبب ہے۔ گرنتھ صاحب میں خائن کو احمق قرار دیا گیا ہے۔

گروگرنتھ صاحب میں گروامرداس امانتوں کی ادائیگی سے متعلق رقمطراز ہیں:

پرائی امان کیوں رکھیئے دتے ہی سکھ ہوئے

دست پرائی آپ گرب کرے مورکھ آپ گنائے [2]

"دوسروں کی امانتیں ادا کرنے میں ہی بھلائی ہے۔ اس لیے انھیں ادا کر دینا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کی چیز کو اپنی سمجھ لے گا تو وہ پرلے درجے کا احمق ہو گا۔"

امانت میں خیانت کرنے والوں کو معاشرہ نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ خائن پر لوگ اعتماد نہیں کرتے۔ امانت کی پاسداری کے حوالے سے گروگرنتھ صاحب میں ذیل تعلیمات موجود ہیں:

اگنت ساہ اپنی دے راس کھات پیت برتے اندالاس

اپنی مان کچھ بہر شاہ لئے اگیانی من روس کریئے

---

[1] Ibid, Jap Ji, 4.

[2] Guru Granth Sahib, Raga Sarang Mahala3، 1249

اپنی پرتیت آپ ہی کھودے بہر اس کا بسواس نہ ہووے [1]

"خداوند اس ساہوکار کو بے شمار دولت عطا کرتا ہے جو خود بھی کھاتا پیتا ہے اور خوشی سے دوسروں پر بھی خرچ کرتا ہے۔ اگر کوئی دولتمند کسی شخص کو کچھ امانت دے کر واپس طلب کرے تو جاہل شخص اپنا غصہ ظاہر کرنے لگتا ہے۔ ایسا آدمی خود ہی اپنی ساکھ کو خراب کرلیتا ہے اور پھر اس پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔"

اگر کسی معاشرے میں امانتوں میں خیانت ہونے لگے تو افراد معاشرہ کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ سکھ تعلیمات میں امانت میں خیانت کو ایک بدترین اخلاقی جرم قرار دیا گیا ہے۔ خیانت معاشرے کے اخلاقی زوال کا پیش خیمہ ہے۔ خائن سماج میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے احمق کیا گیا ہے۔

عدل و انصاف

سکھ مت میں آزادی کے ساتھ تمام لوگوں کو یکساں مواقع فراہم کرنے کا نام نیاؤں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور کسی کا استحصال نہ ہو۔ سکھ مذہب میں انصاف کو مختلف زاویوں سے بیان کیا جاتا ہے اور یہ اپنے ذاتی اثرات اور معاشرتی تعلقات کے لحاظ سے ایک اہم خوبی سمجھی جاتی ہے۔

گلا اپر تپاوس نہ ہوئی اس کھادھی تنکال مر جائے

بھائی دیکھو نیاؤں سچ کرتے کا جیہا کوئی کرے تیہا کوئی پائے [2]

انصاف کا دارومدار محض الفاظ پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی زہر کھاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔ اے لوگو جو مقدر کو مانتے ہو سچے خالق کا انصاف ملاحظہ کرو۔ جس طرح لوگوں کے اعمال ہوں گے اس کے مطابق بدلہ پائیں گے۔"

نیاؤں کی خوبی کا ایک پہلو یہ ہے کہ سکھ دھرم ذات پات کے نظام کو مسترد کرتے ہوئے مساوات کو یقینی بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ سکھ گروؤں نے اس بات کو پہچان لیا تھا کہ معاشرتی مساوات کے بغیر انصاف بے معنی ہے۔ انصاف کی دوسری خوبی دوسروں کے حقوق کا احترام کرتا اور دوسروں کا استحصال نہ کرنے پر مشتمل ہے۔ سکھ دھرم کے مطابق دشمن کے بچوں اور عورتوں کی عزت کی حفاظت کے لئے سخت ہدایات جاری کیں۔

صرف محبت ہی خدا کے گھر میں داخل ہونے کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر سکھبیر سنگھ اپنی تصنیف میں رقمطراز ہیں:

The Sikh Gurus spoke strongly against the explotation of one by the other. They forbade Sikhs to

---

[1] Ibid, Gauri Sukhmani Mahala 5. 268.

[2] Ibid, Var Gauri Mahala 4, 308.

plunder even enemy's property."[1]

سکھ گروؤں نے کسی بھی شخص کے ساتھ زیادتی کی صورت میں سخت زبان میں بات کی۔ انھوں نے سکھوں کو کسی شخص کی جائید اد غبن کرنے سے منع کیا، چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔"

عدل و انصاف پر ہی پوری دنیا کا انتظام موقوف ہے۔ اگر عدل و انصاف ختم ہو جائے تو ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ ہو اور نظام و نیادر ہم برہم ہو جائے۔ اللہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ سکھ مذہب بھی نیاؤں (عدل و انصاف) کی اہمیت کا قائل ہے۔ گرنتھ صاحب کی تعلیمات کے مطابق دنیا میں کسی بھی انسان کا استحصال نہیں ہونا چاہیے اور بنی نوع انسان کو مساوات کی بنیاد پر حقوق میسر ہوں۔ سب سے بڑا منصف خالق کائنات ہے جو لوگوں کے درمیان ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

رشوت ستانی کی مذمت

کسی بھی معاشرے میں رشوت خوری ایک ایسی اخلاقی برائی ہے؟ جس سے پورے معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کے کم و بیش تمام مذاہب میں رشوت خوری کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ معاشرتی بگاڑ کا سبب ہے۔ بسا اوقات انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے اور رب کے نام کا مراقبہ کرنے والے لوگ بھی اس برائی سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ گرو گرنتھ صاحب میں بھی اس اخلاقی برائی کی پرزور مذمت کی گئی ہے:

قاضی ہوے کے بہے نیائے پھیرے تسبی کرے خدائے

وڈھی لے کے حق گوائے جے کو پچھے تاں پڑھ سنائے[2]

قاضی بن کر اگر کوئی انصاف کرنے بیٹھتا ہے اور تسبیح پھیر کر خدا تعالیٰ کو یاد بھی کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ رشوت لے کر حق تلفی بھی کر دیتا ہے۔ اگر کوئی اس سے اس کی وجہ پوچھتا ہے تو وہ فتوے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔"

خدا کی حقیقی معرفت کا ادراک حاصل کرنے کے لیے صحیح علم کی ضرورت ہے اور اہل علم خدا کی معرفت حاصل کر کے رشوت خوری جیسی اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ جاہل لوگ رشوت لے کر جھوٹی گواہی دینے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

---

[1]Sukhbir Singh Kapoor Dr., The Sikh Religion and the Sikh People (Delhi: Hemkunt Publishers, 2011), 163

[2]Guru Granth Sahib, Raga Bhairon mahala 5, 1142.

بابانانک فرماتے ہیں:

پڑھے من لکھ پر بدھ نہیں جانانام نہ بوجھے بھرم بھلانا

لے کے وڈھی دین اگاہی درست کا گل پھاہا ہے [1]

من لکھ انسان علم حاصل تو کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ خدا کی پہچان سے محروم رہتا ہے اور بھرم میں پڑ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ رشوت لے کر جو لوگ گواہی دیتے ہیں ان کی گردنوں میں جہالت کا پھندا ہے۔ "رشوت ستانی ایک ناسور ہے جو بدامنی پھیلانے، ظلم کا بازار گرم کرنے اور معاشرتی بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ دنیا کے تمام مہذب معاشرے اس کو ایک اخلاقی برائی تصور کرتے ہیں۔ سکھ مذہب بھی اس قبیح فعل کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔ انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے لوگ اگرچہ خدا کا ذکر ہیں لیکن رشوت کے عوض لوگوں کا حق بھی غصب کرتے ہیں۔

حرام خوری سے اجتناب

سکھ تعلیمات میں حرام خوری کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے اور اسے ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ حرام خور ہمیشہ برائیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے رب سے دور ہو جاتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کسی وجہ سے ان پر اپنی عنایت کر دے تو وہ روحانی تسکین پاتے ہیں۔ جیسا کہ

گروارجن دیو گرنتھ صاحب میں بیان کرتے ہیں:

حرام کھور نرگن کو توٹھا

من تن سیتل من امر تو ووٹھا[2]

ترجمہ: حرام خور اور برائیوں میں مبتلا لوگوں پر اگر خدا تعالیٰ مہربانی کر دے تو ان کے تن من کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔"

حلال کھانا انسانی فطرت کا خاصا ہے لیکن وہ لوگ جن کا تعلق ایسے گروؤں سے ہو جو روحانی طور پر اندھے ہوں تو وہ حلال و حرام میں تمیز نہیں کر پاتے۔ جس کے نتیجے میں حرام اشیاء کا استعمال کرتے ہیں اور حلال چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ گرونانک انسانوں کو گرو کے انتخاب میں محتاط ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے انھیں حلال و حرام میں امتیاز کرنے کی بھی تلقین کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

---

[1] Guru Granth Sahib, Raga Bhairon mahala 5, 1142.

[2] Guru Granth Sahib, Raga Bhairon mahala 5, 1142.

انسان ایک اشرف مخلوق ہے، جسے اپنے رزق کے حصول میں اپنے فہم و ادراک کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن جو لوگ حرام خوری میں ملوث ہو جائیں تو ان کی یہ عادت پختہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ حرام خور نہ صرف قلبی و ذہنی سکون سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ وہ مختلف دکھوں، تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی گرفتار ہو جاتا ہے۔ تیسرے گرو امر داس گرنتھ صاحب میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

ذات پات کی نفی

بانی سکھ مت بھی ذات پات کے اس متعصبانہ نظام کے حامی نہ تھے۔ انھوں نے اپنی تعلیمات میں اس نظام کی نفی کی ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں وہ ذات پات کا رد کرتے ہوئے عزت کا معیار خدا کے ہاں مقبول اعمال کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اگے ذات نہ زور ہے آگے جیو نوے
جن کی لیکھے پت پوے چنگے سیئی کیے [1]

"خدا کے ہاں ذات پات اور ورن کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ وہاں تو وہی معزز ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں گے۔"

ذات و نسل پر غرور و تکبر متعدد معاشرتی بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ ذات پر گھمنڈ کرنا نادانوں کا شیوہ ہے کیونکہ حقیقی عزت والا وہ ہے جو خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ تیسرے گرو امر داس گرنتھ صاحب میں نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذات کا گرب نہ کریو کوئی برہم بندے سو براہمن ہوئی
کر اس گھمنڈ کے نتیجے میں بہت خرابی ہو گی [2]

کوئی شخص اپنی ذات کا گھمنڈ نہ کرے۔ جو خدا کی شناخت حاصل کر لے وہی معزز ہے۔ اے بیوقوف تو اپنی ذات کا تکبر نہ

گرو نانک اور دیگر گرو صاحبان ذات پات کے متعصبانہ نظام کے خلاف تھے۔ انہوں نے عزت و عظمت کا معیار ذات پات کو بلکہ نیک اعمال کو قرار دیا ہے۔ ذات و نسل پر تکبر تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ گرنتھ صاحب کی تعلیمات کے مطابق جو شخص خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہی قابل احترام ہے اور نادان لوگ صرف اپنی ذات و نسل پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

سکھ مت میں امن (شانتی) کو ایک بنیادی قدر کے طور پر اہمیت دی گئی ہے۔ یہ مذہب خدا سے محبت، خدمتِ خلق، اور ہم آہنگی کے اصولوں پر مبنی ہے، جو انفرادی سکون سے لے کر معاشرتی اور عالمی امن تک پھیلا ہوا ہے۔ سکھ مت کی امن تعلیمات گرو

---

[1] Ibid, Var Asa Shalook Mahala 1, 469.

[2] Ibid, Var Asa Shalook Mahala 1, 469

گرنتھ صاحب کی تعلیمات اور دس گرو صاحبان کی زندگیوں سے جڑی ہوئی ہیں، جو خدا کی وحدانیت، انسانیت کے اتحاد، اور ہر قسم کے تعصبات سے آزادی پر زور دیتی ہیں۔

سکھ مت میں امن کا تصور خدا کی وحدانیت، محبت، خدمت، انصاف، اور مساوات پر مبنی ہے۔ یہ تعلیمات ایک ایسی دنیا کے قیام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جہاں تمام لوگ پرامن، ہم آہنگ، اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔ گرو صاحبان کی زندگی اور ان کی تعلیمات آج بھی امن، محبت، اور بھائی چارے کے لیے ایک مثالی راستہ فراہم کرتی ہیں۔

سکھ مت کی امن کی تعلیمات انسانوں کو نہ صرف فردی سکون اور روحانی ترقی کی طرف راغب کرتی ہیں بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں جہاں مساوات، انصاف، اور خدمت خلق کا اصول غالب ہو۔ ان تعلیمات کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ نہ صرف سکھوں کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک خوشحال اور پرامن دنیا کے قیام کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

سکھ مت کی تعلیمات میں امن کا تصور ایک نہایت اہم اور جامع اصول ہے جو فرد کی روحانیت، سماجی انصاف، اور عالمی امن کے قیام کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ تعلیمات سکھوں کے لیے ایک بہتر زندگی گزارنے کا راہ دکھاتی ہیں اور پورے معاشرے اور دنیا میں محبت، برابری، اور انصاف کے اصولوں کو فروغ دیتی ہیں۔ اس کے ذریعے نہ صرف سکھوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ایک پرامن، خوشحال، اور ہم آہنگ دنیا کا قیام ممکن ہے۔

سکھ مت کی تعلیمات انسانیت کو روحانی ترقی، سماجی انصاف، اور خدمت خلق کی طرف راغب کرتی ہیں۔ یہ اصول ایک ایسے معاشرے کے قیام کی بنیاد فراہم کرتے ہیں جہاں امن، مساوات، اور محبت کا بول بالا ہو، جو نہ صرف سکھوں بلکہ پوری انسانیت کے لیے فائدہ مند ہے۔

فصل دوم: پر امن بقائے باہمی میں مذہب کا کردار

مذہب کا ہمیشہ سے انسانی زندگی میں اہم کردار رہا ہے۔ آج بھی اس کے کردار کو منہا نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب ہی ہے جو آج بھی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سکون و اطمینان اور حسن و خوبصورتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

مذہب انسانی زندگی کے لیے اعلیٰ اخلاقی اصول فراہم کرتا ہے اخوت، مساوات، ایمانداری، برداشت برابری، رواداری، قربانی، محتاجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی مدد یہ وہ اخلاقی اصول ہیں جن کے بغیر ہماری زندگی میں توازن نہیں رہتا۔ اور زندگی نہ صرف افراتفری کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مذہب کے بغیر اخلاقی اور سماجی خصوصیات کو حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ مذہبی عقیدے کی عدم موجودگی میں یہ اقدار اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں اور اخلاقیات تنزلی کا شکار ہو جاتیں ہیں۔ جب کہ مذہب اسے نہ صرف انسانیت سے ہمکنار کرتا ہے بلکہ عبادات اور اخلاقیات کے اصول فراہم کر کے اسے سماجی اور معاشرتی لحاظ سے ایسا مفید انسان بنا دیتا ہے کہ وہ صرف اپنی زندگی کو خوش حال وخوشگوار بناتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے جینے کو قابل فخر سمجھتا ہے

کسی بھی ملت کے نظام اخلاق، نظام معاشرت اور تمدن کا دار و مدار ان اساسی اصولوں پر ہوتا ہے جو اس قوم میں رائج مذہب فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں مذہب ہی ایک ایسا نظام ہے جو معاشرے میں افراد کے لیے وہ سب رسم ورواج، قوانین، طرز حیات اور دیگر معاملات طے کرتا ہے اور معاشرہ انہی ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ باقی عام لوگ اسے خدا کی جانب سے عطا ہونے والی ناقابل انکار حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے منحرف ہونا گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ قوم ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہے۔ سارے تمدن کی تعمیر اور اس میں پائے جانے والے اخلاقی اوصاف انہی روایات اور نظریات پر ہے جو عوام الناس میں رائج ہوں۔ بلاشبہ وہ قوت مذہب ہی ہے جو مختلف قسم کے معاشرے وجود میں لاتی ہے

پر امن بقائے باہمی کے اصول

1۔ شرف انسانیت

اسلام بلا تفریق رنگ و نسل، علاقہ و زبان، مذہب و ملت تمام انسانوں کو شرف انسانیت کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ اور بحیثیت انسان اس کی قدر و منزلت اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہے۔

عظمت آدمیت اور تکریم انسانیت اسلام کی تعلیمات کی اہم جزء ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ﴾"[1]

---

[1] الاسراء:70

"اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی"

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾[1]

"کسی شخص نے ایک نفس کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا"

اس طرح انسانیت کی عظمت وو قار کی بحالی اور توقیر کو یوں بیان فرمایا کہ:

﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[2]

"جس کسی نے ایک انسان کو زندہ کیا گویا اُس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا"

اسلام دیگر مذاہب اور اقوام کے ساتھ باہمی تعلقات کی اساس میں انسانی قدروں اور شرف انسانیت کو ایک بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔

انسان دنیامیں خدائے متعال کانائب وخلیفہ ہے۔ اس خلیفہ کا احترام وتکریم اسلام کی تعلیمات کی اہم جزء ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ "[3]

ترجمہ: اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔

اس شرف وعزت کا تعلق رنگ ونسل، علاقہ وزبان، مذہب وملت کی بنیاد پر پر فائز کرنا نہیں ہے بلکہ بحیثیت انسان اس کی قدر و منزلت اور اس کا وجود پوری انسانیت کا وجود اور اس کی ہلاکت پوری انسانیت کی ہلاکت اسلام میں محفوظ

ہے، ارشاد باری ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بغير نَفْس أو فسادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قتل النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فكأنما أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ [4]

ترجمہ: کسی شخص نے ایک نفس کو قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔ جس کسی نے ایک انسان کو زندہ کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا۔

سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہم انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا

---

[1] المائدہ:32

[2] المائدہ:32

[3] الاسراء:70

[4] المائدہ:32

احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء تحفظ میں مدد گار بنے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ درحقیقت انسانیت کا حامی ہے۔ کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقا کا انحصار ہے [1]

نیز اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" [2]

ترجمہ: ”خبر دار! جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا؛ تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعویٰ پیش کروں گا۔“

اسی طرح ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" [3]

جو کوئی مسلمان کسی معاہد کو بغیر حق کے قتل کرے گا اللہ جنت کو اس پر حرام فرمادے گا۔"

اس طرح کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں ظلم و جبر سے بچنے، پر امن زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، فتنہ و شر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، روئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ (خواہ وہ کسی بھی مذہب و قوم سے تعلق رکھتا ہو) فراخدلی ورواداری اور ہر مذہب و قوم کے مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کی پر زور تلقین کی گئی ہے

2۔ عدل:

مسلمانوں کو تمام معاملات میں دیانت داری اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ معاملہ اپنے دشمنوں کا ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا

---

[1] مودودی، سید ابو الاعلی، **تفہیم القرآن**، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1991ء، 1/464

[2] (ابو داؤد، **سنن ابی داود**، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، حدیث نمبر ۳۰۵۲، قال الشیخ البانی، صحیح)

[3] نسائی، **سنن نسائی**، کتاب القسامۃ والقود والدیات، حدیث نمبر: 4751

ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾"[1]

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاو، عدل کرو، یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿لا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لم يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينِ﴾" [2]

اللہ تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے بے دخل کیا ہے کہ تم ان سے بہتری کا سلوک کرو اور ان سے عدل و انصاف کا سلوک کرو، کوئی شک نہیں عدل و انصاف کرنے والوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔" اس میں تمام غیر مسلم داخل ہیں خواہ معاہد ہوں یا حربی سب کے ساتھ عدل و انصاف مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔

ذمیوں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ کے رسول اللہ سلم نے فرمایا:

"مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ"[3]

جو کوئی مسلمان کسی معاہد کو بغیر حق کے قتل کرے گا اللہ جنت کو اس پر حرام فرمادے گا۔"

حدیث میں لفظ "معاہد" استعمال ہوا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ایسے غیر مسلم رعایا جو معاہدے کے ذریعے سے اسلامی مملکت کے شہری قرار پائے ہوں یا ایسی قوم و گروہ کے افراد جنھوں نے اسلامی مملکت کے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا ہو۔ طراح کسی بھی عہد میں کسی بھی مسلم حکومت کے باسیوں کو جو اس ریاست کے قانون کی پاایمانی کرتے ہوں اور آئین کو تسلیم کرتے ہوں معاہد کہلائیں گے۔ قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اسلام امن و رواداری کا سبق دیتا ہے۔ قرآن و حدیث کی ہدایات کے مطابق اگر دشمن قوم کا سفیر بھی آئے تو اس کا قتل ناجائز و حرام ہے۔ رسول اللہ لا یہ اسکیم کے پاس بہت سے مواقع پر غیر

[1] المائدہ:8

[2] سورۃ الممتحنۃ:(8)

[3] نسائی، سنن نسائی، کتاب القسامۃ والقود والدیات، حدیث نمبر: 4751 قال الشیخ البانی، صحیح

مسلم سفیر کی حیثیت سے آئے آپ اسلام نے ان سے ہمیشہ عمدہ سلوک کا معاملہ فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا"[1]

جس کسی نے بھی معاہد کا خون کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہو گا، حالاں کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونا سونگھی جا سکتی ہے۔"

اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ذمیوں کو ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری انجام دے۔ اسلامی عدل و انصاف کا تصور اسلام کا ایک اساسی اصول ہے۔ لہذا اسلام عدل و دیانتداری کے تعلق سے غیر مسلموں سے بقائے باہمی میں جاری رکھنا چاہتا ہے۔ چاہیے اس کے تعلق افراد، کسی گروہوں یا ریاستوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

3۔ احترام مقدسات

جہاں تک ادیان و مذاہب اور ان کی بڑی شخصیات کے احترام کا تعلق ہے، یہ اسلام کے بنیادی اساسی احکام کی روشنی میں مسلمہ حیثیت کا متحمل ہے، وہیں بین الاقوامی مسلمات اور اخلاقیات کا حصہ بھی بن چکا ہے ایک دوسرے کے مذہب کا اور اس کی مذہبی شخصیات کا احترام کیا جائے اور ان کی توہین کر کے ان کے ماننے والوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے۔ اس اہم اساسی اصول کے تین اہم پہلو ہیں:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ الله فيسبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ "[2]

ترجمہ: اور (اے ایمان لانے والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگے لگیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں

کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقے سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کمزوری پر تحقیقی و الزامی طریقے سے متنبہ کرنا جدا گانہ تھے۔ لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین اور دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔[3]

---

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجزیۃ والموادعہ، حدیث نمبر 3166

[2] الانعام: 108

[3] عثمانی، شبیر احمد، **تفسیر عثمانی**، دار الاشاعت، کراچی، 2000، 1/424

دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو اسلام تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کے مذہبی شعائر کی بے ادبی پر روک تھام لگائی ہے تاکہ دیگر مذاہب کے ساتھ باہمی مفاہمت کا پُرامن آغاز ہو سکے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾[1]

ترجمہ: اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجد میں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے:

"لولا اظهاره وتسليطه المسلمين على الكافرين بالمجاهدة لا ستولى المشركون على اهل الملل المختلفة في ازمنتهم وعلى متعبداتهم فهدموها ، ولم يتركو للنصارى بيعا ولا لرهبانهم صوامع ولا لليهود صلوات اى كنائس وسميت الكنيسة صلاة لانها يصلى فيها "[2]

ترجمہ: اگر مسلمانوں کو غلبہ نا ہوتا اور کفار پر جہاد کے ذریعے دباؤ نہ ڈالا جاتا تو مشرکین اپنے اپنے وقتوں میں دیگر ادیان والوں کی عبادت گاہوں پر غلبہ پا کر ان کو گرا دیتے اور نہ کسی نصرانی کا گرجا چھوڑتے اور نہ ان کے درویشوں کے گنبد باقی رہتے اور نہ ہی یہود کے صلوات یعنی اور کیسے چھوڑے جاتے۔ ان کنیسوں کا نام صلوات اس لیے ہے اکنا میں صلاۃ ادا جاتی ہے۔

مذہبی شخصیات کے حوالے سے فرمان رسول رحمت ﷺ ہے الفا کو ان کے عہدوں سے ہٹانے کی اجازت نہیں:" ولا يغير حق من حقوقهم وامثلتهم لا يفتن اسقف من اسقفيته ولا راهب من رهبانيت [3]

ترجمہ: ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا، اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی، اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی اسقف اپنی استقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے، نہ ہٹایا جائے گا۔

ان مذہبی اشخاص کو مارنے کی بھی اجازت نہیں، ارشاد صادق و مصدوق ہے:

"لا تغد روا ولا تغلوا، ولا تمثلوا ، ولا تقتلوا الوالدان، ولا اصحاب الصوامع " [4]

ترجمہ: غداری نہ کرنا، دھوکے دینا، نعشوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی پادریوں کو۔

---

[1] الحج:40

[2] نسفی، ابو البرکات عبداللہ بن احمد **مدارک التنزیل وحقائق التاویل** (بیروت: دار الکلم الطیب، الطبعۃ: الأولى، 1419ھ-1998ء)، 2/732

[3] بلاذری، احمد بن یحییٰ، **فتوح البلدان**، (بیروت دار وو مکتبۃ الھلال)، 1998ء ص:6387)

[4] احمد بن حنبل، **المسند**، مسند عبداللہ بن العباس، رقم الحدیث: 2731 قال الشیخ البانی، صحیح

مذکورہ نصوص اس بات کی شاہد ہیں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو مکمل احترام وتحفظ حاصل ہو گا.

4. مذہبی آزادی

دیگر اہل مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد تبدیل کرنے یعنی اسلام قبول کرنے کے لیے کسی جبر واکراہ سے کام لیتاہے،نہ دباؤڈالتاہے بلکہ انہیں اعتقادات وعبادات اور مذہبی مراسم وشعائر میں مکمل آزادی حاصل ہو گی،ان کے اعتقاد اور مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی،ان کے سینا گاگ،گرجوں،مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیاجائے گا۔مذہبی آزادی کے حوالے سے اولین دستوری دستاویز "میثاق مدینہ "ہے۔اس معاہدے میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی۔چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

"للمُسْلِمِينَ دِينُهُمْ وَلِلْيَهُوْدِ دِيْنُهُمْ "[1]

ترجمہ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے۔عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل کا کہنا ہے کہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا باضابطہ انسانی معاشرہ قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔انسانی زندگی کی حرمت قائم ہے[2]

مسلم ریاست میں رہنے والے اقلیتوں کے پرسنل لاء یعنی نکاح،طلاق،وصیت،ہبہ،نان ونفقہ،عدت اور وراثت وغیرہ کے احکامات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی،بلکہ انھیں ان کے مذہب واعتقاد کے مطابق جو احکام واعمال جائز ہیں،انھیں ان پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہو گی،خواہ وہ اسلامی شریعہ کی روسے حرام وناجائز ہی کیوں نہ ہوں۔مسلم اہل علم میں اس آزادی اور مسلم ریاست کے دائرہ کار کے حوالے سے کچھ تفصیلات موجود ہیں کچھ کام ان کے ہاں جائز اور اسلام میں ممنوع ہیں انہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ کرسکتے ہیں اور خاص اسلامی آبادیوں میں حکومت اسلامیہ کو اختیار ہو گا انہیں آزادی دے یا نہ دے۔اس تناظر میں اسلامی علاقہ جو مفتوحہ ہو یا اقلیتوں کے علاقے ہوں اس بارے میں مسلم اہل علم کے مذہبی آزادی کے حوالے سے کچھ حدبندیاں متعین ہیں

علامہ کاسانی کے بقول:

"جو بستیاں اور علاقے مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور

---

[1] حمید اللہ،ڈاکٹر،**خطبات بہاولپور**(اسلام آباد:ادارہ تحقیقات اسلامی،2007ء)ص:236

[2] ہیکل،محمد حسین،**حیاۃ محمد**،(مطبعۃ النھضۃ العصریۃ،قاھرہ)1949،ص227

صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ و عیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار وارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔"[1]

معلوم ہوا اقلیتیں مسلم مفتوحہ علاقوں میں اپنی عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے مذہبی امور بجالا سکتی ہیں، اسلامی ریاست اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے اور معاہدے کے تحت علاقوں میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔

5۔ ایفائے عہد

باہمی تعلق میں ایک اور اہم اساسی اصول عہد کی پاسداری اور تکمیل ہے۔ اسلام مسلمانوں پر یہ اخلاقی فرائضہ عائد کرتا ہے لکھا انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی سطح پر بھی اپنے تما شخصی، قولی، اور بین الاقوامی معاہدوں (عمود) کی پاسداری کریں، قرآن کی متعدد آیات ہیں جن میں مسلمانوں کو اپنے عہد واقرار کی پاسداری کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا:

﴿وأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْد كان مسئولا﴾ "[2]

اور عہد کی پاسداری کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا"

اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُود﴾"[3]

"اے ایمان والو عہد کو پورا کرو"

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ " [4]

وہ اپنی امانتوں اور عہد وپیمان کی نگہداشت کرتے ہیں"

---

[1] الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1406ھ-7/113

[2] الاسراء:34

[3] المائدۃ:1

[4] المومنون:8

اسلام نے عہد شکنی کو جرمِ عظیم قرار دیاہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَلِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1]
اسلامی ریاست میں تم افراد کو مذہبی اور گروہی تعصبات سے آزاد جمہوری خطوط پر حقوق و فرائض کے مابین دو طرفہ تعلق کی بنیاد پر شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ عوام کے جملہ گروہوں کی فلاح و بہبود اور ان کے مختلف نظام ہائے قانون کا پاس ولحاظ اور ان کے تعلق سے فرض شناسی، افراد اور گروہوں کے حقوق و فرائض کی مخلصانہ بجا آوری کی واحد ضمانت ہے۔ مذہب اور نظریات کی آزادی، جس کے ساتھ عمل اور اظہار کے پر امن اور شائستہ وسائل موجود ہوں، صحت مند پائیدار، وسعت پذیر اور ترقی کی طرف قدم بڑھانے والے معاشروں کے ناگزیر حیثیت رکھتی ہے

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا، اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا، یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں اس کے بع بعض اجزاء یہ ہیں۔

یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہیں، یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہو گا۔ یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے، جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کے درمیان تعاون ہو گا۔ ان کے درمیان خیر خواہی کا تعلق ہو گا، بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔ کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ جو مظلوم ہو گا اس کی حمایت کی جائے گی۔[2]

الغرض پر امن بقائے کے باہمی اور مشترکہ اصولوں پر اتفاق کرنے کی دعوت قرآن حکیم نے دی، اس نے اہل کتاب کو ایک مشترک کلمہ پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہم عصر قریبی کتابی حکمرانوں اور اقوام سے پر امن بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مدینہ کے یہودیوں سے تحریری معاہدے ہوئے۔ فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوا، لیکن یہودیوں نے ایک ایک کر کے معاہدوں کو توڑا۔ آپ نے نجران، حبشہ اور حدود شام کے متعدد عیسائی حکمرانوں اور امراء سے مفاہمت کی اور معاہدے کیسے ان سب سے حبشہ سے ہونے والا معاہدہ صدیوں سے قائم رہا گویا بین الاقوامی سطح پر پر امن بقائے باہمی اور دوستانہ روابطہ کا حبشہ ماڈل کامیاب ترین ماڈل تھا جو ایک ہزار برس سے بھی زیادہ قائم رہا۔

---

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الحیل، حدیث: 6966

[2] ابن ہشام، عبد المالک بن ہشام، **السیرۃ النبویۃ لابن ہشام** - تحقیق: طہ عبد الرءوف سعد - بیروت: دار الجیل، 1411ھ، 2:119.،،

یہودیت

احترام انسانیت

یہودی مذہب میں انسانی زندگی کو بہت تقدس حاصل ہے۔ تخلیق انسانی دوسری تمام مخلوقات کی نسبت حکمت وقدرتِ الٰہی کا ممتاز عمل ہے۔ انسان اپنے مزاج، اپنے مقام، اپنی سرشت یعنی اپنی فطرت میں اعلیٰ وارفع صلاحیتوں اور طاقت وفعالیت جیسی صفات کی وجہ سے دنیا میں نیابتِ الٰہی سے متصف ہوا۔ گویا جہاں وہ خدا کی شبیہ 'احسن التقویم' بن کر آیا وہیں اس کا نمائندہ بھی بنا۔ گو بدن مٹی سے تشکیل پایا، لیکن اس میں روح امر الٰہی ہے اور اسے اپنی صورت سے تمثیل دینا عجز وشرفِ انسانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان گناہ یا گم راہی میں گرتا ہے تو دراصل اس حسنِ ازل کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

"اِس لیے خدا نے انسان کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا اور خدا نے اپنی ہی مشابہت پر انسان کو پیدا کیا اور خدا نے ان کو مرد اور عورت کی شکل وصورت بخشی۔"[1]

یہودیت کے مطابق اگر ایک انسان کا خون بہایا جائے تو اس کا بدلہ خون ہے۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق کسی انسان کو زندگی بخشنا خدا کو باقی رکھنے کے مترادف ہے۔ کتاب پیدائش میں ہے:

"اِس لیے کہ خدا نے انسان کو اپنی مشابہت پر پیدا کیا ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی کسی شخص کا خون بہاتا ہے تو دوسرا شخص اس کا خون بہائے گا۔"[2]

عدل وانصاف

یہودیت میں امن وامان کے مقام ومرتبہ کا اندازہ قربانی، ہدیہ، عید جیسی عبادات اور عدل وانصاف کی اہمیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب معاشرے میں عدل وانصاف ہوگا تو لازمی طور پر امن وامان بھی قائم ہو جائے گا۔ یعنی یہودیت میں اس وقت تک عبادت مقبول نہیں جب تک امن وامان قائم نہ کیا جائے:

"خداوند فرماتا ہے! تمہاری کثیر التعداد قربانیاں میرے کس کام کی ہیں؟ بچھڑوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ جانوروں کی چربی سے میرا جی بھر چکا ہے، بیلوں، برّوں اور بکروں کا خون میری خوشی کا باعث نہیں۔ کون کہتا ہے کہ میری بارگاہ میں چلے آؤ اور میرے آنگنوں کو پاؤں سے روندو؟ باطل ہدیے لانے سے باز آؤ۔ تمہارے بخور سے مجھے سخت نفرت ہے۔ نئے چاند، سبت اور عید کے اجتماع... اور تمہاری ناشائستہ محفلیں میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہارے نئے چاند کے تہواروں اور تمہاری

---

[1](پیدائش، 1:27)

[2](پیدائش، 9:6)

مقررہ عیدوں سے میری جان کو نفرت ہے۔ وہ میرے لیے ایک بوجھ بن گئی ہیں۔ میں انہیں برداشت کرتے کرتے عاجز آچکا ہوں۔ جب تم دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تم سے منہ موڑلوں گا۔ تم چاہے کتنی دعائیں کرو، میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ خون آلودہ ہیں۔ اپنے آپ کو دھو کر پاک کرلو۔ اپنے برے اعمال کو میری نگاہوں سے دور لے جاؤ۔ بد فعلی سے باز آؤ، بھلائی کرنا سیکھو۔ انصاف طلب بنو۔ مظلوموں کی حوصلہ افزائی کرو، یتیموں کے حقوق کا تحفظ کرو اور بیواؤں کے حامی ہو [1]

قدیم میں ایک اور جگہ عدل وانصاف اور امن وامان کو خدا کی نجات کا نام دیا گیا ہے:

"یقیناً اس کی نجات ان کے قریب ہے جو اس سے ڈرتے ہیں، تاکہ اس کا جلال ہمارے ملک میں بسے۔ شفقت اور راستی باہم ملتے ہیں۔ راست بازی اور امن ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔ زمین سے صداقت پھوٹتی ہے اور راست بازی آسمان پر سے جھانکتی ہے۔ بے شک خداوند اچھی چیز ہی عنایت کرے گا اور ہماری زمین اپنی پیداوار دے گی۔ راست بازی اس کے آگے آگے چلے گی اور اس کے قدموں کے لیے راہ تیار کرے گی۔"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں سماجی ناانصافی انسانی خون کرنے کے مترادف ہے۔ غریبوں کے لیے ان کی روٹی ان کی زندگی ہے اور جو کوئی اس کو ان سے روکے وہ گویا غریبوں کا قاتل ہے۔ جو کوئی ہم سائے کی روزمرہ کی خوراک چھینتا ہے یا اس سے محروم رکھتا ہے، وہ اسے گویا قتل کرتا ہے۔ جو مزدور کی مزدوری میں ہیرا پھیری سے کام لیتا ہے، وہ اس کا خون بہاتا ہے۔ ایسے شخص کی کوئی عبادت خدا کو منظور نہیں جو اس کی عبادت کرنے کا خواہش مند تو ہو، لیکن اس کے عدل کو مانے، نہ اس پر عمل کرے۔ ایک اور مقام پر عدل وانصاف کے ذریعے امن وامان کے قیام کو عبادت سے افضل قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

"میں تمہاری عیدوں کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ مجھے تمہارا اجتماع بالکل پسند نہیں۔ ہاں تم میرے لیے سوختنی قربانیاں اور نذر کی قربانیاں گذرانتے ہو، لیکن میں ان کو قبول نہیں کروں گا۔ تم بہترین قربانیاں لاتے ہو، لیکن میں ان کا کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔ اپنے نغموں کی آواز مجھ سے دور کرو۔ میں تمہارے رباب کی آواز نہ سنوں گا، بلکہ انصاف کو پانی کی مانند اور صداقت کو کبھی نہ سوکھنے والے چشمے کی طرح جاری رکھو۔"[3]

شریعتِ موسوی میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رشوت ستانی، اقرباپروری اور جانب داری برتنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے:

"تمہیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا

---

[1] (یسعیاہ، 1:11۔17)

[2] (زبور، 85:9۔13)

[3] (عاموس، 5:21۔24)

چاہئے۔"[1]

امن وامان کے لیے انصاف اور راست بازی کس قدر ضروری ہے، اس سے کوئی بھی ذی شعور انسان لاعلم نہیں۔ جس معاشرے سے انصاف اور راست بازی کنارہ کر جائے، اس میں دنگاوفساد، قتل وغارت اور دہشت گردی جیسی لعنتیں اپنے جھنڈ یگاڑ لیتی ہیں۔ تمام الہامی مذاہب انصاف اور راست بازی کا درس دیتے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم میں بھی انصاف اور راست بازی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور ہر شخص کو خصوصاً قاضیوں اور حاکموں کو انصاف اور راست بازی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے:

"اے یہوداہ کے بادشاہ!تُو، تیرے حکام اور تیرے لوگ، جو ان پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہیں، تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی سے کام کرو۔"[2]

"خداوندیوں فرماتا ہے: اے اسرائیل کے امیرو! تم حد سے بڑھ گئے ہو، تم تشدّد اور ستم چھوڑ دو اور وہی کرو جو جائز اور روا ہے۔ میرے لوگوں سے ان کی جائیداد نہ چھینو۔"[3]

"اور قاضیوں سے کہا کہ جو کچھ تم کرو، احتیاط اور سوچ سمجھ کر کرنا۔ تم آدمیوں کی طرف سے نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے عدالت کرتے ہو اور جب بھی تم کوئی فتویٰ سناتے ہو، خدا تمہارے پاس ہوتا ہے، لہٰذا تمہیں خدا کا خوف رہے۔ اس لیے احتیاط سے فیصلہ سنانا، کیوں کہ خداوند ہمارے خدا کے ہاں ناانصافی یا جانب داری یا رشوت خوری نہیں ہے۔"[4]

"تم فیصلہ کرتے وقت بے انصافی مت کرنا اور نہ تو غریب کی طرف داری کرنا اور نہ بڑے آدمی کا لحاظ کرنا، بلکہ راستی سے اپنے ہم سایہ کا انصاف کرنا۔"[5]

"اور جب تو کسی مقدمہ میں گواہی دے تو محض عوام کا ساتھ دینے کی خاطر انصاف کا خون نہ کر دینا۔ اور کسی غریب کے مقدمہ میں بھی جانب داری سے کام نہ لینا۔۔۔ تو اپنے غریب لوگوں کے مقدمات میں انصاف کا خون نہ ہونے دینا۔"[6] "تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانب دار رہنا ہمیشہ انصاف پر ہی قائم رہنا، تاکہ تم جیتے جی اس ملک پر قابض ہو جاؤ جو خداوند تمہارا خدا

---

[1](خروج، 23:6)

[2](یرمیاہ، 22:2-3)

[3](حزقی ایل، 45:9)

[4](تواریخ دوم، 19:6)

[5](احبار، 19:15)

[6](خروج، 23:2-6)

تمہیں دے رہا ہے۔"[1]

عدل دنیا تھا معاشروں اور عماریاستوں کی ضرورت ہے اسی لئے اس کا ذکر ہمیں دنیا کے تقریبا ہر مذہب میں ملتا ہے اسی طرح یہودی مذہب کی تعلیمات میں بھی ملتا ہے مثلاً: بادشاہ کے عدل کے حوالے سے مذکور ہے

کہ بادشاہ عدل سے اپنی مملکت کو قیام بخشتا ہے۔[2]

متقدمات میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا اور فیصلہ امانت داری اور راستی سے کرنے کا حکم ہے۔

تو اپنے کنگال لوگوں کے مقدمے میں انصاف کا خون نہ کرنا، جھوٹے معاملے سے دور رہنا اور بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا۔ کیونکہ میں شریر کو راست نہیں ٹھہراؤں گا۔ ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے اور یہ عین عدل ہے اس کی تعلیم ہمیں یہودیت میں بھی ملتی ہے بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اس کی کے لئے ہو گی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے۔[3]

مساوات

یہودی مذہبی کتب اور تعلیمات، جیسا کہ تورات اور ربیوں کے اقوال، میں رواداری، محبت، اور انسانیت کے لیے بھلائی کی تعلیمات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، دشمن کے جانور کی مدد کرنے کا حکم یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ تعلیمات انسانی ہمدردی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہیں۔

تاہم، تاریخی حقائق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں کچھ یہودی گروہوں میں مذہبی تنگ نظری اور دوسروں کے ساتھ گھلنے ملنے سے گریز کا رویہ رہا ہے۔ اس طرح کا رویہ اکثر سماجی، سیاسی، یا ثقافتی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے، جو مذہبی اصولوں کے حقیقی مقاصد کو دھندلا کر دیتا ہے۔

ربی میئر جیسے علماء کے خیالات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہودیت کی اصل تعلیمات انسانیت کو تقسیم کرنے کے بجائے اتحاد پر زور دیتی ہیں۔ اس قسم کی تعلیمات ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ تمام مذاہب کی اصل روح انسانیت اور رواداری پر مبنی ہے، دشمن سے حسن سلوک کرنے حتی کہ اس کے جانور سے بھی بہتر طریق سے پیش آنے کا حکم ہے۔

---

[1] استثناء،16:19،20

[2] خروج:12:20

[3] حزقی ایل:20:18

اگر تیرے دشمن کا بیل یا گدھا تجھے بھٹکتا ہوا ملے تو ضرور اسے اس کے پاس پھیر کر لے آنا، اگر تو اپنے دشمن کے گدھے کو بوجھ کے نیچے دبا ہوا دیکھے اور اس کی مدد کرنے کو بھی نہ چاہتا ہو تو بھی اسے ضرور مدد دینا۔[1]

تاریخی حقائق کو جاننے کے بعد یہ صورتحال سامنے آئی ہے کہ یہودیوں کا تاریخ کے مختلف ادوار میں مذہبی تنگ نظری، عدم رواداری، دیگر مذاہب اور انسانوں، اقوام کے ساتھ گھلنے ملنے سے احتراز نظر آتا ہے ان کا طرز عمل عدم رواداری پر بنی ہے مگر اس سے متضاد ان کے رہیوں کی تعلیمات، اقوال اور ان کی کتابیں مختلف افکار دیتی نظر آتی ہیں۔ یہودیوں کے ربی میئر اپنی تعلیم میں یہ لکھتا ہے کہ۔ یہودیت کا مقصد نوع انسان کو علیحدہ کرنا نہیں بلکہ متحد کرنا ہے اور یہ ربی میئر کی زندگی کا ایک عظیم اصول تھا۔[2]

مزید بیان کرتا ہے کہ ہر آدمی انکساری حلیمی میں چلے نہ صرف اپنے مذہب کے ساتھ بلکہ ہر انسان کے ساتھ۔[3]

درج بالا اقوال ربی اس نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہودیت کا مقصد نوع انسان کو متحدہ کرنا ہے اور دوسرا اشارہ واضح طور پر مذہبی رواداری کی طرف ہے کہ دیگر مذاہب کے افراد کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آؤ جس طرح اپنے ہم مذہب کے ساتھ پیش آتے ہو۔ لیکن افسوس تالمود میں ذکر کیا ہوا یہ مقصد فقط ایک کتابی بات سے زیادہ اہمیت کا حامل نہ بن سکا۔

بائبل مقدس ہمیں امن قائم رکھنے کے لئے دی گئی ہے۔ وہ جو اپنے دوست کا دل کھاتا ہے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ دل دکھانا یا توڑنا قتل کے مترادف ہے۔ ایسے شخص کو دوست نہ بناؤ جس کا ظاہر اور باطن ایک سا نہ ہو۔ احمق ہے وہ شخص جو دوسروں کو سائے سے محروم رکھتا ہے۔ ہر اچھے کام جو ہم اس دنیا میں کرتے ہیں ان کا اجر ہمیں مستقبل کی دنیا میں ملے گا۔

ربی یعقوب کا قول ہے (بے انصاف خدا کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا)۔[4]

عہد نامہ قدیم میں حضرت ابراہیم کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے جو انسانوں کے ساتھ انصاف پسندی مہربانی اور خدمت انسانیت کی تعلیم پر مشتمل ہیں جن سے معاشرتی رواداری کے تصور کی وضاحت ہوتی ہے

تالمود میں ایک قول ابراہیم کو اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑے دینا مصیبت زدہ کے ساتھ مہربانی سے بولنا سب انسانوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا اور

---

[1] استثنا:4:22

[2] ایچ۔پولانا، (اردو ترجمہ، سٹیفن بشیر) تالمود، گوجرانوالہ، مکتبہ عناویم پاکستان، 2003، ص 141

[3] ایضاً

[4] ایچ۔پولانو، تالمود ص 183

ہمیشہ ابدی خدا کا شکر ادا کرنا۔'[1]

درج بالا اقوال یہودیوں کی مقدس کتاب تالمود کا حصہ ہیں۔

مسیحیت

احترام انسانیت

عیسائیوں کی کتاب مقدس یہ تعلیم دیتی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ محبت کرو اپنا دشمن ہو یا بھلائی کرنے والا ہو نفرت تعصب کے رویوں سے اجتناب کرو۔

حضرت مسیحؑ کا بیان ہے۔

تم اپنے باپ کے جو آسمان پر بیٹے ٹھرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر منہ برساتا ہے[2]

> ایک سوال پر یسوع نے جواب میں کہا کہ ایک آدمی یروشلم سے یریحو کی طرف جارہا تھا کہ ڈاکوئوں میں گھر گیا۔انہوں نے اس کے کپڑے اتار لئے اور مارا بھی اور ادھ مرا چھوڑ کر چلے گئے۔اتفاقاً ایک کاہن اسی راہ میں جارہا تھا اور دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔اسی طرح ایل لاوی اس جگہ آیا وہ بھی اسے دیکھ کر کترا کر چلا گیا۔لیکن ایک سامری سفر کرتے ہوئے وہاں آنکلا۔اور اسے دیکھ کر اس نے ترس کھایا اور پاس آکر اس کے زخموں کو تیل لگا کر باندھا اور اپنے جانور پر سوار کرکے سرائے میں لے گیا اور اس کی خبر گیری کی۔ دوسرے دن دو دینار نکال کر بھٹیارے کو دیئے اور کہا اس کی خبر گیری کرنا اور جو کچھ اس سے زیادہ خرچ ہو گا میں پھر آکر ادا کردوں گا۔[3]

اس حکایت سے یہ اخلاقی درس ملتا ہے کہ نسل اور مذہب کا خیال کئے بغیر ہر شخص کی بروقت ضرور مدد کرنی چاہیئے۔

حضرت مسیحؑ انسانوں سے محبت کی تلقین کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو اس امر کا پابند بناتے ہیں کہ انسانوں

---

[1] ایچ-پولانو، تالمود ص183

[2] متی ۵

[3] متی ۵: ۳۰ تا ۳۵

سے محبت کے معاملے میں دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو۔ [1]

مزید فرماتے ہیں۔

کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارے لیے کیا اجر ہے کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے ؟ [2]

مساوات

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ معاشرے کے اندر سے جب انسانیت کی روح مفقود ہو جائے فرقہ واریت، گروہیت اور تنگ نظری کا عروج ہو تو معاشرہ فکری زوال سے ہمکنار ہو کر ترقی اور عروج کی راہیں گم کر دیتا ہے گذشتہ تاریخ میں جب بھی انسانی معاشرے کی یہ حالت زار ہوئی تو خالق کائنات کی طرف سے کوئی مصلح نبی حکیم آیا اور اس نے سماجی زندگی کی اس فرسودگی کو تازہ دھارے میں تبدیل کر دیا اور ایسی تعلیمات و کردار کی تبلیغ کی تاکہ معاشرے کے اندر سے فرسودہ روایات ختم ہوں اور معاشرہ پھر سے اجتماعیت کی روح سے آشنا ہو کر ترقی کی طرف رواں دواں ہو۔ حضرت مسیح کی آمد کے وقت بھی معاشرے کی حالت نہایت دگر گوں تھی۔ رواداری، محبت اخوت کی معاشرے میں جگہ نہ تھی ظاہر پرستی عدم رواداری، بغض و عناد اور بے شعوری عام تھی نتیجہ یہ کہ معاشرہ طوائف الملوکی کا شکار ہو کر اپنے اصل مقصود سے ہٹ چکا تھا۔ لہذا ایسے عالم میں معاشرے کے اندر باشعور اور سنجیدہ طبقہ کسی ایسے مسیحا کے انتظار میں تھا جو آئے گا اور معاشرے کو پھر سے صحت مند اصولوں پر استوار کر کے اس کے اندر اجتماعیت اور اصلاح کی نئی روح پھونکے گا۔ ان باشعور اور اہل حکمت افراد میں حضرت کئی اور ان کے والد زکریا تھے جو معاشرے کے اندر عدم مساوات افراتفری اور ظالم اور مظلوم کی اس تقسیم سے دل برداشتہ تھے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ جہنم زار کی کیفیت بنا ہوا تھا۔ دونوں بزرگ دل شکستہ تھے انسانیت کی حالت زار پر پریشان اور مغموم تھے لہذا تاریخ بتاتی ہے کہ شہنشاہ ٹابپریس کے عہد حکومت میں کئی نے ایک دعوت عام کا آغاز کیا اور لوگوں کو بتایا کہ ایک ایسا مسیحا دنیا میں آنے والا ہے جو اتحاد کا داعی ہو گا اس کے نزدیک سب یکساں ہوں گے۔ مظہر الدین صدیقی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اس روحانی پیغام کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

> شہنشاہ ٹابپریس کے عہد حکومت کے پندرویں سال کئی نے اپنی رہبانیت کے دائرے سے قدم نکالا اور ایک روحانی پیغام کی اشاعت شروع کی انہوں نے لوگوں کو خبر دار کیا کہ مسیح (نجات دہندہ) کی آمد قریب ہے

---

[1] متی ۵:۴۵

[2] متی ۵:۴۷

اور آسمانی بادشاہت کا عہد شروع ہونے والا ہے لیکن اس بادشاہت میں یہودی اور غیر یہودی کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ لوگوں کو صرف ان کے اعمال کی بنا پر جانچا جائے گا جن کے اعمال اچھے ہوں گے انہیں بادشاہت میں حصہ ملے گا لیکن بدکرداروں کو اس میں سے بالکل خارج کردیا جائے گا۔[1]

گویا کئی کا یہ اعلان اس کا ثبوت ہے کہ آپ نے معاشرے میں اتحاد و یگانگت، مساوات پیدا کرنے والے اور امتیازات کو مٹا کر دنیائے انسانیت کی نجات کا راستہ بتلانے والے مسیحا حضرت عیسی کا تعارف کروایا۔ حضرت عیسی محبتوں کے امین تھے دکھوں کا مداوا تھے وہ سچے مسیحا کی حیثیت سے انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھتے تھے ان کا پیغام محبت والفت تھا وہ اصلاح نفس اور تعلق با اللہ کے ذریعے انسانوں کے دلوں کو جوڑنے والے تھے۔ نفرت عداوت، بغض، حسد اور کینہ کو انسانوں کے لئے تباہی وبربادی کا ذریعہ سمجھتے تھے کیونکہ معاشرتی ارتقاء میں انسانوں کے تزکیہ کی پہلی علامت انسانیت کی باہمی محبت اور اجتماعیت ہے اگر معاشرے میں ایسی فکر کا غلبہ نہ ہو جو رواداری کا ماحول پیدا کرے تو رفتہ رفتہ انسانوں کے دلوں اور اذہان میں عداوتوں کے خلاء پیدا ہو جاتے ہیں حضرت عیسیٰ کا کردار ایک مسیحا کا کردار تھا سو وہ انسانوں کے درمیان سے بیر ختم کر کے انہیں جوڑنا چاہتے تھے ۔اس سلسلے میں انہوں نے عوام الناس اور اپنے حواریوں سے جگہ جگہ خطاب فرمایا اور اپنی تعلیمات وعظ کی شکل میں پیش کیں۔ حضرت عیسی کا ایک دعظ جو بنیادی اہمیت کا حامل ہے اس کو پہاڑی کا وعظ کہا جاتا ہے اس میں آپ نے اعلیٰ اخلاق اور رواداری پر مبنی تعلیمات بیان کیں ہیں وہ وعظ درج ذیل ہے۔

عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری عیب جوئی نہ کی جائے کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرحتمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اس سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں۔ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھسے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑ دیں ۔مانگو تو تم کو دیا جائے گا ڈھونڈو تو پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے؟

[1] صدیقی، محمد مظہر الدین، **اسلام اور مذاہب عالم**، (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۶ء) ص: 131

بس جب کہ تم بڑے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں وینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی انکے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے'[1]

مظہر الدین صدیقی حضرت مسیح کے پیغام محبت دامن بڑے خوبصورت انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

عیسیٰ کا پیغام پیغام محبت تھا اور آپ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محبت اچھے کردار کی صرف ایک صفت نہیں بلکہ کردار کی بنیاد اور اس کا محرک اعلیٰ ہے اگر انسان کے دل میں دوسروں کے ساتھ محبت کا جذبہ نہ ہو تو اس کی ساری مذہبیت بے کار ہے آپ جہاں کہیں جاتے آپ کی حب انسانیت مذہبی اور معاشرتی پابندیوں کو ٹکرا کر توڑ دیتی۔[2]

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں جو بنیادی طور پر اخوت اور مساوات کا رنگ تھا اس پر اظہار خیال کرتے

عدل و انصاف

عدل و انصاف کا قیام کسی بھی معاشرہ و سوسائٹی اور فرد و جماعت میں بد امنی کے سد باب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے حضرت عیسیٰ کا ارشاد ہے "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں، انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے "[3]

انسانی زندگی کے تقدس کی پامالی اور معصوم انسانوں کا قتل ناحق بہت ہی سنگین جرم ہے اس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد و بد امنی کا ظہور ہوتا ہے، قتل ناحق پر ضرب لگاتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کریگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا "[4]

شریعتِ موسوی میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رشوت ستانی، اقربا پروری اور جانب داری برتنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے:

"تمہیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا چاہئے۔"[5]

---

[1] بائبل (پرانا اور نیا عہد نامہ)، لاہور، بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۱ء، یرمیاہ ۵، آیت ۳

[2] صدیقی، مظہر الدین، **مذاہب عالم**، (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۶ء،) ص ۱۵۰

[3] متیٰ: ۵: ۱ تا ۱۰

[4] متیٰ: ۵: ۲۱

[5] خروج، 23:6

امن وامان کے لیے انصاف اور راست بازی کس قدر ضروری ہے، اس سے کوئی بھی ذی شعور انسان لاعلم نہیں۔ جس معاشرے سے انصاف اور راست بازی کنارہ کر جائے، اس میں دنگا وفساد، قتل وغارت اور دہشت گردی جیسی لعنتیں اپنے جھنڈ یگاڑ لیتی ہیں۔ تمام الہامی مذاہب انصاف اور راست بازی کا درس دیتے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم میں بھی انصاف اور راست بازی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور ہر شخص کو خصوصاً قاضیوں اور حاکموں کو انصاف اور راست بازی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے:

''اے یہوداہ کے بادشاہ! تُو، تیرے حکام اور تیرے لوگ، جو ان پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہیں، تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی سے کام کرو۔''[1]

''خداوند یوں فرماتا ہے: اے اسرائیل کے امیرو! تم حد سے بڑھ گئے ہو، تم تشدّد اور ستم چھوڑ دو اور وہی کرو جو جائز اور روا ہے۔ میرے لوگوں سے ان کی جائیداد نہ چھینو۔''[2]

''اور قاضیوں سے کہا کہ جو کچھ تم کرو، احتیاط اور سوچ سمجھ کر کرنا۔ تم آدمیوں کی طرف سے نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے عدالت کرتے ہو اور جب بھی تم کوئی فتویٰ سناتے ہو، خدا تمہارے پاس ہوتا ہے، لہٰذا تمھیں خدا کا خوف رہے۔ اس لیے احتیاط سے فیصلہ سنانا، کیوں کہ خداوند ہمارے خدا کے ہاں ناانصافی یا جانب داری یا رشوت خوری نہیں ہے۔''[3]

''تم فیصلہ کرتے وقت بے انصافی مت کرنا اور نہ تو غریب کی طرف داری کرنا اور نہ بڑے آدمی کا لحاظ کرنا، بلکہ راستی سے اپنے ہم سایہ کا انصاف کرنا۔''[4]

''اور جب تو کسی مقدمہ میں گواہی دے تو محض عوام کا ساتھ دینے کی خاطر انصاف کا خون نہ کر دینا۔ اور کسی غریب کے مقدمہ میں بھی جانب داری سے کام نہ لینا۔۔۔ تو اپنے غریب لوگوں کے مقدمات میں انصاف کا خون نہ ہونے دینا۔''[5] ''تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانب دار رہنا۔۔۔ ہمیشہ انصاف پر ہی قائم رہنا، تاکہ تم جیتے جی اس ملک پر قابض ہو جاؤ جو خداوند تمہارا خدا تمھیں دے رہا ہے۔''[6]

---

[1] (یرمیاہ، 22:2۔3)

[2] (حزقی ایل، 45:9)

[3] (تواریخ دوم، 19:6)

[4] (احبار، 19:15)

[5] (خروج، 23:2۔6)

[6] (استثناء، 16:19،20)

بلکہ بائبل میں دوست تو دوست، دشمن کی تکلیف پر بھی خوشی کا اظہار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے: "جب تیرا دشمن گر جائے تو خوشی نہ منانا اور جب وہ ٹھوکر کھائے تو تیرا دل شادمان نہ ہو، ممکن ہے کہ خداوند تیرے رویے کو ناپسند فرمائے اور اپنا غضب اس پر سے ہٹا لے۔ [1]

یہی بیان امن و سلامتی بائبل میں بھی موجود ہے: "آؤ ہم ان باتوں کی جستجو میں رہیں جو امن اور باہمی ترقی کا باعث ہوتی ہیں"۔ [2] اور دوسری طرف جو لوگ معاشرتی سکون اور اطمینان چھیننا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے سخت سزائیں ہیں:

اسی بات کا درس بائبل کچھ یوں لکھتی ہے: "غرض تم سب ایک ہو کر رہو، ہمدردی سے کام لو اور برادرانہ محبت سے پیش آؤ، نرم دل اور فروتن بنو، بدی کے بدلے بدی نہ کرو۔ اور گالی کا جواب گالی سے نہ دو بلکہ اس کے برعکس چاہیے [3]

یہ اقتباس بائبل کی تعلیمات کے اس پہلو کو اجاگر کرتا ہے جو اخلاقیات، محبت، اور انسانی ہمدردی پر مبنی ہے۔ بائبل نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کے لیے بھی خیر خواہی کا درس دیتی ہے۔

یہ تعلیمات تمام مذاہب کے مابین موجود اس مشترک اصول کو اجاگر کرتی ہیں کہ انسانیت کے لیے محبت، ہمدردی، اور رواداری کا رویہ اختیار کیا جائے، اور بدی یا شر کے رویے سے دور رہا جائے۔ ان اصولوں کو اپنانا آج کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ایک مثالی راہ فراہم کرتا ہے۔

بائبل میں یہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ نہ صرف دوستوں کے ساتھ بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی خیر خواہی اور انصاف کا رویہ اپنانا چاہیے۔ یہ تعلیمات انسان کو بلند اخلاقی اقدار کے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتی ہیں، جہاں بغض و عناد کی بجائے محبت اور صلح کا ماحول پیدا ہو۔

مزید بر آں، یہ اصول تمام مذاہب کی مشترکہ بنیاد کو بھی نمایاں کرتے ہیں، جن میں انسانیت کے لیے ہمدردی، رواداری، اور باہمی احترام کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان تعلیمات کو عملی زندگی میں اپنانا، چاہے کسی بھی مذہب سے تعلق ہو، آج کے معاشرتی چیلنجز جیسے نفرت، تعصب، اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے ایک مثالی اور قابل عمل راستہ فراہم کرتا ہے۔

یہی رویہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے جہاں تمام افراد امن اور بھائی چارے کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

---

[1] امثال 24:17-18

[2] رومیوں 14:19-21

[3] 1 پطرس 3:8-10

ہندو مت

شرف انسانیت

امن، چین، آرام و اطمینان کے لئے اچھا اخلاق بہت اہمیت کا حامل ہے، اچھے اخلاق کیلئے از حد ضروری اور اہم کام ایمانداری ہے، ایمانداری ایک ایسی بلند پایاں صفت ہے جس کا شمار اخلاقیات میں سب سے اوپر ہوتا ہے، ایمانداری کی وجہ سے معاشرہ میں امن و سکون پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کے بالمقابل بے ایمانی کی وجہ سے معاشرہ میں بے چینی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

میں ہر بشر سے محبت کروں خواہ وہ شریف ہو یا رذیل"[1]

اس شلوک سے ایک دوسرے سے باہمی تعلقات پیار و محبت اور لگاؤ وبھائی چارگی امن و سکون کی تعلیم ملتی ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ شریف ہو یا رذیل، اچھا ہو یا برا، اپنا ہو یا پرایا۔

"مجھے برے فعل سے بچا میں ایماندار رہوں" [2]

انسانی زندگی میں بھائی بہن کے رشتہ کو پاکیزہ مانا جاتا ہے، اگر بھائی بہن میں خوشگوار تعلقات ہوں گے تو معاشرہ کو فروغ ملے گا، معاشرہ فروغ پائیگا تو انسان کو امن و سکون نصیب ہو گا اسی وجہ سے اتھر وید میں بھائی بہن کے درمیان مہربانی اور نیک نیتی پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے

"بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے بہن بہن پر نامہربان نہ ہو نیک نیتی کے ساتھ دوسرے سے گفتگو کریں" [3]

"ہماری عقل کو نیکی کے راستے پر لگاؤ" [4]

معاشرہ میں اچھے برے، صحیح غلط اور دوست و دشمن ہر طرح کے افراد موجود ہوتے ہیں، ایک جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"لوگوں کی بے ہودہ باتوں کو برداشت کرے اور کسی کے ایمان کی توہین نہ کرے اور نہ کسی سے دشمنی کرے"[5]

سب کو ساتھ چلنا ہے باہم گفتگو کرنا ہے تاکہ انفرادی ترقی کے ساتھ اجتماعی ترقی ہو ویدک دھرم میں لوگوں کے ساتھ عزت و احترام محبت و ہمدردی امن و سکون اور ایثار و قربانی کی تلقین کی گئی ہے، منوسمرتی کی تعلیم ہے:

---

[1] اتھر وید، کانڈ ۱۹، ادھیائے ٦، سوکت ٦٢، منتر ا

[2] یجر وید، ادھیائے ۴، شلوک ۲۸

[3] اتھر وید، کانڈ ۳، سوکت ۳۰، ادھیائے ٦، منتر ۳

[4] یجر وید، ادھیائے ۳، شلوک ۳۵

[5] منوسمرتی، ادھیائے ٦، شلوک ۴۷

"اپکار اور دھرم کا جاننے والا مستقبل کا کام شروع کرنے والا اچھی عادت والا محبت سے بھرا ہوا جو دوست ہے وہ نہایت اچھا ہے"[1]

یہ اقتباس معاشرتی ہم آہنگی، رواداری، اور اخلاقی رویے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، جس میں ہر فرد کو ایک جیسے احترام اور محبت کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ انسانوں کے مابین اختلافات کے باوجود، یہ تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ سب کے ساتھ سکون اور صبر سے پیش آنا چاہیے، چاہے وہ اپنے قریبی ہوں یا دشمن۔

یہ تعلیمات انفرادی اور اجتماعی ترقی کے مابین ایک توازن قائم کرتی ہیں، جہاں ہر شخص اپنی شخصیت کو نکھارتے ہوئے دوسروں کی بھلائی کے لیے بھی کام کرتا ہے۔ اس طرح کا طرز عمل نہ صرف معاشرتی سکون بلکہ ایک مثبت اور ترقی پسند ماحول پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

یہ اصول آج کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ایک مثالی راہ فراہم کرتے ہیں، جہاں تحمل، محبت، اور مساوات کے رویے کو فروغ دے کر انسانی تعلقات کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔

سکون و آرام سے پیش آنے کی تعلیم دی گئی ہے چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے دوست ہوں یا دشمن، ایک انسان کا رویہ سب کے ساتھ یکساں ہونا چاہیئے

بدھ مت

تکریم جان

بدھ مت اہنسا کی علمبردار ہے۔ اہنسا کے لفظی معنی ہیں بچاؤ، عدم تشدد اور سلامتی یعنی بنا تشدد کے رہنا کے۔ اہنساء سنسکرت کا لفظ ہے اور یہ جین مت، ہندومت اور بدھ مت کی ایک خاص اصطلاح ہے جو عدم تشدد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں تشدد نہ کرنے کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنا کا فروغ دینے والے دعوی کرتے ہیں کہ اگر زور آوری سے کہیں فتح ہو بھی جائے تو بھی طبعیت میں بے چینی رہتی ہی ہے۔ اس کی قدیم بھارت میں روشن مثال حکمران اشوک کی دی جاتی ہے۔ اس نے خونریزی سے بھارت پر اپنی جیت کا پرچم پھیلایا لیکن آخر اسے سکھ حاصل نہیں ہوا۔ اس کے نتیجے میں اس نے اہنسا کا مبلغ بننا منظور کر کے بدھ مت کو اپنایا۔ تب اسے وہ سکھ حاصل ہوا۔ بدھ مذہب ضرور تکلیف دینے کے خلاف تھا لیکن اسکو زیادہ عرصہ ہندوستان میں قائم نہیں رہنے دیا گیا۔ اور وہ برہمن تہذیب میں مروج ہو کر رہ گیا اور اس کے انعام میں گوتم بدھ کو ایک اوتار مان لیا گیا۔ لیکن اشوک نے جو جنگ لڑی اس میں اس وقت تک سب سے زیادہ لوگ مارے گئے تھے۔ بدھ

[1] منوسمرتی ادھیائے ۷، شلوک ۲۰۹

مت کی تعلیمات میں انسانی جان کی حرمت اور تقدس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مہاتما بدھ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی جاندار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ چنانچہ ایذاء رسانی سے اجتناب کی بدولت گوشت خوری کم ہوئی اور برہمنوں کی بنائی ہوئی قربانیاں موقوف ہوئیں۔ بدھ ازم کے مشہور محقق دھرمانند کوسمبھی اپنی کتاب "بھگوان بدھ" میں لکھتے ہیں کہ "بھگوان بدھ شراوستی میں رہتے تھے۔ اس وقت وہاں کے راجہ کا مہا یگیہ شروع ہوا اور اس میں ڈھائی ہزار جاندار قربانی کے لئے کھمبوں سے بندھے تھے یہ سب دیکھ کر بھکشوؤں نے بھگوان بدھ کو اس سے آگاہ کیا اس پر گوتم بدھ بولے، ان یگیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ گائیں اور مینڈھے جیسے مختلف جاندار جس یگیہ میں مارے جاتے ہیں اس میں مہارشی شریک نہیں ہوتے،[1]

مساوات

گوتم بدھ نے سب انسانوں کو برابری کا درجہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مت میں نچلی ذات کے انسان بھی سادھوؤں کی فہرست میں شامل ہوئے۔ اس نے ذات پات کی تقسیم کی بجائے انسانی زندگی کو اہمیت دی۔ بدھ مت میں انسان اور انسانی زندگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے مطابق تمام حیوانات میں صرف انسان ہی مقدس نورانیت حاصل کر کے "بدھا" بن سکتا ہے کوئی اور جاندار نہیں البتہ بودھستوا (بدھا سے نچا درجہ) ہر کوئی جاندار ہو سکتا ہے۔

بدھ مت میں انسانی زندگی کی اہمیت اس لئے ہے کہ وہ شعور رکھتا ہے اور اس زندگی میں دھرم کو آسانی سے سن، سمجھ اور اختیار کر سکتا ہے جو دوسرے جانداروں کے لئے ممکن نہیں۔ گوتم بدھ نے ہشت پہلو راستے کو انسانی جان کی حرمت کے لئے ضروری خیال کیا۔ ہشت پہلو راستہ کا ہر شق انسانیت کا درس دیتی ہے اور اس پر عمل کر کے باہمی دوستی اور رفاقت کی بنیاد پر ایک پر امن معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ صحیح عمل کی جو بھی شقیں ہیں ان سب کا تعلق انسانی جان کی حرمت اور تقدس سے ہے۔ یعنی کسی کو قتل نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جنسی بے راہ روی سے بچنا، جھوٹ نہ بولنا اور نشہ آور چیزوں سے اجتناب کرنا۔ اگر ان ہدایات پر صدق دل سے عمل کیا جائے تو معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے اور انسانیت کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس صحیح کوشش سے برے خیالات کو قابو میں کیا جا سکتا ہے اور صحیح مراقبہ کے ذریعے اس کو دوام بخشا جا سکتا ہے۔ اس طرح جب خیالات عمدہ ہونگے تو رذائل اخلاق، غصہ، تشدد، ایذورسانی اور حرص و طمع کی بجائے انسان میں ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہونگے اور اس طرح امن و امان کی فضا قائم ہو گی۔ اگر قول صحیح ہے تو جو برائیاں، یعنی، جھوٹ، غیبت، تلخ کلامی وغیرہ، جو لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہیں، ان سے نجات مل جاتی ہے اور ہر طرح کی برائی کو جڑ سے ختم کی جا سکتا ہے
گامزن ہو جاتی ہے۔ چونکہ ہشت پہلو راستے کے تمام شقوں کا انسانی جان کی حرمت سے براوراست تعلق بنتا ہے اس

---

[1] کوسمبی، **بھگوان بدھ**، دھرمانند کوسمبی، مترجم، پرکاش پنڈت، ساہتیہ اکادیمی نئی دہلی، جون 1960ء، ص 313-314

لئے اگر ان پر عمل کیا جائے تو انسانی زندگی کو تشدد سے بچایا جاسکتا ہے۔

بدھ مت عدم تشدد کا حامی مذہب ہے اور اس میں جنگ کا کوئی واضح تصور موجود نہیں کیونکہ بدھ مت ہر حال میں پر امن رہنے کا درس دیتا ہے۔

بقول مولانا مودودی، "بدھ مذہب جو اہنسا کا قائل ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں وہ دنیا اور اس کے معاملات کی ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے اور اس کے باوجود جنگ اور اور خون ریزی کو غیر ضروری سمجھتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کو جنگ و پیکار سے بھی اجتناب ہے "[1]

بدھ مت کے ماننے والے اکثر لوگ جنگ کے اس لئے خلاف ہیں کہ یہ ان کے پہلے اصول "کسی جاندار کو قتل نہ کرو" کو توڑتا ہے یہ اہنسا کے اصول کے بھی خلاف ہے جو بدھ مت کے پیروکاروں کو عدم تشدد کا درس دیتا ہے اور تمام جانداروں کے ساتھ امن اور اچھے برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جنگ کا سبب بننے والی چیزوں میں لالچ اور نفرت دو ایسی راذائل اخلاق ہیں کی موجودگی میں نروان کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ بدھ مت چونکہ محبت اور امن کا علمبردار ہے اس لئے جنگ کی بات نہیں کرتا ہے۔ گوتم بدھ کے اقوال بھی اس بات پر دال ہیں کہ وہ بھی جنگ کے مخالف تھے جیسا کہ دھماپد میں ہے کہ

All living things fear being put to death. Putting oneself in the place of other let no" one kill nor cause another to kill.[2]

بدھ مت کی تعلیمات میں جنگ کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ یہ عدم تشدد اور امن کے اصولوں کے منافی ہے۔ گوتم بدھ کے اقوال اور تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگ اور تشدد کے سخت مخالف تھے اور محبت، شفقت، اور امن کی تعلیم دیتے تھے۔ بدھ مت کے پیروکار ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں امن اور ہم آہنگی کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

سکھ مت

گرونانک دیوجی نے اپنی تعلیمات میں اس بات پر زور دیا کہ تمام انسان برابر ہیں اور کسی بھی قسم کی تفریق، چاہے وہ ذات پات کی بنیاد پر ہو یا پیدائش کی، قابل قبول نہیں ہے۔ انہوں نے ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کیا جہاں ہر فرد کو برابر حقوق حاصل ہوں اور سب کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے۔ ان کی تعلیمات آج بھی سکھ مت کے پیروکاروں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں اور انسانیت کی یکجہتی اور مساوات کے اصولوں کو فروغ دیتی ہیں۔

---

[1] مودودی، سید ابو الاعلی، "**الجہاد فی الاسلام**" (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1984) ص 391

[2] The Dhammapada, translated by Allan R Bomhard, Florence Buddhist Fellowship Florence SC USA(2022) v-129

نوع انسانی کی تکریم

سکھ مت کی اخلاقی تعلیمات میں بنی نوع انسان کی یکجہتی کا تصور کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مذہب انسانوں کے مابین ذاتوں اور پیدائش کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کرتا۔ بحیثیت انسان سب برابر ہیں اور تمام لوگوں کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے۔ گرو کی محبت کی وجہ سے نیک اعمال میں کمال حاصل کیا جاسکتا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں بابانانک اپنے متبعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سبھ کو اوچا آکھیئے نیچ نہ دیسے کوئی

اک نہ بھانڈے ساجیے اک چانن تیہہ لوئے

کرم ملے سچ پایئے دھر بخش نہ میٹے کوئی

سادھ ملے سادھو جنے سنتو کھ وسے گر بھائے۔[1]

ترجمہ: سبھی کو سرفراز ماناچاہیے مجھے تو کوئی بینچ نظر نہیں آتا۔ واحد خدا نے تمام اجسام تخلیق کیے ہیں۔ تمام دنیا میں صرف ایک ہی نور پھیلا ہوا ہے۔ یہ صداقت اس کی رحمت سے ملتی ہے۔ اس کے کرم کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ جب ایک نیک انسان دوسرے نیک انسان سے ملتا ہے تو وہ گرو کی محبت کے ذریعے مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

عدل وانصاف

سکھ مت میں آزادی کے ساتھ تمام لوگوں کو یکساں مواقع فراہم کرنے کا نام نیاؤں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور کسی کا استحصال نہ ہو۔ سکھ مذہب میں انصاف کو مختلف زاویوں سے بیان کیا جاتا ہے اور یہ اپنے ذاتی اثرات اور معاشرتی تعلقات کے لحاظ سے ایک اہم خوبی سمجھی جاتی ہے۔

گلا اپر تپاوس نہ ہوئی اس کھادھی تتکال مرجائے

بھائی دیکھو نیاؤں سچ کرتے کا جیہا کوئی کرے تیہا کوئی پائے[2]

انصاف کا دارومدار محض الفاظ پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی زہر کھاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔ اے لوگو جو مقدر کو مانتے ہو سچے خالق کا انصاف ملاحظہ کرو۔ جس طرح لوگوں کے اعمال ہوں گے اس کے مطابق بدلہ پائیں گے۔"

نیاؤں کی خوبی کا ایک پہلو یہ ہے کہ سکھ دھرم ذات پات کے نظام کو مسترد کرتے ہوئے مساوات کو یقینی بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ سکھ گروؤں نے اس بات کو پہچان لیا تھا کہ معاشرتی مساوات کے بغیر انصاف بے معنی ہے۔ انصاف کی دوسری خوبی دوسروں

---

[1] Guru Granth Sahib, Raga Sarang Mahala, 162.
[2] Ibid, Var Gauri Mahala 4, 308.

کے حقوق کا احترام کرتا اور دوسروں کا استحصال نہ کرنے پر مشتمل ہے۔ سکھ دھرم کے مطابق دشمن کے بچوں اور عورتوں کی عزت کی حفاظت کے لئے سخت ہدایات جاری کیں۔

صرف محبت ہی خدا کے گھر میں داخل ہونے کی رہنمائی کرسکتی ہے۔ ڈاکٹر سکھبیر سنگھ اپنی تصنیف میں رقمطراز ہیں:

The Sikh Gurus spoke strongly against the exploitation of one by the other. They forbade Sikhs to plunder even enemy's property."[1]

سکھ گروؤں نے کسی بھی شخص کے ساتھ زیادتی کی صورت میں سخت زبان میں بات کی۔ انھوں نے سکھوں کو کسی شخص کی جائیداد غبن کرنے سے منع کیا، چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔"

عدل و انصاف پر ہی پوری دنیا کا انتظام موقوف ہے۔ اگر عدل و انصاف ختم ہو جائے تو ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ ہو اور نظام و نیا در ہم بر ہم ہو جائے۔ اللہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ سکھ مذہب بھی نیاؤں (عدل و انصاف) کی اہمیت کا قائل ہے۔ گرنتھ صاحب کی تعلیمات کے مطابق دنیا میں کسی بھی انسان کا استحصال نہیں ہونا چاہیے اور بنی نوع انسان کو مساوات کی بنیاد پر حقوق میسر ہوں۔ سب سے بڑا منصف خالق کائنات ہے جو لوگوں کے درمیان ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

مساوات

بانی سکھ مت بھی ذات پات کے اس متعصبانہ نظام کے حامی نہ تھے۔ انھوں نے اپنی تعلیمات میں اس نظام کی نفی کی ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں وہ ذات پات کا رد کرتے ہوئے عزت کا معیار خدا کے ہاں مقبول اعمال کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اگے ذات نہ زور ہے آگے جیونوے
جن کی لیکھے پت پوے چنگے سیئی کیے[2]

"خدا کے ہاں ذات پات اور ورن کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ وہاں تو وہی معزز ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں گے۔"

ذات و نسل پر غرور و تکبر متعدد معاشرتی بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ ذات پر گھمنڈ کرنا نادانوں کا شیوہ ہے کیونکہ حقیقی عزت والا وہ ہے جو خدا کی معرفت حاصل کرلیتا ہے۔ تیسرے گرو امر داس گرنتھ صاحب میں نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذات کا گرب نہ کریو کوئی برہم بندے سو براہمن ہوئی
کر اس گھمنڈ کے نتیجے میں بہت خرابی ہو گی[3]

---

[1] Sukhbir Singh Kapoor Dr., The Sikh Religion and the Sikh People (Delhi: Hemkunt Publishers, 2011), 163
[2] Ibid, Var Asa Shalook Mahala 1, 469.
[3], Var Asa Shalook Mahala 1, 469.

کوئی شخص اپنی ذات کا گھمنڈ نہ کرے۔ جو خدا کی شناخت حاصل کرلے وہی معزز ہے۔ اے بیوقوف تو اپنی ذات کا تکبر نہ
گرونانک اور دیگر گرو صاحبان ذات پات کے متعصبانہ نظام کے خلاف تھے۔ انہوں نے عزت و عظمت کا معیار ذات پات کو بلکہ نیک اعمال کو قرار دیا ہے۔ ذات و نسل پر تکبر تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ گرنتھ صاحب کی تعلیمات کے مطابق جو شخص خدا کی معرفت حاصل کرلیتا ہے وہی قابل احترام ہے اور نادان لوگ صرف اپنی ذات و نسل پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

عقیدے کے مطابق مذہبی آزادی:

گرونانک جی کے تمام کارنامے قابل دید ہیں، انہوں نے یہ کارنامے اس لئے انجام دیے تاکہ لوگوں کو جہاں اصلیت سے روشناس کرایا جائے، وہاں ان کو یہ بھی ذہن نشین کرایا جائے کہ کوئی کسی کی عبادت کے ڈھنگ کو اگر اپناتا نہیں، یا کسی کے مذہبی عقیدہ کا قائل نہیں تو اس سے نفرت نہ کی جائے۔ اس پر زبردستی اپنا نظریہ ٹھونسا نہ جائے، اور امن و امان درہم برہم ہو کر نہ رہ جائے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدہ سے مذہبی فرائض انجام لانے کی مکمل آزادی حاصل ہو، مذہب میں زور اور زبردستی کو دخل نہ ہو۔ [1]

باباصاحب نے کسی بھی مذہب کے پرستاروں کو یہ مشورہ کبھی نہیں دیا کہ وہ اپنے اصول دوسرے کسی مذہب کے بنیادی اصولوں میں مدغم کردیں، اور نہ ہی انہوں نے مختلف مذاہب کا مرکب تیار کیا۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے اپنے عقیدوں پر پابند رہنے کا مشورہ دیا اور تلقین کی کہ ایسی زندگی گزاریں جس سے امن و محبت اور انسان دوستی قائم کی جاسکے۔

دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں پرامن بقائے باہمی کے اصول موجود ہیں جو انسانوں کو آپس میں محبت، احترام، اور تعاون کی بنیاد پر زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان تعلیمات کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں دنیا کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہیں۔ مذہب انسانوں کو سکھاتا ہے کہ اختلافات کے باوجود ہم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، تاکہ ایک پرامن اور خوشحال دنیا کا قیام ممکن ہوسکے۔

دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں پرامن بقائے باہمی کے اصول موجود ہیں جو انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ احترام، محبت، اور تعاون کی بنیاد پر زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان اصولوں کا مقصد انسانیت کے درمیان امن، ہم آہنگی، اور خوشحالی کو فروغ دینا ہے، تاکہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہوسکے جہاں تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ میل جول اور باہمی عزت کے ساتھ رہیں۔

---

[1] کوئل، باباگرونانک دیوجی اور ان کی مقدس تعلیمات، ص:41

دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں پر امن بقائے باہمی کے اصول موجود ہیں جو انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت، احترام، اور تعاون کی بنیاد پر زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ تعلیمات ایک ایسے معاشرے کے قیام کا مقصد رکھتی ہیں جہاں تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہیں۔

مذہب انسانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اختلافات کے باوجود ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ عزت اور احترام کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے تاکہ دنیا میں امن، محبت، اور سکون قائم ہو سکے۔ ان تعلیمات کی بنیاد پر اگر ہم زندگی گزاریں تو ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جہاں ہر فرد کو آزادی، حقوق، اور عزت ملے، اور جہاں ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ پر امن طور پر رہ سکیں۔

یہ اصول نہ صرف انفرادی سطح پر سکون اور خوشی کی ضمانت فراہم کرتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک پر امن اور خوشحال دنیا کی تشکیل کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ اس طرح ہم سب مل کر ایک بہتر اور ہم آہنگ دنیا کی تخلیق کر سکتے ہیں جہاں ہر انسان کو امن اور محبت کی فضاء میں رہنے کا موقع ملے۔

باب سوم: بین المذاہب تعلقات مذہبی تعلیمات اور عصری مسائل

فصل اول: بین المذاہب تعلقات اور مذہبی تعلیمات

فصل دوم: بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات اور تدارک

بین المذاہب تعلقات مذہبی تعلیمات اور عصری مسائل

انسان مدنی الطبع ہے وہ دوسرے انسانوں سے کٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسانی اجتماع کے بغیر وہ تمدنی زندگی کو ارتقاء سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔ لہذا معاشرت پسندی، اجتماع انسان کی ضرورت ہے۔ تو ایسے میں انسانوں کو معاشرتی زندگی میں رواداری اختیار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معاشرہ گوناں گوں نظریات اور مختلف استعداد کے حامل افراد سے تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ اور ہر انسان مختلف فہم و فکر و تدبیر اور صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ ایک انسان اگر فکر کرتا ہے، غور و تدبر کرتا ہے اسکے ان افکار یا اس کے حق، تفکر، تدبر اور اظہار کو سلب کرنے کی کوئی فرد کوشش کرتا ہے۔ تو یہ اس فرد کے پیدائشی اور فطری حق کو ضائع کرنے کی کوشش ہے۔ ایسے میں صرف یہ نہیں کہ جو حق اپنے لئے ثابت کر رہے ہیں وہ دوسرے کو نہیں دے رہے۔ بلکہ اس کے پیدائشی حق کے ساتھ ساتھ یہ ایک سماجی جرم بھی ہے۔

دور حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی، قربت اور آپس میں افہام و تفہیم کا ماحول پیدا کیے جانے کی ضرورت ہے۔ غلو اور شدت پسندی کو چھوڑ کر میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔ احترام انسانیت کی سوچ اور تعلیمات کو فروغ دیا جائے جو کہ سب کے درمیان یکساں ہیں۔ ہم آہنگی سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ دوسرے مذاہب کے غلط عقائد و امور کو درست مان لیا جائے بلکہ رواداری کے اس پہلو کو معاشرے میں عام کیا جائے کہ جو معاملات یا عقائد، کسی ایک مذہب کے نقطہ نگاہ سے درست نہیں ہیں، ان کا احترام کرتے ہوئے انکو برداشت کیا جائے۔

تمام مذاہب محبت، اخوت، اتحاد و اتفاق، رواداری، میانہ روی، ایثار و قربانی اور زندگی گزارنے کے اعلیٰ اخلاقی، مذہبی اور معاشی معیارات اختیار کرنے کی تلقین و تاکید کرتے ہیں۔ اسلام کا خدائی سرچشمہ قرآن مجید ہے

دنیا کا کوئی مذہب تشدد، جان و مال کے عدم تحفظ کا درس نہیں دیتا کیونکہ تمام مذاہب نے امن، سلامتی، برداشت، پیار، صبر، رحم، انصاف، اعتدال، انسانیت کے تحفظ، بقائے باہمی اور انسانی وقار کا درس دیا ہے۔ مذہب اور انتہا پسندی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے جبکہ دوسری طرف مذہب، تعلیم اور امن کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

فصل اول: بین المذاہب تعلقات اور مذہبی تعلیمات

دنیا میں موجود تمام بڑے مذاہب کا معروضی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انسانیت کو باہم جوڑنے کی بنیادی قدریں مشترک ہی نہیں بلکہ ان کا حکم بھی ایک جیسا ہی ہے۔ سچائی، عدل و انصاف، وفاشعاری، ایفائے عہد، فرض شناسی، احساس ذمہ داری، نظم و ضبط، امداد باہمی، اخوت و بھائی چارہ اور اتفاق واتحاد جیسے اوصاف بین المذاہب انفرادی و اجتماعی تعلقات استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ شیخ احمد دیدات (2005-1918ء) کے تصورات کے مطابق سچائی، پاس عہدی، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفا کو سب معاشروں نے سراہاہے اور اس کے برعکس تمام معاشروں نے بدعہدی، ظلم، بخل، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھاہے، یعنی یہ اقدار انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں۔[1]

سامی ادیان میں سے ہر ایک مذہب میں دیگر مذاہب کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر تعلقات قائم کرنے اور معاملات طے کرنے کے سلسلے میں آداب و شرائط موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ہر مذہب کے پیروکار پر ان تمام اصول و حکم کی پاسداری کرنالازم ہے جو دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات رکھنے کے لیے انتہائی ناگزیر ہیں۔

معاشرے میں باہم اتفاق و اتحاد سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ تمام افراد اپنی انفرادی رائے، اعتقادات اور تصور حیات سے دستبردار ہو جائیں، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعتقادات پر قائم رہتے ہوئے ان پر عمل کرے، دوسروں کی رائے اور دلیل کا احترام کرے، وسعت قلبی اور رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے تعصب سے پرہیز کرے کیونکہ تعصب تنازعہ و تصادم کو جنم دیتا ہے۔

اگر ہم مذہب اسلام کی روشن تعلیمات کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اسلامی تعلیمات نے انسانوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے کس قدر انسانیت کو ابھارا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانی سماج کو جوڑنے کے لئے جو جتن کئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ دنیا کی تاریخ اتنی شاندار نظیر پیش کرنے سے ابھی تک قاصر ہے؛ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے سب سے پہلے انسانی حقوق کے تحفظ اور سماج کو یکجا رہنے کے لئے اور سماج میں امن وامان برقرار رکھنے کے لئے حلف الفضول جیسا معاہدہ مرتب کیا۔ تصور کیجئے، یہ دستاویز اس وقت وجود میں آئی جب مکہ کے ظالم و جابر افراد انسانوں کو اپنی بے جاخواہشات کا شکار بنانے کے لئے ہر ممکن سعی کررہے تھے۔ انسانی حقوق کو بڑی تیزی سے غصب کرنے کا سلسلہ جاری وساری تھا۔

---

[1] احمد دیدات، شیخ۔ **یہودیت، عیسائیت اور اسلام**- مترجم: مصباح اکرم۔ لاہور: عبد اللہ اکیڈمی 2010، ص:362

اسلام میں بین المذاہب تعلقات

دین اسلام جملہ انسانوں کے درمیان ادیان و مذاہب کے اختلاف کے باوجود انسانیت، اخوت، باہمی ہمدردی، عدل و مساوات اور امن و سلامتی کی بنیادوں پر ربط و تعلق کو پسند کرتا ہے، اور معاشرتی روابط کے متعدد پہلوؤں کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں عمومی حکمت عملی یہ ہے کہ غیر مسلموں کو مکمل حقوق کی ضمانت دی جائے اور اسی وجہ سے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو قرآنی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کے مطابق مکمل شہری حقوق دیئے جائیں۔ اسلام میں غیر مسلموں کے ایسے بنیادی حقوق موجود ہیں جو آج انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون میں بھی درج کیے گئے ہیں

قرآن مجید کی روشنی میں غیر مسلموں سے تعلقات:

اسلام میں باہمی تعلقات کی بنیاد وحدت واخوت اور انسان دوستی کو قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا گیا ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾"[1]

(لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔)

دوسری جگہ ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾"[2]

(لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقینا اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔)

قرآن مجید میں دیگر مذاہب سے سماجی تعلق کو فروغ دینے کے بارے میں حکم ہے:

---

[1] النساء:1

[2] الحجرات:13

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ "[1]

اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

اسلام ایک عالمی دین ہے یہ تمام انسانوں کو دنیاو آخرت کی کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا خطاب کسی خاص قوم، گروہ یا طبقے کے لیے نہیں بلکہ انسانوں کے تمام طبقات سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

﴿قُلْ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً نِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ والأرض﴾ [2]

ترجمہ:(اے محمد) کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں جو آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے۔

جس دین کا خطاب انسانیت کے تمام طبقات سے ہو جس کا نعرہ پورے عالم کی فلاح و نجات ہو وہ کسی طبقہ سے نفرت اور عداوت کا سبق کیوں کر دے سکتا ہے۔

قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے اللہ کا آخری پیغام ہے۔ یہ احترام انسانیت اور احترام مذہب کا درس دیتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ "[3]

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے"۔

قرآن مجید میں دوسرے مذاہب کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت ہے۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ .[4]

جو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں گالی مت دو۔

قرآن مجید میں غیر مسلموں کے ساتھ عفو و درگزر، رواداری اور خیر خواہی پر مبنی رویے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾"[5]

معافی کی روش اپنایئے اور معروف کی تلقین کیجئے۔

---

[1] الممتحنہ:8

[2] الاعراف:۱۵۸

[3] الاسراء:70

[4] الانعام:108

[5] الاعراف:199

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيل ﴾"[1]

ترجمہ: ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے۔

قرآن کی اتباع ہی میں چونکہ دنیاو آخرت کی فلاح مضمر ہے اس لیے یہ اپنے پیروکاروں کو غیر مسلموں کو حکمت موعظہ حسنہ اور مجادلہ احسن کے ساتھ دعوت دینے کی تلقین کرتا ہے اور جبر واکراہ سے روکتا ہے۔

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ﴾.[2]

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾.[3]

قرآن مجید میں غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، معافی اور خیر خواہی کا رویہ رکھنے کے ساتھ ساتھ دوستی نہ رکھنے بلکہ سخت رویہ رکھنے اور جہاد و قتال کا حکم بھی ہے۔ جن کا مطالعہ اگر ان آیات کا پس منظر دیکھے بغیر یا غیر مسلموں سے متعلق جملہ آیات کو مد نظر رکھے بغیر کیا جائے تو غلط فہمی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

ذیل میں ان دونوں قسم کی آیات کو پیش نظر رکھ کر غیر مسلموں سے تعلقات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّه مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾"[4]

ترجمہ: اے ایمان والو تم یہود و نصاری کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہے اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ اس آیت میں بہت وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کو یہود و نصاری کے ساتھ دوستی قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس حکم کے اطلاق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے عام حکم مانا جائے یعنی اس کا اطلاق ہر زمانے اور ہر علاقے کے مسلمانوں اور یہود و نصاری پر کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اسے خاص حکم مانا جائے یعنی اس کا اطلاق خاص زمانے اور خاص علاقے کے مسلمانوں اور یہود و نصاری پر کیا جائے۔ اگر ہم اسے عام حکم مانیں تو اس آیت کا قرآن کی بعض دوسری آیات سے تضاد اور تصادم ہو جاتا ہے۔

---

[1] الحجر:85

[2] البقرہ:156

[3] النحل:125

[4] المائدہ:51

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَة لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نصرى ذلك بأن مِنْهُمْ قسِينَ وَرُهْبَاناً وَأَنَّهُمْ لايستكبرون﴾"[1]

ترجمہ: تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاری ہیں یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔

مذکورہ آیت میں نصاری کے ساتھ دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ جب کہ اس آیت میں ان کی تحسین کی گئی ہے اور انہیں دوستی کے لحاظ سے مسلمانوں سے قریب تر قرار دیا گیا ہے۔ سورہ المائدہ میں دوستی کا دائرہ مزید بڑھایا ہے۔ ارشاد ہے

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾"[2]

آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال میں خواد وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے میں یہ کہ آزاد او شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔ اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا۔

اس آیت میں یہود و نصاری کا کھانا کھانا جائز قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ہم ان کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں اور یہ عمل بغیر معاشرتی روابط اور دوستانہ مراسم کے ممکن نہیں ہے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

اہل کتاب کے کھانے میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے ان کا اور ان کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور چھوت چھات نہیں ہے ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور وہ

[1] المائدہ:82

[2] المائدہ:5

ہمارے ساتھ۔[1]

اس طرح یہود و نصاریٰ کی خواتین کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کی اجازت بھی اس آیت میں دی گئی ہے اور کسی عیسائی خاتون کا کسی مسلمان مرد کی بیوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی رفیقہ حیات اس کے بچوں کی ماں، اس کے گھر کی نگران، اس کا لباس ہو گی اور اس کے یہودی یا عیسائی والدین اس کے ساس اور سسر قرار پائیں گے جو اس کے لیے والدین کا درجہ رکھتے ہوں گے اور یہ سب انس و محبت تعلق اور دوستی کے بغیر ممکن کیونکر ہو سکتے

مسلمانوں پر اسلام کی دعوت پوری دنیا کو حکمت اور شائستگی کے ساتھ دینا لازم ہے۔ البتہ اہل کتاب کے لیے خاص طور پر بھی حکم ہے۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ "[2]

ترجمہ: اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔

قرن اول سے مسلمانوں کا وطیرہ دوسری اقوام کے ساتھ یہی رہا ہے کیونکہ کوئی بھی قوم دوستانہ روابط کے بغیر سنجیدگی سے بات سننے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے وہ اہل کتاب جو آپ کے دوستانہ رویہ اور معاہدات کے باوجود دشمنی سے باز نہ آئے تھے ان کے ساتھ سورہ مائدہ کی اس آیت کو خاص سمجھنا ہی اس تناقض کو دور کر دیتا ہے

آپ کے دور کے بیشتر یہود و نصاریٰ منافقین اور مشرکین عرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں ملوث ہو گئے تھے اور آپ کو گھر سے نکلتے وقت یہودیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ رہتا تھا ایک عرصہ تک وہ درپردہ مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہے اور پھر معاہدات کو توڑ کر کھلم کھلا آمادہ جنگ ہو گئے۔ ان حالات میں یہود و نصاریٰ سے دوستی سے منع کیا گیا۔ اس کے علاوہ سورہ آل عمران میں بھی اہل کتاب کو محرم راز بنانے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ وہ غیر مخلص اور قلبی عناد رکھنے والے ہیں

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاوَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور

---

[1] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1991ء، جلد 1، صفحہ: 447

[2] العنکبوت: 46

[3] آل عمران: 118

جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔"

اہل کتاب کا اسلام کے شعائر اور تعلیمات کا مذاق اڑانا بھی دوستی سے منع کرنے کا سبب بنا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ [1]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے، انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔ ان سے کہو اے اہل کتاب تم جس بات پر ہم سے بگڑے ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور دین کی اس تعلیم پر ایمان لے آئے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ہم سے پہلے بھی نازل ہوئی تھی اور تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ دوسری جگہ سورۃ المائدہ میں ہی ان کے منافقانہ اور اسلام دشمنی پر مبنی طرز عمل کو یوں واضح کیا گیا

﴿وَإِذَا جَاؤُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ وَتَرَى كَثِيراً مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [2]

"جب یہ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ کفر لیے ہوئے آئے تھے اور کفر ہی لیے ہوئے واپس گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دانوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم وزیاتی کے کاموں میں، دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں بہت بری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں کیونکہ ان کے علماء اور مشائخ انھیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے۔ یقینا بہت ہی برا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں اللہ تعالی نے جزیرہ نمائے عرب کے ان اہل کتاب کے بارے میں یہ حتمی فیصلہ نازل فرمایا

---

[1] المائدہ:57-59

[2] المائدہ:61-63

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [1]

جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

عرب کے اہل کتاب نے جان بخشی کی اس رعایت کے باوجود معاندانہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو نافذ کر دیا

لا يجتمع دينان في جزيرة العرب[2]

جزیرہ عرب میں دو دین اکٹھے نہ رہیں گئے

سورہ توبہ میں کفار، منافقین اور مشرکین کے ساتھ جہاد، قتال اور سختی کا حکم اس لیے دیا گیا

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّواسبيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[3]

ترجمہ: پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ مغفرت کرنے والا اور انتہائی رحم کرنے والا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ .[4]

اے ایمان والو مشرکین ناپاک ہیں۔

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾۔[5]

اے نبی کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ آخر کار انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے

---

[1] التوبہ:29

[2] امام مالک، مالک بن انس، **الموطا**، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۹، حدیث رقم:۱۳۸۸

[3] التوبہ:5

[4] التوبہ:28

[5] التوبہ:73

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جنگ کرو ان منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

مذکورہ آیات سورۃ التوبہ کی ہیں جو جہاد کی سورۃ ہے۔ کفار، منافقین اور مشرکین نے یہود و نصاری کے ساتھ مل کر ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ اب ان کے ساتھ جنگ اور سخت رویہ کے سوا چارہ ہی نہ رہا تھا۔ قرآن مجید میں ان حالات کا ذکر یوں ملتا ہے:

> ﴿كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً-وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ لا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلا ذِمَّةً وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [2]

ان لوگوں کے ساتھ عہد و پیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے جن کا حال یہ ہے کہ تم پر قابو پا جائیں تو نہ تمہارے معاملے میں کسی قرابت کا لحاظ کریں نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ وہ اپنی زبانوں سے تم کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دل ان کے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت قبول کر لی پھر اللہ کے راستے میں سن راہ بن کر کھڑے ہو گئے بہت برے کرتوت تھے جو یہ کرتے رہے۔ کسی مومن کے معاملہ میں نہ یہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کی عہد کی ذمہ داری کا اور زیادتی ہمیشہ انہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور جاننے والوں کے لیے ہم اپنے احکام واضح کیے. کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید کہ وہ باز آئیں گے کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مؤمن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے

---

[1] التوبہ:23

[2] التوبہ:8-13

ڈرو۔

قرآن مجید کے مذکورہ بیانات سے ان حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین نے مل کر پیدا کر دیے تھے۔ مسلمان پوری طرح حالت جنگ سے گزر رہے تھے۔ عہد و پیمان توڑے جا رہے تھے۔ سازشیں جاری تھیں۔ ہر طرف سے دشمن کی یلغار تھی اور امن کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ اس صورت حال میں کسی فرد کا ملت اور ریاست کی ترایف طاقتوں سے محبت کا رشتہ استوار کرنا اور خفیہ تعلقات رکھنا نداری اور بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اس کی اجازت نہیں دیتی پھر اسلام سے اس کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

اس لیے اللہ کی راہنمائی میں ایسے کفار مشرکین، منافقین اور یہود و نصاریٰ سے سخت رویہ اور جہاد و قتال کا معاملہ کرنا پڑا۔ لیکن ان حالات میں بھی اسلام کی طرف پلٹنے والوں کے لیے بھائی کا لفظ اور امن چاہنے والوں کے لیے امن اور جائے پہنچانے کا احسن عمل مسلمانوں کی طرف سے جاری رہا۔ اور پر امن غیر مسلموں سے تعلق اور دوستی کا رشتہ جاری رہا۔ مذکورہ مخصوص صورت حال کے علاوہ قرآن مجید نے مشرکین اور جملہ غیر مسلموں سے بہتر روابط اور حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے۔ سورہ ممتحنہ کے آغاز میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور خود تمہارے دشمن ہیں جنھوں نے تمہارے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کی ہے انھیں اپنا ولی نہ بناؤ پھر اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[1]

اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

سورہ ممتحنہ کی یہ آیات واضح ہدایت ہیں کہ جن غیر مسلموں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں نہ کی ہوں اور نا ہی وہ سازشوں میں مبتلا ہوں اور جن سے مسلمانوں کی کوئی جنگ نہ ہو ان کے ساتھ ہمدردی، دوستی، عدل و مساوات اور مصالحت کا رویہ رکھنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید نے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ جس رویہ کی ہدایت کی ہے اسے غیر مسلموں کے بارے میں ایک عام رویہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ قرآن کا عام رویہ تو درگزر، صبر، عفو اور پوری انسانیت

---

[1] الممتحنہ: 8-9

سے بھلائی کا رویہ ہے۔ وہ اپنے عقیدے اور فکر کو جبر واکراہ کی بجائے حکمت اور دلائل کے ساتھ پیش کرنے اور مخالفت اور مزاحمت کو عزم وحوصلہ اور ہمت سے برداشت کرنے کا سبق دیتا ہے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلاً﴾ [1]

جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور ان کو اچھی طرح چھوڑ دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾[2]

ان سے اچھی طرح درگزر کیجیے تمہارا رب وہی ہے جو پیدا بھی کرتا ہے اور باخبر بھی ہے"۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کی یہ خوبی بتائی ہے:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ [3]

وہ غصہ کے پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔

سنت نبوی کی روشنی میں غیر مسلموں سے تعلقات

پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[4]

اور آپ کے اسوہ کو بہترین اسوہ قرار دیا ہے﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[5] کے آپ ﷺ نے اپنے دور نبوت کے مکمل بے بسی اور مکمل اختیار دونوں زمانوں میں غیر مسلموں سے ہمیشہ اچھا سلوک اور برتاؤ کیا۔ مکی دور میں آپ پر ظلم وستم کی انتہا کی گئی آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا گیا۔ اس کے جواب میں کبھی بھی آپ کی زبان مبارک پر نازیبا کلمات یا بد دعا کے الفاظ نہیں آئے۔ بسا اوقات آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ گھر کے دروازے پر عفونتیں چھینکی جاتیں تاکہ صحت وجمعیت خاطر میں خلل پیدا ہو۔ آپ نے یہ سب کچھ صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ کبھی صرف اس قدر فرمادیا کرتے کہ فرزندان عبد مناف حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو غیر مسلموں

---

[1] المزمل:10

[2] الحجر:85-86

[3] آل عمران:134

[4] الانبیاء:104

[5] الاحزاب:21

سے حسن سلوک اور معافی کے بے شمار واقعات کتب احادیث وسیرہ میں موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ تمام نوع انسانیت کے ساتھ مساوات، عدل وانصاف، حسن اخلاق کا معاملہ فرماتے تھے اور بیمار پڑ جانے والے بھائی کی عیادت اور تیمارداری کرنا، اس کی راحت کا سامان مہیا کرنا اور اس کے لیے کلمات خیر کہنا بھی بہت بڑی نیکی ہے اس سے ہمدردی کا اظہار اور مریض سے یگانگت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم کی عیادت کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر معاشرے یا سماج میں کوئی شخص بیمار پڑتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے لی مناسب دعا فرمایا کرتے تھے۔ احادیث سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ آپ نے ایک یہودی لڑکے کی عیادت فرمائی ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: كَانَ غُلاَمٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَه: «أَسْلِمْ» فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ؟، فَقَالَ: أَطِعْ أَبَا القَاسِمِ، فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَقُول: «الحَمْدُ للهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ» [1]

نبی کریم کا ایک خادم یہودی تھا بیمار ہو گیا تو نبی کریم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح: أَنّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ يَعُودُهُ[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو غیر مسلم تھا۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَالِكٍ المدْلِجِيُّ، وَهُوَ ابْنُ أَخِي سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ سُرَاقَةَ بْنَ جُعْشُمٍ يَقُولُ: جَاءَنَا رُسُلُ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، يَجْعَلُونَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ، دِيَةَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، مَنْ قَتَلَهُ أَوْ أَسَرَهُ، فَبَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ قَوْمِي بَنِي مُدْلِجٍ،-----الخ.[3]

ترجمہ: حضرت سراقہ بن مالک بن جعشمؓ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں اس امر کا اعلان کر رہے تھے کہ جو شخص انہیں قتل کر دے یا زندہ گرفتار کر کے لائے تو ہر ایک کے بدلے ایک سو اونٹ اسے بطور انعام دیے جائیں گے، چنانچہ میں ایک وقت اپنی قوم بنو مدلج کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی آیا اور ہمارے پاس کھڑا ہو گیا جبکہ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحل پر چند

---

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، حدیث:1356

[2] **مسند احمد**، حدیث:12543

[3] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب مناقب الانصار، حدیث:3906

لوگ دیکھے ہیں۔ میں انہیں محمد اور ان کے ساتھی خیال کرتا ہوں۔ سراقہ کہتے ہیں: میں سمجھ گیا کہ یہ وہی ہیں مگر میں نے ایسے ہی اس سے کہہ دیا: وہ نہیں ہوں گے بلکہ تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہو گا جو ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں جو اپنا گم شدہ کوئی جانور تلاش کر رہے تھے۔ اس کے بعد میں تھوڑی دیر تک اس مجلس میں ٹھہرا رہا، پھر کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر خادمہ سے کہا کہ وہ میرا گھوڑا لے کر باہر جائے اور اس کو ٹیلے کے پیچھے لے کر کھڑی رہے۔ پھر میں نے اپنا نیزہ سنبھالا اور مکان کی پچھلی جانب سے نکلا۔ نیزے کی نوک سے زمین پر خط لگا رہا تھا اور اس کا اوپر والا حصہ نیچے کیے ہوئے تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس آیا اور اس پر سوار ہو گیا۔ پھر اسے ہوا کی طرح سرپٹ دوڑایا تاکہ مجھے جلدی پہنچائے۔ لیکن جب میں ان کے قریب ہو گیا تو میرے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ میں گھوڑے سے گر پڑا۔ میں کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے تیر نکال کر فال لی کہ میں ان لوگوں کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ تو وہ بات سامنے آئی جو مجھے ناگوار تھی، مگر میں پھر بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال کو تسلیم نہ کیا۔ میرا گھوڑا مجھے لے کر پھر اتنا قریب پہنچ گیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی۔ آپ کسی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے جبکہ حضرت ابو بکرؓ اِدھر اُدھر بہت دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور خود میں بھی اس کے اوپر سے گر پڑا۔ پھر میں نے گھوڑے کو ڈانٹا تو بڑی مشکل سے اس کے پاؤں نکلے، مگر جب وہ سیدھا ہوا تو اس کے اگلے دونوں پاؤں سے دھوئیں کی طرح غبار نمودار ہوا جو آسمان تک پھیل گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی تو وہی نکلا جسے میں برا جانتا تھا۔ آخر میں نے انہیں امان کے ساتھ آواز دی تو وہ ٹھہر گئے۔ پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا اور جب مجھے ان تک پہنچنے میں رکاوٹیں پیش آئیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ضرور بول بالا ہو گا، چنانچہ میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے متعلق سو اونٹ مقرر کر رکھے ہیں۔ پھر میں نے وہ باتیں بیان کیں جو وہ لوگ آپ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ بعد ازاں میں نے انہیں زادِ راہ اور کچھ سامان پیش کیا، لیکن انہوں نے نہ تو میرے مال میں کمی کی اور نہ کچھ مانگا ہی، البتہ یہ ضرور کہا: ''ہمارا حال لوگوں سے پوشیدہ رکھیں۔'' میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک تحریر امن لکھ دیں۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا جس نے مجھے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر سند امان لکھ دی اور پھر رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ غزوہ حنین اور طائف سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے یہ امان نامہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا میں سراقہ بن جعشم ہوں، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایافَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ[1]

یہ ایفائے عہد اور وفا شعاری کا دن ہے

---

[1] ابن ہشام، جلد 1، ص: 490

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ , قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي , عَنْ سُلَيْمَانَ , عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ , عَنْ ابْنِ شِهَابٍ , عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيِّ , عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا , أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ , فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَفَلَ مَعَهُ , فَأَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ الْعِضَاهِ , فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ فِي الْعِضَاهِ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ , وَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ , قَالَ جَابِرٌ: فَنِمْنَا نَوْمَةً , ثُمَّ إِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُونَا فَجِئْنَاهُ , فَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ جَالِسٌ , فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:" إِنَّ هَذَا اخْتَرَطَ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ , فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا , فَقَالَ لِي: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قُلْتُ: اللَّهُ" , فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ[1]

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا' کہا کہ مجھ سے میرے بھائی عبد الحمید نے بیان کیا' ان سے سلیمان بن بلال نے' ان سے محمد بن ابی عتیق نے' ان سے ابن شہاب نے' ان سے سنان بن ابی سنان دولی نے' انہیں جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اطراف نجد میں غزوہ کے لیے گئے تھے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی واپس ہوئے۔ قیلولہ کا وقت ایک وادی میں آیا' جہاں ببول کے درخت بہت تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ وہیں اتر گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ آپ ﷺ نے بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابھی تھوڑی دیر ہمیں سوئے ہوئے ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم جب خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے پاس ایک بدوی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار (مجھ ہی پر) کھینچ لی تھی' میں اس وقت سویا ہوا تھا' میری آنکھ کھلی تو میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا' تمہیں میرے ہاتھ سے آج کون بچائے گا؟ میں نے کہا کہ اللہ! اب دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے پھر کوئی سزا نہیں دی

مکہ میں آپ کی مخالفت میں ابو جہل اور ابو سفیان کا گھرانہ پیش پیش تھا۔ ابو جہل تو جنگ بدر میں مارا گیا لیکن اس کا بیٹا عکرمہ جو بعد کی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف بھرپور حصہ لے چکا تھا۔ فتح مکہ کے بعد خوف کی وجہ سے وہ یمن دوڑ گیا اس کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی۔ وہ اسے آپ کے عفو و درگزر کا ذکر کر کے واپس لے آئی۔ آپ نے دونوں کو آتے دیکھا تو خوشی سے اٹھے اور اتنی تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسد اطہر پر چادر کا خیال بھی نہ کیا اور فرمایا مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ (اے ہجرت کرنے

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازی، حدیث نمبر: 4135

والے سوار تیرا آنا مبارک ہو)[1]

غزوہ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ آپ کی اس نصیحت کا اثر صحابہ پر کس قدر ہوا اس کا ذکر حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابو عزیر بن عمیر یوں کرتے ہیں:

وہ اس جنگ میں نصر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے۔ فرماتے ہیں کہ انہیں بعض انصار کے حوالے کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ وہ صبح وشام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتا

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

> كان رسول الله يوتى بالاسير فيدفعه الى بعض المسلمين فيقول احسن الي فيكون عنده اليومين والثلاثه فيوثره على نفسه. [2]

"رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدی لایا جاتا تو آپ اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ یہ قیدی اس کے پاس دو تین دن رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے

۔حضرت حسن بصری فرمایا۔

أَنَّ يَهُودِيًّا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ إِلَى خُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، فَأَجَابَهُ"[3]

.ایک یہودی نے نبی ﷺ کو جو کی روٹی اور چربی (یا تیل) کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی۔

بدر سے فتح مکہ تک ابو سفیان آپ کا بدترین دشمن رہا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت عباس ان کو لے کر خدمت نبوی ہے میں حاضر ہوئے تو آپ نے اسے نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کے گھر کو امان کی جگہ قرار دیا۔

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ[4]

غیر مسلموں کی خدمت اور ان مہمانداری کی بیسیوں مثالیں تاریخ اسلام کا ایک وفد میں بھری پڑی ہیں۔ ابو قتادہ بیان کرتے ہیں

---

[1] ترمذی، **جامع ترمذی**، کتاب الاستئذان والآداب، حدیث:2735

[2] زمخشری، ابو القاسم محمد بن عمر، **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل**، (دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان،) س ن، جلد 4، صفحہ:668

[3] **مسند احمد**، حدیث نمبر:13201 (حکم دار لسلام، اسنادہ صحیح)

[4] مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب الجھاد والسیر، حدیث نمبر 4624

کہ حبشہ سے عیسائیوں مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ نے انہیں اپنی مسجد میں ٹھرایا اور خود اپنے ہاتھ سے ان کی ضیافت و خدمت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کا ان حبشیوں کے ساتھ عمدہ اخلاق اور حسن سلوک کا یہ مظاہرہ ان کے اس حسن سلوک کا بدلہ تھا جو انہوں نے مہاجرین حبشہ کے ساتھ روار کہا تھا، صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ سے فرمایا کہ ہم ان کے خدمت کے لئے کافی ہیں تو آپ نے فرمایا

إِنَّهُمْ كَانُوا لِأَصْحَابِنَا مُكْرِمِينَ وَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُكَافِئَهُمْ.[1]

یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لیے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا آپ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس وفد میں شامل مسیحیوں کو اجازت دی کہ دو اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی میں ادا کریں چنانچہ یہ مسیح حضرات مسجد نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہے[2]

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ: إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ[3]

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے بعد جب امن قائم ہو گیا) میری ماں جو مشرک تھیں مجھ سے ملنے آئیں۔ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلح رحمی کرو۔

غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے، خود انحضرت اللہ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں:

أَنَّ يَهُودِيًّا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ إِلَى خُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، فَأَجَابَهُ"[4]

ایک یہودی نے رسول اللہ کو جو کی روٹی اور چربی کی دعوت دی، آپ نے قبول فرمائی۔ رسول اللہ نے غیر مسلم کے کھانے پینے کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔

---

[1] بیہقی، حسین بن علی، **شعب الایمان**، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، س ن، جلد۔6 صفحہ:518

[2] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، **الطبقات الکبریٰ**، (دار صادر بیروت، لبنان، 1958) جلد، 1 صفحہ:357

[3] بخاری: **الجامع الصحیح**، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، حدیث نمبر:2620

[4]، **مسند احمد**، حدیث 13201 (قال الشیخ البانی، صحیح)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ:

حَلَبَ يَهُودِيٌّ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَعْجَةً، فَقَالَ: اللَّهُمَّ جَمِّلْهُ، فَاسْوَدَّ شَعْرُهُ، حَتَّى صَارَ أَشَدَّ سَوَادًا مِنْ كَذَا وَكَذَا، قَالَ مَعْمَرٌ: وَسَمِعْتُ غَيْرَ قَتَادَةَ يَذْكُرُ أَنَّهُ عَاشَ نَحْوًا مِنْ سَبْعِينَ سَنَةً لَمْ يَشِبْ.[1]

ایک یہودی نے رسول اللہ کو دودھ دوہ کر پیش کیا تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین و جمیل رکھے، چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے، اور وہ تقریباً نوے سال تک زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہ آئی

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ – ﷺ – اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں سے کاروباری روابط رکھے جاسکتے ہیں۔ احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تھے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ ثُوَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: " أَنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ فَقَبِلَ، وَأَنَّ الْمُلُوكَ أَهْدَوْا إِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُمْ.[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے فارس کے بادشاہ کسریٰ نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا تو آپ نے اسے قبول کر لیا، (کچھ) اور بادشاہوں نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا تو آپ نے ان کے تحفے قبول کئے۔

جن غیر مسلموں نے آپ کے ساتھ معاہدے کیے یا آپ کے ماتحت ذمی رہنا پسند کیا آپ ﷺ نے کبھی ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہری کا سا سلوک نہیں کیا۔ بلکہ ان سے کیے ہوئے معاہدات کو نبھایا اور اگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی ہوئی تو مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کے بغیر ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:" مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا".[4]

جب کسی نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔

غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک کے حوالے سے آپ ﷺ کا یہ ایک فرمان ہی کافی ہے۔

---

[1] الصنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، **مصنف عبد الرزاق**، مکتب الاسلامی بیروت لبنان، کتاب: المغازي باب: ذکر شيء من دعاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر: 20826

[2] بخاری: **الجامع الصحیح**، کتاب: البیوع باب شراء النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالنسيئة، حدیث نمبر: 2068

[3] ترمذی، **سنن ترمذی**، کتاب السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث: 1576

[4] ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ**، حدیث: 2686 (قال الشیخ البانی، صحیح)

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1]

خبردار جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی چیز اس کی خوشی کے بغیر لی تو میں بروز قیامت اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا"۔

آپ ﷺ نے اس بات کو بطور تنبیہ ہی کے نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر اس کا ثبوت دنیاوی زندگی میں بھی پیش کیا۔ یحیی بن آدم القرشي کتاب الخراج میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں: ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الکتاب فرفع الی النبي ﷺ فقال رسول الله انا احق من و في بذمته ثم امر به فقتل.[2]

ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کیا اور مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

قرآن و سنت کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اپنے ماننے والوں کے لیے اس سلسلہ میں واضح ہیں کہ انہیں دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے تعلقات کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ قرآن کے تعلیم کردہ نصاب کے مطابق ایک عملی رویہ، رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی صورت میں موجود ہے۔ لہذا علمائے اسلام نے اپنے الفاظ میں ان آداب و شرائط کی وضاحت کی ہے۔

انسانی معاشرت میں دیگر طبقات کے ساتھ ایک مسلم امت کا فرد منسلک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ تعلق اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام پوری انسانیت کو دعوت الی اللہ دینے کے لیے آیا ہے۔ لہذا، ایک جہت تو دعوت دین کے لیے عمومی راہ و ہر سم کی ہے، دوسرا ایک معاشرے میں رہتے ہوئے آپس کے معاشرتی روابط کا ہے، جو ایک ہمسائے اور ساتھ رہنے والے انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح افراد معاشرہ کے مابین دو طرفہ معاملات لین دین کے ہوتے ہیں، اس کے آداب بھی اسلامی تعلیمات میں موجود ہیں۔

قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے تعلقات کے بارے میں ایک مثبت اور اصولی رویہ اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، عدل و انصاف، اور احترام کے ساتھ پیش آنا چاہیے، بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی یا جنگ نہ کر رہے ہوں۔

---

[1] **سنن ابی داؤد**، حدیث:3052 (قال الشیخ البانی، صحیح)

[2] القرشی، یحییٰ بن آدم، **کتاب الخراج**، مطبع المکیہ العلمیہ لاہور، س ن، ص:215

قرآن و سنت کی تعلیمات اور اسلامی علماء کی وضاحت سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، عدل و انصاف، اور احترام کی ترغیب دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے عقائد پر ثابت قدم رہتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ محبت، احترام، اور انسانی بنیادوں پر تعلقات استوار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

مسیحیت میں بین المذاہب تعلقات کی تعلیمات

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ معاشرے کے اندر سے جب انسانیت کی روح مفقود ہو جائے فرقہ واریت، گروہیت اور تنگ نظری کا عروج ہو تو معاشرہ فکری زوال سے ہمکنار ہو کر ترقی اور عروج کی راہیں گم کر دیتا ہے گذشتہ تاریخ میں جب بھی انسانی معاشرے کی یہ حالت زار ہوئی تو خالق کائنات کی طرف سے کوئی مصلح نبی حکیم آیا اور اس نے سماجی زندگی کی اس فرسودگی کو تازہ دھارے میں تبدیل کر دیا اور ایسی تعلیمات و کردار کی تبلیغ کی تاکہ معاشرے کے اندر سے فرسودہ روایات ختم ہوں اور معاشرہ پھر سے اجتماعیت کی روح سے آشنا ہو کر ترقی کی طرف رواں دواں ہو۔ حضرت مسیح کی آمد کے وقت بھی معاشرے کی حالت نہایت دگرگوں تھی۔ رواداری، محبت اخوت کی معاشرے میں جگہ نہ تھی ظاہر پرستی، عدم رواداری، بغض وعناد اور بے شعوری عام تھی نتیجہ یہ کہ معاشرہ طوائف الملوکی کا شکار ہو کر اپنے اصل مقصود سے ہٹ چکا تھا۔ لہذا ایسے عالم میں معاشرے کے اندر باشعور اور سنجیدہ طبقہ کسی ایسے مسیحا کے انتظار میں تھا جو آئے گا اور معاشرے کو پھر سے صحت مند اصولوں پر استوار کر کے اس کے اندر اجتماعیت اور اصلاح کی نئی روح پھونکے گا۔ ان باشعور اور اہل حکمت افراد میں حضرت یحییٰ اور ان کے والد زکریا علیہما السلام تھے جو معاشرے کے اندر عدم مساوات، افراتفری اور ظالم اور مظلوم کی اس تقسیم سے دل برداشتہ تھے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ جہنم زار کی کیفیت بنا ہوا تھا۔ دونوں بزرگ دل شکستہ تھے انسانیت کی حالت زار پر پریشان اور مغموم تھے لہذا تاریخ بتاتی ہے کہ شہنشاہ ٹابیریس کے عہد حکومت میں یحییٰ نے ایک دعوت عام کا آغاز کیا اور لوگوں کو بتایا کہ ایک ایسا مسیحا دنیا میں آنے والا ہے جو اتحاد کا داعی ہو گا اس کے نزدیک سب یکساں ہوں گے مظہر الدین صدیقی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اس روحانی پیغام کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

شہنشاہ ٹائبیریئس کے عہد حکومت کے پندرہویں سال یحییٰ علیہ السلام نے اپنی رہبانیت کے دائرے سے قدم نکالا اور ایک روحانی پیغام کی اشاعت شروع کی انہوں نے لوگوں کو خبردار کیا کہ مسیح (نجات دہندہ) کی آمد قریب ہے اور آسمانی بادشاہت کا عہد شروع ہونے والا ہے لیکن اس بادشاہت میں یہودی اور غیر یہودی کا کوئی امتیاز نہ ہو گا۔ لوگوں کو صرف ان کے اعمال کی بنا

پر جانچا جائے گا جن کے اعمال اچھے ہوں گے انہیں بادشاہت میں حصہ ملے گا لیکن بدکرداروں کو اس میں سے بالکل خارج کر دیا جائے گا۔[1]

گویا یحییٰ علیہ السلام کا یہ اعلان اس کا ثبوت ہے کہ آپ نے معاشرے میں اتحاد و یگانگت، مساوات پیدا کرنے والے اور امتیازات کو مٹا کر دنیائے انسانیت کی نجات کا راستہ بتلانے والے مسیحا حضرت عیسی علیہ السلام کا تعارف کروایا۔

"حضرت عیسیٰ محبتوں کے امین تھے دکھوں کا مداوا تھے وہ سچے مسیحا کی حیثیت سے انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھتے تھے ان کا پیغام محبت و الفت تھا وہ اصلاح نفس اور تعلق باللہ کے ذریعے انسانوں کے دلوں کو جوڑنے والے تھے۔ نفرت عداوت، بغض، حسد اور کینہ کو انسانوں کے لئے تباہی و بربادی کا ذریعہ سمجھتے تھے کیونکہ معاشرتی ارتقاء میں انسانوں کے تزکیہ کی پہلی علامت انسانیت کی باہمی محبت اور اجتماعیت ہے اگر معاشرے میں ایسی فکر کا غلبہ نہ ہو جو رواداری کا ماحول پیدا کرے تو رفتہ رفتہ انسانوں کے دلوں اور اذہان میں عداوتوں کے خلاء پیدا ہو جاتے ہیں حضرت عیسیٰ کا کردار ایک مسیحا کا کردار تھا سو وہ انسانوں کے درمیان سے بیر ختم کر کے انہیں جوڑنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے عوام الناس اور اپنے حواریوں سے جگہ جگہ خطاب فرمایا اور اپنی تعلیمات وعظ کی شکل میں پیش کیں۔ حضرت عیسی کا ایک دعظ جو بنیادی اہمیت کا حامل ہے اس کو پہاڑی کا وعظ کہا جاتا ہے اس میں آپ نے اعلیٰ اخلاقی اور رواداری پر مبنی تعلیمات بیان کیں ہیں وہ وعظ درج ذیل ہے۔ عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری عیب جوئی نہ کی جائے کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں۔ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑ دیں۔ مانگو تو تم کو دیا جائے گا ڈھونڈو تو پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے؟ بس جب کہ تم بڑے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے

---

[1] صدیقی، مظہر الدین، **اسلام اور مذاہب عالم**، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۶ء، ص ۱۳۱

ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے [1]
مظہر الدین صدیقی حضرت مسیح کے پیغام محبت وامن پر بڑے خوبصورت انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔
"عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام پیغام محبت تھا اور آپ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محبت اچھے کردار کی صرف ایک صفت نہیں بلکہ کردار کی بنیاد اور اس کا محرک اعلیٰ ہے اگر انسان کے دل میں دوسروں کے ساتھ محبت کا جذبہ نہ ہو تو اس کی ساری مذہبیت بے کا رہے آپ جہاں کہیں جاتے آپ کی حب انسانیت مذہبی اور معاشرتی پابندیوں کو ٹکرا کر توڑ دیتی۔[2]
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں جو بنیادی طور پر اخوت اور مساوات کا رنگ تھا اس پر اظہار خیال کرتے ہوے موصوف لکھتے ہیں
مسیحیت میں ابتدا کوئی اشتراکی رنگ نہیں تھا لیکن اس کے پیغام میں مساوات اور اخوت کے اقدار یقینا نمایاں تھے جس کی وجہ سے یہود کے ادنی طبقات یونان وروما کے غلاموں کی ایک کثیر تعداد نیز رومی سلطنت کے وہ افراد جنہیں دنیوی ثروت واقتدار میں کوئی حصہ نہیں ملا تھا عیسوی تحریک میں ایک بہت بڑی روحانی تسکین محسوس کرتے تھے۔[3]
حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے موجودہ ماخذ چار اناجیل کو سمجھا جاتا ہے جن میں انجیل مرقس، انجیل یوحنا، انجیل لوقا، انجیل متی۔ مذکورہ اناجیل مقدسہ کی روشنی میں ہم حضرت عیسی علیہ السلام کی ان تعلیمات کا جائزہ لینگے جو رواداری اور اخوت و مساوات، راست بازی پر مبنی ہیں۔ مذہبی رواداری کو عیسائی کتب مقدسہ کی روشنی میں سمجھنے کے لئے جب ان کی کتب مقدسہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ رواداری، اختلاف فکر و نظر ایک دوسرے کے نقطہ نظر کے احترام اور ہر ایک مذہبی فرقہ کو حق تبلیغ اور انسانوں سے محبت کے بارے میں کئی اقوال ملتے ہیں۔
حضرت مسیح معاشرے میں جنگ وجدل روکنے اور امن و آشتی کے قیام کے لئے افراد معاشرہ کے درمیان صلح صفائی کرانے کو اہم فریضہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت مسیح تعلیم دیتے ہیں مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے [4]
حضرت عیسی اپنے پیر کاروں کو فرماتے ہیں کہ اگر میری تعلیمات اور افکار کی وجہ سے تمہارے اوپر دوسرے مذاہب لعن طعن کریں تمہیں اذیت دین تم ان پر صبر کروگے تو تمہارے لئے اجر ہوگا۔ گویا حضرت مسیح معاشرے کے اندر صبر و برداشت کی تلقین کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

---

[1] متی ۷، آیات ۱۲،۱

[2] صدیقی، **اسلام اور مذاہب عالم**، ص:105

[3] ایضاً، ص ۱۵۰

[4] متی ۵، آیت ۹

"جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے "[1]

فرقہ وارانہ نظریات اور طرز عمل کو معاشرے سے اور خاص طور پر عیسائی کمیونٹی سے ختم کرنے کے لئے آپس میں رحم، محبت اور یگانگت کا اظہار کرنا اور اپنے بھائیوں کو کسی طرح کی بھی اذیت سے دوچار نہ کرنا حضرت مسیح کی تعلیمات کا اہم جزو ہے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔

"لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا وہ عدالت کی سزا کا لائق ہو گا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کا لائق ہو گا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہو گا"[2]

معاشرے میں عدم تشدد اور راستبازی کے ماحول کو قائم رکھنا اور پر تشدد کا جواب بھلائی اور محبت سے دینے کی تلقین۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ "میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طماچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا اور جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑو"[3]

محبت انسانیت اور مسیح کی تعلیم:

حضرت عیسیٰ انسانوں سے بہت پیار کرتے تھے مسکینوں، غریبوں، مفلسوں، غم کے ماروں اور بے یارو گار انسانوں سے ہمدردی اور خدمت کو عبادت سمجھتے تھے اور خدا کا پسندیدہ شخص اس کو سمجھتے تھے جو انسانوں سے پیار کرتا ہو۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کے اسی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے احمد عبد اللہ المسدوسی: جیرالڈ گرولینڈ والش ؛ کے رومن کیتھولک مذہب پر مقالہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے ابتدا جو تعریف کی وہ اس وعدہ کی تکمیل تھی کہ وقت پورا ہو گیا اور خدا کی بادشاہت اب قریب ہے اور جو لوگ اس میں شریک ہونا چاہتے تھے ان پر دو شرائط عائد کی گئیں کہ وہ توبہ کریں اور ایمان لے آئیں۔ کیونکہ ان کی تبلیغ کے پہلے چھ مہینے میں حضرت عیسیٰ پہلی ہی شرط پر زور دیتے رہے یعنی توبہ تبدیلی قلب اخلاقی تعبیر شخصی تکمیل ذات کے ساتھ میری پیروی کرو۔ انہوں نے کہا کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو مزاج میں غریب ہیں مسکین ہیں۔ مہربان ہیں صاف دل ہیں اور وہ لوگ جو انصاف کے لئے مصیبت اٹھاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کے لئے ہے۔'[4]

---

[1] انجیل متی ۵، آیت ۱۱

[2] انجیل متی ۵، آیت ۲۲

[3]، انجیل متی ۵، آیات ۳۹ تا ۴۲

[4] المسدوسی، احمد عبد اللہ، **مذاہب عالم**، (کراچی، مکتبہ خدام ملت، ۱۹۸۵ء) ص ۲۶۰

حضرت مسیح انسانوں سے محبت کی تلقین کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو اس امر کا پابند بناتے ہیں کہ انسانوں سے محبت کے معاملے میں دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہیں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔

"اپنے دشمنوں سے محبت کیا کرو، پیار بھری نگاہوں سے ملو تمہارے ساتھ بغض رکھنے والوں پر رحم کرو جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں اور تمہیں بھگاتے ہیں تم ان سے اچھا سلوک کرو۔ خدا سے محبت انسانوں سے محبت سے وابستہ ہے اگر کوئی شخص خدا سے محبت کا دعویدار ہے مگر مخلوق سے محبت نہیں کرتا تو وہ اس خدائی محبت کے دعوئی میں جھوٹا ہے لہذا خدا کی محبت کے بغیر مخلوق کی محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حضرت مسیح کا فرمان ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میں خدا سے محبت رکھتا ہوں اور اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہوں تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے سے جس کو دیکھتا ہے محبت نہیں رکھتا تو خدا سے جس کو نہیں دیکھا کیونکر محبت کر سکتا ہے"[1]

حضرت مسیح کی تعلیمات جہاں دیگر انسانوں سے محبت اور راستبازی کی علمبردار ہیں وہاں انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بھی یگانگت امن و آشتی کے ساتھ محبت اور اخوت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے گویا باہم اخوت محبت اور یگانگت کی تعلیم سے رواداری کی اس ذہنیت کی طرف تربیت کی تلقین کی جو آگے چل کر پورے معاشرے کے لئے مثبت نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ بائبل میں حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ دیعنی کمال فروتنی اور حلم کے ساتھ مل کر کے محبت سے ایک دوسرے کی برداشت کرو اور اس کوشش میں رہو کہ روح کی یگانگی صلح کے بند سے بندھی رہے۔ ایک ہی بدن اور ایک ہی روح چنانچہ تمہیں جو بلائے گے تھے اپنے بلائے جانے سے امید بھی ایک ہی ہے ایک ہی خداوند ہے ایک ہی ایمان ایک ہی بپتسمہ اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے۔'[2]

حضرت مسیح امن وامان کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کیونکہ خدا ابتری کا نہیں امن کا بانی ہے جیسا کہ مقدسوں کی سب کلیساؤں میں ہے[3]

یوحنا نے لکھا ہے۔

اس لئے تمام کلیسائیں متحد ہو کر مسیح پر ایمان لائیں اور کثرت سے ہمیشہ کی زندگی پائیں'[4]

کرنتھیوں میں ایمان اور محبت کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ

---

[1] یوحنا ۴:۱۵

[2] افسیوں ۴، آیت ۷ ۲ ۰

[3] کرنتھیوں ۱۴، آیت ۳۳

[4] انجیل یوحنا ۳، آیت ۱۶

"جاگتے رہو ایمان میں قائم رہو مردانگی کرو مضبوط ہو جو کچھ کرتے ہو محبت سے کرو"[1]
حضرت مسیح تحمل محبت اور حلم کی تلقین کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں برداشت پیدا ہوا اور افراد معاشرہ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ تمدنی ارتقاء سے بھی ہمکنار ہوں فرماتے ہیں۔
"جس بلاوے سے تم بلائے گئے تھے اس کے لائق چال چلو کمال فروتنی اور حلم کے ساتھ تحمل کر کے محبت سے ایک دوسرے کی برداشت کرو"[2]
حضرت مسیح کی محبت انسانوں سے حد درجہ کی تھی آپ نے اپنے دشمنوں اور عداوت رکھنے والوں سے بھی محبت کی تلقین کی اور ہر حال میں ان سے بھلا کرنے کی تعلیم دی۔ گویا وسعت نظری صبر وبرداشت اور احسان وایثار کی انتہا ہے کہ جو تمہیں تکلیف پہنچائے تم اس سے بھلا کرو۔ حضرت مسیح کا فرمان ہے۔ "لیکن میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو"[3]
انجیل خدا کی تعلیمات کی داعی ہے اور خدائی تعلیمات کو محبت کی علامت سمجھتی ہے بائبل میں یوحنا لکھتا ہے "خدا محبت ہے"[4]
محبت اور الفت انسانی کے حوالے سے پولس رسول کا قول بائبل میں موجود ہے کہ اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبت نہ رکھوں تو میں ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانج ہوں'[5]
مزید فرماتے ہیں۔
"پس اگر تو قربان گاہ کے پاس گذرے جائے اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو اپنی نذر قربان گاہ کے سامنے چھوڑ کر چلا جا پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آ کے اپنی نذر گردان"[6]
اپنی تعلیمات کے لحاظ سے حضرت مسیح کا طریقہ کار مذہبی روایات کے مردہ اجسام میں سچی مذہبیت کی روح پھونکنا تھا۔ یہودیوں کی اس رجعت پسندی اور ظاہر پرستی کے بے جان اور جمود زدہ ڈھانچے کے اندرونی روح پھونکی جس کی اساس خدا اور اس کے بندوں سے محبت تھی حضرت مسیح کا ارشاد اس روح کی اس طرح عکاسی کرتا ہے۔

---

[1] کرنتھیوں ۱۶، آیت ۱۳
[2] افسیوں ۴، آیت ۲
[3] انجیل لوقا، ۶، آیت ۲۷
[4] انجیل یوحنا ۴، آیت ۸
[5] کرنتھیوں ۱۳:۲۳
[6] انجیل متی ۵، آیت ۲۴

اور ان میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اس سے (حضرت عیسی) پوچھا اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا (یعنی مرکزی) ہے اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کرام کے صحیفوں کا مدار ہے"[1]

گویا حضرت مسیح نے ایک طرف خدا پرستی کی تعلیم کو اساس بتایا اور دوسری طرف انسان دوستی کو اس کی مانند قرار دے کر یہ باور کرایا کہ جتنے بھی انبیاء کرام تھے ان کی تعلیمات خدا پرستی اور انسان دوستی پر مشتمل تھیں۔

حضرت مسیح کی خدا پرستی کی تعلیمات محبت کا مرقعہ تھیں۔ آپ نے تصور خدا جو پیش کیا وہ یہودیوں کے اس تصور خدا سے یکسر مختلف تھا۔ یہودیوں کے نزدیک چونکہ خدا کا تصور ایک بے رحم ظالم جابر اور منتقم المزاج حاکم کا تصور تھا مگر حضرت عیسی نے اس کے متضاد یہ تصور دیا کہ خدا محبت کا پیکر ہے رحم کا پیکر ہے شفقتوں سے عبارت ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قلم نگار عماد الحسن آزاد فاروقی لکھتے ہیں۔

"حضرت عیسی نے خدا تعالیٰ کو بحیثیت باپ کے ایک مشفق ہستی کے روپ میں پیش کیا جس کا تعلق اپنے بندوں اور مخلوق سے سراسر شفقت اور محبت پر مبنی ہے حضرت عیسی کے تصور خدا تعالیٰ سزا دینے کے مقابلے میں معاف کر دینے کے بہانے کا متلاشی نظر آتا ہے۔ اور اس کی ہر مشیت کا محرک رحم و کرم کا جذبہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ کہ۔ اپنی اسی عالمگیر شفقت اور محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں خدا تعالیٰ امیروں
کے مقابلے میں غریبوں اور متقیوں کے مقابلے میں گنہ گاروں سے زیادہ قریب ہے"[2]

موصوف مزید رقمطراز ہیں۔

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں بندوں کے درمیان برادرانہ تعلق پر زور دیا گیا اس ضمن میں حضرت مسیح نے جن خوبیوں کو خصوصی اہمیت دی ہے ان میں مساوات، عفو در گزر عیب جوئی سے پرہیز، عجز وانکساری اپنے دشمنوں اور برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک سر فہرست ہیں،[3]

---

[1] متی ۲۲، آیات ۴۰

[2] فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذاہب، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء، ص ۲۹۳

[3] ایضاً، ص ۲۹۴

عدم رواداری کی ممانعت پر مشتمل بائبل کی تعلیم:

بے اتفاقی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے بائبل کا بیان ہے۔ جس بادشاہی میں پھوٹ پڑتی ہے وہ ویران ہو جاتی ہے اور جس شہر میں یا گھر میں پھوٹ پڑے گی وہ قائم نہ رہے گا۔'[1]

معاشرے میں مذہبی منافرت اور نفاق ڈالنے والے کے لئے کراہیت کا اظہار بائبل کی تعلیمات کا حصہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام کا بیان ہے۔

"جو چیزیں جن سے خداوند کو نفرت ہے سات ہیں جن سے اسے کراہیت ہے اوچی آنکھیں، جھوٹی زباں، بے گناہ کا خون بہانے والے ہاتھ برے منصوبے بنانے والا دل، شرارت کے لئے تیز پاؤں، جھوٹا گواہ جو دروغ گوئی کرتا ہے اور جو بھائیوں میں نفاق ڈالتا ہے"[2]

دیگر مذہبی الہامی کتابوں کی تصدیق یا ان کارد کرنا حضرت مسیح کے مدنظر نہ تھا بلکہ وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ میں ان تمام کی کتابوں کی تعلیمات کو ہی پورا کرنے آیا ہوں تاکہ معاشرے کے اندر سے مسیحیت کے خلاف دیگر مذاہب کا جھگڑا نہ پیدا ہو اور معاشرے میں رواداری کا ماحول پیدا ہوا اور اختلافات ختم ہوں۔

حضرت مسیح کا بیان ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔[3]

عدم تشدد پر مبنی حضرت مسیح کی تعلیم:

معاشرے کے اندر امن و سلامتی کے حصول کے لئے حضرت مسیح نے عدم تشدد کو انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ بتائی کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ ان سے محبت رکھو اور بوقت ضرورت ان کی مدد کرو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی کشادہ دلی، محبت انسانیت اور رواداری کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔" مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہو گا[4]

بائبل میں ایک دوسری جگہ مصیبتوں اور پریشانیوں پر صبر کی تلقین ہے کہ معاشرے کے دیگر افراد یا مذاہب کے پیروکاروں کی

---

[1] متی ۱۲، آیت ۲۵

[2] امثال ۶، آیت ۱۶ تا ۱۹

[3] متی ۵، آیت ۱۷

[4] لوقا ۶، آیت ۳۵

طرف سے اگر ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو اس پر صبر و تحمل، برداشت کا مظاہرہ کرنے کا بڑا اجر قرار دیا ہے۔ پولس رسول کہتا ہے کہ ۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ مصیبتوں میں بھی فخر کریں یہ جان کر کہ مصیبت سے صبر ہوتا ہے اور صبر سے پختگی اور پختگی سے امید پیدا ہوتی ہے۔'[1]

معاشرے کے اندر نفرت، حسد، تفرقہ بازی، جھگڑے انتشار کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ محبت، مہربانی برداشت اور امداد باہمی کا ماحول ہو۔ بائبل اس پھل کو پیدا کرنا چاہتی ہے جس کی اساس نیکی، محبت ہمدردی اخوت ہو۔ اس کو بائبل اس طرح بیان کرتی ہے۔ مگر روح کے پھل محبت خوشی اطمینان تحمل، مہربانی نیکی ایمانداری، حلم پرہیز گاری ہے ایسے کاموں کی کوئی شریعت مخالف نہیں اور جو مسیح یسوع کے ہیں انہوں نے جسم کو اس کی رغبتوں اور خواہشوں سمیت صلیب پر کھینچ دیا ہے[2]

خدا انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ حضرت مسیح کی تعلیم یہ تھی کہ تم بھی انسانوں سے محبت کرو ان کی بھوک و افلاس میں ان کی مدد کرو ان کے دکھ درد کے ساتھی بنو۔ گویا خدائی تعلیم انسان دوستی کی تلقین کرتی ہے تم بھی انسان دوست بنو اور بلا رنگ و نسل و مذہب فقط انسان کے کام آؤ انسان سے محبت کرو حضرت مسیح کا فرمان اس حقیقت کی طرف اس طرح رہنمائی کرتا ہے۔

"میں بھوکا تھا اور تم نے مجھے کھانے کو دیا میں پیاسا تھا اور تم نے مجھے پینے کو دیا میں پردیسی تھا اور تم نے میری خاطر داری کی ننگا تھا اور تم نے مجھے پہنایا، بیمار تھا اور تم نے میری عیادت کی قید میں تھا اور تم میرے پاس آئے۔ چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسا کیا تو میرے ہی ساتھ کیا۔[3]

درج بالا قول میں حضرت مسیح نے سماجی زندگی کی طرف توجہ دلائی اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین و ترغیب دی۔

بائبل کی اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے عیسائی مفکر عمانویل عاصی رقمطراز ہے

: خدا انسان کی مستقل و تنبیہ اور حالات زندگی میں متجسد ہے اب وہ صرف ان ۵ سے ۱۰ فیصد پر سکون اور آسودہ حال لوگوں کا خدا ہی نہیں رہا جن کے نزدیک خدا خوبصورت جائے عبادتوں میں رہتا ہے اور اجنبی زبانوں اور غیر ثقافتی علامات میں ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اب خدا نوے فیصد غریب عوام کی زندگی میں فعال ہے اور ان کی عملی زندگی میں حقیقت بن کر اترا ہے۔ ہاں یہ بھی مقدس الہام میں لکھا ہوا ہے یہ نئی اور اضافی بات نہیں۔ انبیاء اور اولیا کرام نے ہر دور میں ایمان کے سماجی تقاضوں کی سچائی کی طرف مائل و قائل کرنے کی الہامی و نبوتی جدوجہد کی۔[4]

---

[1] رومیوں ۵، آیت ۳ و ۴

[2] گلتیوں ۵، آیت ۲۲ تا ۲۴

[3] متی ۲۵، آیات ۴۰

[4] عاصی، عمانویل، **غریبوں کا مقدمہ**، (گجرانوالہ، مکتبہ عنادیم، ۱۹۸۹ء)، ص ۵۱

مذہبی رواداری اور حضرت مسیحؑ کا ہمہ گیر اعلان:

حضرت عیسیٰ نے جب اپنی تعلیمات کو معاشرے میں پیش کیا تو دیگر مذاہب کی تعلیمات کا رد کرنے کے بجائے آپ نے گذشتہ انبیاء کی تعلیمات کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے عصری تقاضوں کے مطابق ان کے اصلاحی کاموں کی تکمیل کی بات کی۔ آپ نے بر ملا اس کا اظہار کیا کہ میں گذشتہ مقدس الہامی کتب کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ میں ان ہی کا تسلسل ہوں ۔ میری تعلیمات انوکھی یا اپنی طرف سے گھڑی ہوئی نہیں ہیں بلکہ گذشتہ انبیاء کرام کی تعلیمات کا تسلسل ہے ۔ اس اعلان کے ذریعے آپ نے تمام مذاہب کے پیروکاروں کو وحدت کی طرف بلایا۔ اور تعصب اور تنگ نظری جو ان کے اندر حضرت مسیحؑ کے لئے پیدا ہو چکی تھی اس کو ختم کرنے کے لئے ان کو بھرپور دعوت دی اور سچائی راست بازی کے ان ہی اصولوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی جو گذشتہ انبیاء کی دعوت کا حصہ تھے۔ متی کی انجیل کے مطابق حضرت عیسی نے اپنے وعظ کے دوران فرمایا۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا (بنی اسرائیل کے نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت سے ہر گز نہ ملے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔'[1]

حضرت مسیحؑ کے مذکورہ رجحان ساز ارشادات کے باوجود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیحیت کے مذہبی ارباب فہم و دانش اور حکمرانوں نے کہیں کسی کے ساتھ رواداری کا معاملہ اور برتاؤ کیا ہے یا ان کے ساتھ رواداری کا معاملہ کیا گیا۔ تاریخ اس سوال کا جواب نفی میں فراہم کرتی ہے۔ مسیحیت کے مغلوب تھے تو ان پر خوب ظلم و ستم کئے گئے مال و جان عزت کی تعذیبیں دی گئیں ۔ پھر وہ جب غالب ہوئے تو انہوں نے جیسے کروگے ویسے بھروگے کے مقولہ کے مطابق خوب ترکی بہ ترکی جواب دیا اور انتقام کی آگ ٹھنڈی کر دی، ڈاکٹر احمد شبلی مسیحیت پر ہونے والے مظالم اور ان کے ہاتھوں دوسروں پر ہونے والے مظالم کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے۔

" استط بالمسيحين ونزلت بهم الوان من الضيم والخسف والوحشيةعندما كانو ضعافاً مغلوبين على امرهم فلما آل السلطان انزلوا بمخالفيهم الوان العذاب بنفس الوحشية التي عوملوا بها او باكثر منها [2]

ترجمہ: مسیحیوں پر تشدد کیا گیا تذلیل زیادتی اور وحشیت کی گوناگوں سزائیں دی گئیں جب وہ مغلوب اور کمزور تھے۔ اور پھر جب انہیں قوت و غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے مخالفین کو اسی طرح قسم قسم کی تعذیبیں دی اسی وحشت کے ساتھ یا اس

---

[1] متی ۵، آیات ۱۸

[2] احمد شبلی، ڈاکٹر، **مقارنۃ الادیان المسیحیۃ المصریہ** (، مکتبہ النھضتہ، 1960ء) ص ۳۳

سے بھی زیادہ جس طرح کہ ان کے ساتھ ہوا تھا۔
مسیحیت پر ظلم و جبر عقیدہ کی جبری تبدیلی اور مذہبی تبلیغ کی ممانعت کا آغاز ابتداء ہی سے ہوا تھاڈاکٹر شبلی اس قضیہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

وقد بدأ اضطهاد المسيحين منذ عهد مبكر وكان المسيح ضحية هذاالاضتهاد وقد نزل بأتباعه مثل مانزل به من العسف والظلم وكان مصدر هذه القسوة اليهود " [1]

ترجمہ: بلاتر دو مسیحیوں پر مذہبی جبر و ظلم و ستم کا آغاز روز اول ہی سے ہوا اور خود مسیح اس جبر کی قربانی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ اور اسی طرح پے در پے مظالم اور زیادتیاں ان کے اتباع کے ساتھ آتی گئیں اور اس ظلم کا منبع یہود ہی تھے۔
عیسائی مذہب جو یہودیت کی گود سے پیدا ہوا تھا اس پر یہودیوں نے مظالم کے ایسے پہاڑ توڑ ڈالے کہ آج انسان اسے پڑھتا ہے حو اس باختہ ہو جاتا ہے۔ یہودی جو پیغمبروں کی نسل سے ہیں ہوش و حواس میں حضرت مسیح کی جان لینے کے در پے تھے یہودیوں نے ان کے اختلاف رائے اور مذہبی تبلیغ کے حقوق ماننے کے بجائے ان کو تختہ دار تک پہنچانے کے ساز باز کرنے لگے۔ عیسائیوں پر ظلم و ستم کے یہ منحوس سائے تقریبا چار صدیوں پر محیط تھے ان کے الفاظ میں اس طویل عرصہ مظلومیت کو دور ابتلاء کہا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے مسیحیت کے دور ابتلاء ان پر توڑے جانے والے مظالم، عدم برداشت اور عدم رواداری کو درج الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک مسیحیت ایک مغلوب اور مشہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا ہے اس دور کو عیسائی مورخین دور ابتلا (Ageofpersecution) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس عرصے میں عیسائیوں پر سیاسی طور پر رومی مسلط تھے اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انہیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے"[2]
اندازہ کیا جائے چار سو سال کوئی معمولی عرصہ نہیں ہے جس میں نصاری اور مسیحی برادری دیگر اقوام اور مذہبی فرقوں کی طرف سے ظلم و ستم، جبر و بربریت، عدم رواداری اور تعصب کا سامنا کرتی رہی ان کے شہری حقوق سلب کئے گئے تھے ان کی جان و مال کی حفاظت نہ تھی ان کے انسانی بنیادی حقوق پامال کئے گئے تھے تقریبا ٹھیک تین سو سال بعد مسیحیت کے حق میں ایک زبر دست تبدیلی آئی اور وہ یہ کہ روم کے نئے حکمران قسطنطین اول کو نیا بادشاہ مقرر کیا گیا اس نے اپنے زمانہ حکومت کو مضبوط کرنے کی تدبیر یہ سوچی کہ بت پرستی کے بجائے مسیحیت کو بطور ریاستی مذہب قبول کیا جائے اور پھر ریاستی اداروں کے استحکام کے لئے عیسائی پاپ اور پادریوں کو ریاست کے جزء پرزے بنا کر عوام کی دعوت و تبلیغ، ریاست کی اطاعت اور فرمان برداری پر مامور کئے جائیں۔ یہی ہوا قسطنطین نے مسیحیت قبول کر لی اور پاپ و پادری ان کی حکومت کے کل پرزے بن گئے۔ مولانا محمد

---

[1] ایضاً احمد شبلی، ڈاکٹر، **مقارنته الادیان المسیحة المصریه**، (مکتبہ النھضتہ، 1960ء) ص ۳۳
[2] عثمانی، مفتی تقی، مولانا، **مسیحیت کیا ہے**، (کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۷۶ء) ص ۲۸

تقی عثمانی صاحب مسیحیت کے حق میں یہ تبدیلی درج ذیل الفاظ میں ذکر کرتے ہیں
"۳۰۶ء مسیحیت کی تاریخ میں بڑا خوش گوار سال ہے اس لئے کہ اس سن میں شاہ قسطنطین اول روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا۔ اس نے قسطنطینہ، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز دے کر انہیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا۔ اور اسی وجہ سے سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف واکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا، اس سلسلہ میں نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل، جو نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا۔ اور اس کے منکر (مثلاً اریوس وغیرہ) کو مذہب سے خارج کر دیا گیا اس موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا۔"[1]

مسیحیت میں بین المذاہب تعلقات کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، اور یہ تعلیمات انسانیت کے لیے محبت، احترام اور برداشت کی بنیاد پر استوار ہیں۔ یسوع مسیح کی زندگی اور اس کے پیغامات نے مختلف عقائد رکھنے والوں کے درمیان باہمی احترام اور ہم آہنگی کو فروغ دیا ہے۔ مسیحیت میں غیر عیسائیوں کے ساتھ تعلقات میں محبت اور امن کا پیغام شامل ہے، اور یہ اصول قرآن و سنت کی طرح انسانیت کے فائدے کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔

مسیحیت میں بین المذاہب تعلقات کی بنیاد محبت، احترام اور معافی پر ہے۔ یسوع مسیح کی تعلیمات نے انسانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک، برداشت اور تحمل کے ساتھ پیش آنے کی ہدایت دی ہے۔ مسیحیت میں غیر عیسائیوں کے ساتھ تعلقات میں امن، محبت، اور معافی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، تاکہ دنیا بھر میں امن اور ہم آہنگی قائم کی جاسکے۔

مسیحیت میں بین المذاہب تعلقات کی اہمیت کا مقصد انسانیت کے درمیان محبت، احترام، اور برداشت کی بنیاد پر تعلقات قائم کرنا ہے۔ یسوع مسیح کی تعلیمات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ بھی حسن سلوک، محبت، اور معافی کے ساتھ پیش آئیں تاکہ دنیا میں امن اور ہم آہنگی قائم ہو سکے۔ یہ اصول مسیحیت کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کے عقائد کا احترام کرنے اور عالمی سطح پر امن کی کوششوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔

---

[1] ایضاً عثمانی، مفتی تقی، مولانا، **مسیحیت کیا ہے**، (کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۷۶ء)، ص ۲۸

یہودیت میں بین المذاہب تعلقات کی تعلیمات

تاریخی حقائق کو جاننے کے بعد یہ صورتحال سامنے آئی ہے کہ یہودیوں کا تاریخ کے مختلف ادوار میں مذہبی تنگ نظری، عدم رواداری، دیگر مذاہب اور انسانوں، اقوام کے ساتھ گھلنے ملنے سے احتراز نظر آتا ہے ان کا طرز عمل عدم رواداری پر مبنی ہے مگر اس سے متضاد ان کے ربیوں کی تعلیمات، اقوال اور ان کی کتابیں مختلف افکار دیتی نظر آتی ہیں۔ یہودیوں کے ربی میئر اپنی تعلیم میں یہ لکھتا ہے کہ۔

"یہودیت کا مقصد نوع انسان کو علیحدہ کرنا نہیں بلکہ متحد کرنا ہے اور یہ ربی میئر کی زندگی کا ایک عظیم اصول تھا۔ [1]

مزید بیان کرتا ہے کہ "ہر آدمی انکساری حلیمی میں چلے نہ صرف اپنے مذہب کے ساتھ بلکہ ہر انسان کے ساتھ۔ [2]

درج بالا اقوال ربی اس نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہودیت کا مقصد نوع انسان کو متحدہ کرنا ہے اور دوسرا اشارہ واضح طور پر مذہبی رواداری کی طرف ہے کہ دیگر مذاہب کے افراد کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آؤ جس طرح اپنے ہم مذہب کے ساتھ پیش آتے ہو۔

لیکن افسوس تالمود میں ذکر کیا ہوا یہ مقصد فقط ایک کتابی بات سے زیادہ اہمیت کا حامل نہ بن سکا۔ تاریخی واقعات اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ یہودیوں نے عملی طور پر انسانی معاشرہ کے اندر خفیہ سازشوں مذہبی عناد کی بنیاد پر انتشار و افتراق پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور آخر میں حضرت محمد علیھم السلام کے خلاف جن تاریخی سازشوں کا تانا بانہ یہودیوں نے بناوہ تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ کاش یہودی اپنے ربی کے اس قول کو عملی زندگی میں اختیار کرتے اور انسانی معاشرے میں اتحاد و اتفاق کی فضا کے لئے جدوجہد کرتے۔ یہودیوں کا ربی ابایاہ ان الفاظ میں نصیحت پیش کرتا ہے

"اسے خوش اخلاق بھی ہونا چاہیے اور سب لوگوں کے درمیان شفیق باتوں کو سرانجام دینا چاہئے اسکہ وہ خود ہی اپنے کاموں سے خدا اور اس کی مخلوق سے محبت کو حاصل کرے۔ [3]

ربی "ربا" اپنے شاگرد کو حکمت کے بارے میں سمجھاتے ہوئے کہتا ہے۔

---

[1] ایچ۔ پولانو، (اردو ترجمہ سٹیفن بشیر)، **تالمود**، گجرانوالہ، (مکتبہ عناویم پاکستان 3۲۰۰ء) ص ۱۴۱

[2] ایضاً

[3] ایچ۔ پولانو، ص 161

فیاضی سے انصاف کرو پاکیزگی سے سوچو اور اپنے ہمسائے سے محبت کرو[1]

یہ اقوال جہاں معاشرے میں محبت اور شفقت کے اوصاف پیدا کرنے کی طرف اشار دے رہے ہیں وہاں کل مخلوق کے ساتھ محبت کے وسعت پذیر نظریے کی طرف رہنمائی ہے اس کے علاوہ ہمسائے کے حقوق مذہبی جس کی پاکیزگی جو کہ عداوت، نفرت کی آلائشوں سے پاک ہو اور معاشرے میں انصاف پسندی اور دوسروں کی خدمت کی سوچ دیتے ہیں۔

مگر یہودیوں کے عملی طرز عمل نے ان اقوال کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ قرآن پاک ان کی تاریخی عملی کردار کو جو ان اقوال کی ضد ہے کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

﴿مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: تم پر تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ اتارا گیا ہے وہ یہود میں بہتوں کے کفر اور شرارت کے بڑھ جانے کا سبب ہو جائے گا اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لئے ڈال دیا ہے جب جانے کا سبب ہو جائے گا اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لئے ڈال دیا ہے جب یہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس آگ کو بجھاتا ہے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لئے یہود ہر جگہ کوشاں رہتے ہیں جبکہ اللہ فساد کرنے والوں کو مطلق پسند نہیں کرتا۔

درجہ بالا قرآنی آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہودیوں کے ذہن عداوت اور معا معاشرے کے دیگر افراد کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں اور معاشرے میں فتنہ فساد کروا کے معاشرے کو جنگ کی آگ میں دھکیلتے ہیں۔ گویا تالمود کے ان ربیوں کے اقوال اور ان کا تاریخی عمل باہم متضاد نظر آتا ہے۔ جہاں وہ اپنی تعلیم میں انسانوں سے محبت اور ذہنی پاکیزگی کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف معاشرے کے لئے وبال جاں بنتے ہیں۔

تالمود میں یہودیوں ربیوں کے اقوال امثال اور روایات جن سے محبت، اخوت، خدمت انسانیت، فیاضی، پاکیزگی، کشادہ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ آدمی اپنے ہمسائے کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے لیکن اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا۔

۲۔ پیار و محبت میں تھوڑی سی جگہ بھی کافی ہوتی ہے جبکہ نفرت میں کشادہ مکان بھی تنگ لگے گا۔

3۔ اپنے بزرگوں کی باتوں کو مانو نوجوانوں سے خوش اخلاقی سے بات کرو اور سب انسانوں سے دوستانہ رویہ رکھو۔

---

[1] ایچ۔ پولانو، ص161

[2] المائدہ:64

۴۔ سچ بھاری ہے اس لئے اسے چند لوگ احتیاط سے اٹھائے رکھتے ہیں۔
۵۔ دوسروں کے لئے اپنی مرضی کی قربانی دے تا کہ وہ تیرے لئے اپنی مرضی کی قربانی کو انجام دے سکیں۔
6۔ وہ جو اپنے غصے پر قابو رکھتا ہے اپنے گناہوں کی معافی کا حق رکھتا ہے۔
7۔ جو انسان کو پیار کرتا ہے خدا کو پیار کرتا ہے۔
8- کون عزت کا مستحق ہے؟ وہ جو انسانوں کی عزت کرتا ہے۔
9۔ کسی آدمی کی حقارت نہ کرنا اور نہ ناممکن کو کچھ سمجھنا ہر آدمی اپنا وقت اور ہر چیز اپنی جگہ رکھتا ہے۔
۱۰۔ تمسخر اڑانے والا جھوٹا، منافق اور تہمت باندھنے والوں کا مستقبل کی دنیا میں کوئی حصہ بخرہ نہیں ہے۔ تہمت باندھنا قتل کے مترادف ہے۔
۱۱۔ بائبل مقدس ہمیں امن قائم رکھنے کے لئے دی گئی ہے۔
۱۲۔ وہ جو اپنے دوست کا دل دکھاتا ہے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ دل دکھانا یا توڑنا قتل کے مترادف ہے۔
۱۳۔ ایسے شخص کو دوست نہ بناؤ جس کا ظاہر اور باطن ایک سانہ ہو۔
۱۴۔ احمق ہے وہ شخص جو دوسروں کو سائے سے محروم رکھتا ہے۔
۱۵۔ ہر اچھے کام جو ہم اس دنیا میں کرتے ہیں ان کا اجر ہمیں مستقبل کی دنیا میں ملے گا۔
۱۶۔ ربی یعقوب کا قول ہے (بے انصاف خدا کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا)۔[1]

عہد نامہ قدیم میں حضرت ابراہیم کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے جو انسانوں کے ساتھ انصاف پسندی مہربانی اور خدمت انسانیت کی تعلیم پر مشتمل ہیں جن سے معاشرتی رواداری کے تصور کی وضاحت ہوتی ہے

تالمود میں ایک قول ابراہیم کو اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگوں کو کپڑے دینا مصیبت زدہ کے ساتھ مہربانی سے بولنا سب انسانوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا اور ہمیشہ ابدی خدا کا شکر ادا کرنا۔[2]

درج بالا اقوال یہودیوں کی مقدس کتاب تالمود کا حصہ ہیں۔ گذشتہ تاریخی واقعات سے موازنہ کر کے ان اقوال کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کی قوم و فعل میں تضاد رکھنے والی واحد قوم ہے۔ جو اپنی مقدس کتابوں میں جن اخلاقیات،

---

[1] ایچ۔ پولانو، (اردو ترجمہ سٹیفن بشیر)، **تالمود**، ص183 تا189

[2] ایچ۔ پولانو، (اردو ترجمہ سٹیفن بشیر)، **تالمود**، ص48

وسعت نظری، ہمدردی کا تذکرہ کرتی ہے بلا رنگ ونسل و مذہب انسانوں سے محبت، سچائی کا درس دیتی ہے عملی طور پر ریشہ دوانیوں، سازشوں جنگ کی آگ بھڑکانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ سے لے کر موجودہ اسرائیل کے وجود تک تاریخ چیخ چیخ کر نوحہ کناں ہے کہ ان کی تنگ نظری، درپردہ خفیہ نفرت انگیز چالبازیوں، سازشوں نے معاشرے میں کتنا انتشار وافتراق پیدا کیا خاص طور پر ان کا مذہبی عدم رواداری کا ذہن جس نے ہر دور میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے خلاف بغض، عداوت اور منافقت کا کردار ادا کیا۔ یہودی اپنی تاریخ کے آئینے میں عدم رواداری، تنگ نظری اور گروہیت پر قائم و دائم رہے اور کتب مقدس کی روشنی میں ان کے پاس ایسی تعلیمات موجود تھیں جن کو کے ساتھ اپنا کر وہ معاشرہ انسانیت میں خصوصاً دیگر مذاہب کے ساتھ امن و آشتی سے چل سکتے نے حضرت موسیٰ جو کہ بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں انہوں نے یہودیوں کو زندگی گزارنے کے ایسے اصول دیئے جن کی اساس انسانیت سے محبت معاشرے میں امن اور رواداری اخلاقی گراوٹوں سے احتراز اور توحید الٰہی تھا۔ یہودیوں کی زندگی کی بنیادیں ان اقوال اور فرامین پر استوار ہیں حضرت موسیٰ پر دس فرامین کوہ سینا پر نازل ہوئے یہی موسوی شریعت کی اساس بنے یہ فرامین درج ذیل ہیں۔

ا۔ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔

۲۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔

3۔ تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔

4۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا۔

5۔ تو سبت کا دن یاد کر کے پاک ماننا۔

۶-تو خون ریزی نہ کرنا۔

7۔ تو زنا نہ کرنا۔

8-تو چوری نہ کرنا۔

۹۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر لالچ نہ کرنا۔[1]

درجہ بالا فرامین ایک مہذب اور با اخلاق معاشرے کے قیام کے اصول تھے صدیوں سے یہودی ان فرامین سے رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں یہودیوں نے اپنے بعد کی تصانیف مثلاً تالمود وغیرہ میں ان ہی فرامین کو بنیاد بنایا۔ حضرت موسیٰ کے ان فرامین

---

[1] خروج 17:20

میں فرمان نمبر 6 سے 10 تک ہر ایک کا تعلق براہ راست انسانی معاشرے کے حقوق امن وامان عدل و انصاف کے ساتھ ہے حضرت موسی اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بنی اسرائیل تک پہنچاتے ہیں کہ معاشرے میں خون ریزی نہ کرنا یعنی ہر قسم کے تعصب سے پاک ماحول پیدا کرنا کسی عداوت، بغض اور نفرت کی بنیاد پر معاشرے کے اندر قتل و غارت گری کی ممانعت فرمائی۔ اگر فرمان نمبر 6 کو معاشرے کی تشکیل میں اساس بنایا جائے تو معاشرہ میں صبر و تحمل، برداشت اور انسانی جان کی حرمت کی فضا پیدا ہو جائے اور معاشرہ میں رواداری پر مبنی ماحول پیدا ہو جائے اور اسی طرح دیگر فرامین جن میں زنا نہ کرنا چوری نہ کرنا اور پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا شامل ہے بھی معاشرے میں امداد باہمی بقائے باہمی کا ماحول پیدا کرنے میں معاون ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ "معاشرے کے مرد اور عورت کی عزت ناموس اور عصمت کی حفاظت کا درس دیتے ہیں اور پڑوسی کے حقوق کا خیال کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔۔ یہاں پڑوسی کسی بھی نسل، قوم اور مذہب سے متعلق ہو سکتا ہے۔ گویا پڑوسی کے حقوق کے تحفظ کا تصور معاشرے کے تمام افراد کے حقوق کی پاسداری کی طرف لے جا کر عمومی طور پر محبت اور رواداری پیدا کرنے کا ذریعہ ہے بنی اسرائیل میں کئی پیغمبر گزرے ہیں جنہوں نے معاشرے کی درستگی، سچائی اور انصاف کی تبلیغ کی ان کے شاگردوں نے ان کی تعلیمات کو نہ صرف سمجھا بلکہ انہیں آگے معاشرے میں پھیلایا۔ ان کی یہ تعلیمات اب بائبل کا حصہ ہیں مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا میں لیوس مور اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ آٹھویں صدی قبل مسیح کے سماجی اور سیاسی نشیب و فراز میں پیغمبرانہ تحریک نے چار نمایاں شخصیات عاموس، ہوسیع ،یسعیاہ اور میکاہ پیدا کیں جنہیں ان کی پیش گوئیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بہادری کے باعث یاد کیا جاتا ہے جس کے ساتھ انہوں نے اپنے دور کی معاشرتی بے انصافیوں کے خلاف احتجاج کیا اور خوبصورت دل موہ لینے والی زبان میں اسرائیلیوں کو اپنے خدا کی طرف لوٹ آنے کی نصیحت کی خداوند یوں فرماتا ہے۔" میں اسرائیل کے تین بلکہ چار گناہوں کے سبب سے انہیں بے سزا نہ چھوڑوں گا کیونکہ انہوں نے چاندی کے لئے صادق کو بیچ دیا اور مسکین کو جوتیوں کے جوڑے کی خاطر۔ وہ مسکینوں کے سر پر کی گرد کا بھی لالچ رکھتے ہیں اور حلیموں کو انکی راہ سے گمراہ کرتے ہیں۔ [1]

"بدی کے نہیں بلکہ نیکی کے طالب ہو تا کہ زندہ رہو اور خداوند رب الافواج تمہارے ساتھ رہے گا جیسا کہ تم کہتے ہو۔ بدی سے عداوت اور نیکی سے محبت رکھو اور پھاٹک میں عدالت کو قائم رکھو شاید خداوند رب الافواج بنی یوسف کے بقیہ پر رحم کرے [2]

[1] عاموس ۲-۶

[2] عاموس ۵:۱۴، ۱۵

میں کیا لے کر خداوند کے حضور آؤں اور خدا تعالیٰ کو کیونکر سجدہ کروں کیا سوختنی قربانیوں اور ایک سالہ بچھڑوں کو لے کر اس کے حضور آؤں؟ کیا خداوند ہزاروں مینڈھوں سے تیل کی دس ہزار نہروں سے خوش ہوگا؟ کیا میں اپنے پہلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض میں اور اپنی اولاد کو اپنی جان کی خطا کے بدلہ میں دے دوں۔ اے انسان اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے۔ تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خداوند کے حضور فروتنی سے چلے۔[1]

یہ الفاظ نجومیوں کے نہیں بلکہ پیغمبروں کے ہیں جو لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے تھے قدیم اسرائیل کی پیغمبرانہ تحریک دنیا کے کسی بھی مذہب کی بنیادی اخلاقی اور ادبی اقدار میں بہت نمایاں حصہ دار رہے"[2]

کتب مقدسہ کے حوالے سے یہودیوں کی حقیقی تعلیم یہ تھی کہ وہ دوسری اقوام کے لئے ہدایت نجات اور سچائی کا ذریعہ بنیں اور تمام دنیا کی اقوام کیلئے بھلائی اور عزت وامن و آشتی کے ذریعے ہدایت کی روشنی کا باعث ہوں۔ عہد نامہ قدیم میں لکھا ہے۔

"بلکہ میں تجھ کو قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی کلام مقدس جس میں عہد نامہ قدیم اور ان کی مستند کتاب تالمود کی تعلیمات جن کا تعلق معاشرے میں انسانوں کے ساتھ محبت، عمدہ برتاؤ اور اخوت کے ساتھ ہے اس کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ یہودیوں کے پاس جو تعلیمات ہیں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبروں کی تعلیمات پر مشتمل ہیں جن کی دلیل عہد نامہ قدیم ہے ان پیغمبروں نے یہودی قوم کو راست بازی انسان دوستی اور محبت کا درس دیا ان ہی تعلیمات کی روشنی میں یہودی مذہبی مفکرین جن کو ربی کہا جاتا ہے کے اقوال وروایات تالمود کی صورت میں مدون کئے گئے۔ ان اقوال کے مطالعے سے بھی یہ وضاحت ہوتی ہے کہ راست بازی مخلوق خدا کی خدمت صبر و تحمل برداشت کی تلقین ہوتی ہے اور بعض اقوال تو براہ راست دیگر مذاہب وعقائد کے افراد کے ساتھ محبت اور عمدہ برتاؤ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں

انسانی حقوق کی پاسداری کرنے، معاشرے کی مختلف جہتوں میں انسانوں کے بنیادی حقوق کا خیال رکھنے کا درس واضح طور پر موجود ہے۔ تالمود کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی ہے کہ یہودی تعلیمات کا پرچار کرنے والے ربی طرح طرح کے گھناؤنے مظالم کا شکار کئے گئے ان پر ایسے مظالم ہوئے کہ تاریخ کانپ اٹھتی ہے مگر انہوں نے صبر و تحمل ارباب واختیار کی یہ قربانیاں اس وجہ سے بھی تھیں کہ وہ اپنی قدیم روایاتوں عقائد اور مسلک پر حد درجہ یقین رکھتے تھے۔ اور اس کی خاطر مر مٹنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے اگرچہ کہ عہد نامہ قدیم اور تالمود میں ربیوں کے اقوال محبت، ہمدردی اور اجتماعیت کی طرف

---

[1] میکاہ باب ۲:۲۸

[2] مورلیوس (مترجم: یاسر جواد، سعدیہ جواد)، **مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا**، لاہور نگارشات، 2000ء، ص 99 تا 100

رہنمائی کرتے ہیں لیکن یہودی قوم تاریخ کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایک ذہنی اور نفسیاتی کیفیت سے دوچار ہو کر رہ گئی یہ آگے چل کر ان کو معاشرے میں تنہا کر گئی۔ ان کی کتابوں اور تاریخ سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ وہ ذہنی کیفیت ان کا یہ تصور تھا کہ یہودی قوم پورے کرہ ارض کی ایک منفرد اور اچھوتی قوم ہے خدا کی ساری قوتیں اور امداد فقط یہودیوں کے لئے ہے۔ اور نسلی تفاخر رفتہ رفتہ قومی عصبیت کی شکل اختیار کر گیا یہودیوں کی اس ذہنیت نے ان کی مقدس تعلیمات کی جگہ لے لی اور ان کو تاریخ میں بے انتہا مظالم سے بھی دوچار ہونا پڑا اور پوری دنیا میں وہ بے یار و مددگار ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔ یہودیوں کی اس تنگ نظری تعصب کا مظاہرہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوا تاریخ کے مطالعے سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ نسلی تفاخر اور تعصب کی وجہ سے انہوں نے انبیاء کے ساتھ بھی زیادتیاں کیں انبیاء کی حقیقی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنی متعصب ذہنیت کی بنیاد پر ایسی رجعت پسندی اختیار کی اور اس پر ڈٹ گئی جب کبھی کسی نبی نے ان کو عصری تقاضوں کے مطابق اور حقیقی سچائی کی طرف بلایا اور ان کی ظاہر پرستی، تحریف پسندی اور نسلی تفاخر پر تنقید کی تو وہ اس کے دشمن ہو گئے نہ صرف اس کا انکار کیا بلکہ اپنے متعصبانہ رویوں سے معاشرے میں ان کی تحریک میں ایسی رکاوٹیں ڈالیں کہ پورا معاشرہ انتشار و افتراق میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسی کی مثالیں شاہد ہیں کہ کس طرح انہوں نے ان کی دعوت کے جواب میں ان کو تکلیفیں دیں۔ ان کا مذاق اڑایا اور حضرت عیسیٰ کو صلیب تک پہنچانے میں بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت عیسی کے خلاف ان کے سفاکانہ رویوں اور افعال کے بعد عیسائیوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت اور تعصب بھر گیا اور متعصبانہ نتیجہ معلوم کہ عیسائیوں نے جب اقتدار سنبھالا تو طرح طرح کی اذیتوں میں یہودیوں کو مبتلا کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ یہودیوں نے اپنی تاریخ میں عیسائیوں اور دیگر مذہبی عقائد کے خلاف بھی انتہا درجے کے مظالم کو روا رکھا اور خاص طور عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور دیگر مذاہب کے خلاف سازشوں کے ایسے تانے بانے بنے کہ مذہبی جنگوں، فتنہ فساد کا معاشرے میں بازار گرم رہا۔ عیسائیوں کے ساتھ مذہبی بغض و عناد تو تاریخ کا حصہ رہا مگر آگے چل کر جب دین ابراہیمی کی آخری کڑی اسلام جب پیغمبر اسلام کی بعثت سے ظہور میں آیا تو یہودیوں نے گذشتہ تسلسل کو برقرار رکھا اپنی متعصبانہ ذہنیت کی وجہ سے سے ان کی عقل و بصیرت پر ایسے پردے پڑے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی ان تعلیمات کو جو حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا جامع تھیں کا سرے سے انکار کیا اور ہر طرح سے اس کے خلاف کمربستہ ہو گئے

جہاں جہاں وہ آباد تھے انہوں نے درپردہ سازشوں کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے اور اسلام دشمن دیگر قوتوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تحریک کو نقصان پہنچانے کی مسلسل تگ و دو میں مصرف عمل رہے۔ یہودیوں کی تنگ نظری اور تاریخی تعصب ایک طرف اور ان کی کتابوں کی تعلیم ایک طرف۔ یہ ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ یہودی قوم جس میں سب سے زیادہ پیغمبروں کا ظہور

ہوا اگر پیغمبروں کی رواداری اور محبت انسانیت پر مبنی تعلیمات کو رگ جاں بناتے اور دنیائے انسانیت کی فلاح کے لئے کام کرتی تو کوئی شک نہیں کہ ان کو تاریخ میں ایسے گھناؤنے کردار کا شکار نہ ہونا پڑتا عصر حاضر میں یہودیوں کی اسی تاریخی تسلسل کی عکاسی ہوتی ہے جہاں انہوں نے اسرائیل میں اپنی الگ اور پر تعصب سوچ کی بنیاد پر ایک ریاست تشکیل دی اور تمام دنیا کے یہودیوں کو اس میں بسنے اور اپنی تمام دولت اسی مقصد کے لئے وقف کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔۔اسی تنگ نظری اور عالمی معاشروں کو اپنے جبر و طاقت کے زریعے منتشر کرکے اپنے نسلی اور مذہبی بالادستی کے قیام کے کئی منصوبے منظر عام پر آچکے ہیں جن میں ایک یہودی پروٹوکولز کے نام سے دستاویزات منظر عام پر آئیں ہیں جن سے یہودیوں کے اس تعصب کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دیگر تمام مذاہب کو باطل سمجھتے ہوئے ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عملی منصوبہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے عالمی حالات کو افراتفری اور طوائف الملوکی کا شکار کرنے کی حکمت عملی پر کام شروع کیا ہوا ہے۔ایسے عالم میں بلا تعصب یہ تجزیہ سامنے آتا ہے کہ یہودی عالمی امن و امان کے لئے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی معاشرے میں امن دامان کے قیام کے لئے توریت اور تالمود کی ان تعلیمات کو اختیار کرنا چاہئے جو انسانوں کا احترام محبت اور خدمت کا نظریہ دیتی ہیں۔اگر یہودی عہد نامہ قدیم اور تالمود جو کہ اگرچہ تحریف سے پاک نہیں سمجھے جاتے بہر حال پھر بھی اگر ان میں موجود اقوال و آیات کو عمل میں لایا جائے ان کا پرچار کیا جائے اور وہ دیگر اقوام کے ساتھ شیر و شکر ہوں اور اپنے ذہنوں میں ان کی سمائی پیدا کریں اور عالمی سطح پر خدمت اور رواداری کا ماحول پیدا کرنے کے لئے سامنے آئیں دنیا کے اکثر وسائل پر ان کا کنٹرول ہے اگر وہ ان وسائل کو دنیائے انسانیت کی خدمت بہتری اور امن وامان کے لئے بروئے کار لائیں تو کوئی شک نہیں سہ دنیا امن و سلامتی کا گھوارہ بن جائے۔

ہندومت میں بین المذاہب تعلقات کی تعلیمات

رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید قدیم مقدس کتب ہیں یہ مقدس کتابیں صفائی قلب اور قول و فعل میں صداقت اور شرافت پیدا کرنے والے پر شکوہ خیالات پر مشتمل ہیں۔ ویدوں میں خدا کو صداقت، انصاف اور کرم کا مخزن قرار دیا ہے اور انسان کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ بار بار اپنی دعاؤں میں ان امور کا خاص خیال رکھے اور اپنے اعمال کو ان کے مطابق بنائے۔

1۔ ہم نے بدی کو فتح اور نیکو حاصل کر لیا گو یا ہم گناہ سے آزاد ہو گئے۔[1]

2۔ اے قادر مطلق! ایک بخیل کو بھی خیرات کرنے کی توفیق دے اسے نیک مزاج بنا۔[2]

3۔ تمام امراض اور ناپاک خیالات کو نکال، دشمنی کے تمام خیالات کو ہم سے کوسوں دور رکھ۔[3]

4۔ اے چشمہ نور! ہماری قوتوں کو نیک اعمال کی راہ پر لگا۔[4]

5۔ مجھے بُرے فعل سے بچا، میں ایماندار بنوں۔[5]

6۔ ایک دوسرے سے ایسے جوشِ محبت سے پیش آؤ جیسے ایک گائے اپنے بچھڑے سے پیش آتی ہے[6]

7- بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے، بہن، بہن پر نامہربان نہ ہو، نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے سے گفتگو ہو۔[7]

8- آپس میں اتفاق، مہربانی اور یگانگت کے ساتھ رہو، سب سے ملائم اور میٹھی بات کرو۔[8]

9۔ خیرات میں دہری برکت ہوتی ہے، لینے والا بھی ماجور ہوتا ہے اور دینے والا بھی۔[9]

یہ ہیں دیدوں کے چند اشلوک جو علم الاخلاق کے اعلیٰ اصول بیان کرتے ہیں۔

انسان کو اس امن، محبت اور یک جہتی کا پیغام دینے والی کتاب بھگوت گیتا کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو صرف نیکوکاری کا خیال کرنا چاہئے۔ نیک زندگی اس لئے بسر نہیں کرنی چاہئے کہ یہ مسرت بخشی کا ذریعہ ہے بلکہ صرف نیکی کی خاطر نیکی کرنا اس کی تعلیم

---

[1] اتھر وید 16،1

[2] یجر وید 33،6(مترجم پنڈت آشورام آریہ، آریہ پرکاش 1594 سیکٹر 7 سی چندی گڑھ بھارت 1988,)

[3] رگ وید 10،63

[4] یجر دید(5،36

[5] یجر وید 28،4

[6] اتھر وید 30،111

[7] اتھر وید 30،3

[8] اتھر وید 30،3

[9] اتھر وید 6،9

ہے۔

مسٹر دی۔ جے کر تنکر نے گیتا کے تمام اصول اخلاق کی تلخیص اس طرح کی ہے:

1۔ کسی جاندار کو نہ ستاؤ

2۔ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرو۔

3- حاجت مند کی مدد کرو، خواہ تم کو ایثار کرنا پڑے۔

4۔ اپنے فرائض کو اس طرح بے غرضانہ طور پر انجام دو گو یا تم صفائی قلب کے ساتھ ہستی برتر کے سامنے اپنی محبت کی نذر پیش کر رہے ہو۔

5۔ دنیوی اشیاء سے دستبر دار ہو جاؤ تا کہ تمہارے خیالات اور اعمال انانیت کی خلش سے دور ہو جائیں، نیز ان دنیوی خواہشات سے نجات پائیں

جو بڑے جذبات پیدا کرتے اور انسان کو گمراہ کرتے ہیں۔[1]

یجر وید میں ایک رشی دوستی، ہم آہنگی اور محبت کی تمنا کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ تمام اشیاء میں مجھے دوست مانیں۔ میں بھی تمام اشیاء کو دوست سمجھوں۔ (خدا کرے) ہم سب ایک دوسرے کو دوست کی نظر سے دیکھیں۔،،

اے دیوتاؤں کا محبوب بنا۔ مجھے راجاؤں میں محبوب بنا۔ میں ہر ایک انسان سے محبت کروں خواہ وہ شودر ہو یا آریا۔[2]

ایک دوسرے سے ایسے محبت سے پیش آؤ جیسے ایک گائے اپنے بچھڑے سے پیش آتی ہے۔ بیٹا اپنے والدین کا مطیع ہو۔ بیوی اپنے خاوند سے ہمیشہ نرم اور شیریں لہجے میں گفتگو کرے۔ بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے۔ بہن بہن سے نامہربان نہ ہو۔ دوستانہ انداز سے ایک دوسرے سے گفتگو کرو۔ اپنے خور و نوش میں دوسروں کو شریک رکھو۔ ایک مشترکہ مقصد کے بندھن میں جوڑ کر میں نے تم سب کو ایک کر دیا ہے۔ ہم آہنگ ہو کر ایک رہنما کی قیادت میں رہو۔ 5 جس طرح دیوتا آب حیات کی نگہبانی اور حفاظت کرتے ہیں۔ صبح و شام تمہارے دلوں میں محبت اور ہم آہنگی ہو۔[3]

اتھر وید میں لکھا ہے کہ: آپس میں اتفاق مہربانی اور یگانگت کے ساتھ رہو سب سے ملائم اور میٹھی بات کرو۔[4]

ویدک دھرم میں امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیمات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان تعلیمات کا مقصد

---

[1] جی اے، چنداور کر، **ہندو اخلاقیات**، مترجم، مولوی غلام ربانی، (ناشر مطبوعہ لارپورٹ مشین پریس، حیدر آباد

[2] اتھر وید، کانڈ 19، سکت 62

[3] اتھر وید، کانڈ 2، سکت 30 منتر 1-7

[4] اتھر وید 30:3

انسان کو اس بات کی طرف راغب کرنا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ شفقت اور رواداری سے پیش آئے، چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے، دوست ہوں یا دشمن۔ ایک انسان کا رویہ سب کے لیے یکساں ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں امن اور ہم آہنگی قائم ہو سکے۔

ویدوں اور دیگر اہم ویدک کتابوں میں امن کی تعلیمات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں انسان کو اپنے دل و دماغ کو پرسکون رکھنے، ہر حالت میں برداشت اور صبر سے کام لینے، اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی و انصاف سے پیش آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ اصول صرف انفرادی زندگی میں سکون لانے کے لیے نہیں بلکہ مجموعی طور پر معاشرے میں امن و سکون قائم کرنے کے لیے ہیں۔

ویدک تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس کے پیروکار نہ صرف اپنی زندگی میں سکون و اطمینان حاصل کر سکتے ہیں بلکہ دنیا میں امن کے قیام میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ امن کی تعلیمات معاشرتی ترقی اور عالمی سطح پر خوشحالی کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

بدھ مت میں بین المذاہب تعلقات کی تعلیمات

بدھ مت کی مذہبی تعلیمات کے وہ احکام جو احکام عشرہ" کے نام سے مشہور ہیں، دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلے پانچ احکام "پنچ شیل" کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی پابندی بدھ مت کے تمام پیروکاروں پر چاہے وہ بھکشو ہوں یا دنیادار، فرض ہے۔ پنچ شیل میں شامل پانچ احکام درج ذیل ہیں:

1۔ کسی بھی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔

2۔ جو چیز تمہیں نہ دی گئی ہو اسے حاصل نہ کرو۔

3۔ جھوٹ نہ بولو۔

4۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال نہ کرو۔

5۔ ناجائز جنسی تعلقات استوار نہ کرو۔[1]

ہر بدھی پیروکار پر مذکورہ بالا پانچوں قواعد وضوابط کی پابندی کرنا فرض ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے حصے کے ابتدائی تین اصولوں کی پابندی بھکشوؤں کے لیے ضروری ہے جبکہ عام گھریلوں معتقدین کے لیے ان کی پابندی کرنا لازمی نہیں۔ وہ تین اصول درج ذیل ہیں:

---

[1] کرشن کمار، **گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک**، مترجم پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز لاہور، 2002ء، ص 274

1۔رات کو دیر سے اور زیادہ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔
2۔عطر لگانے اور پھولوں کے ہار پہننے پر پابندی ہے۔
3۔زمین پر سونا منع ہے۔[1]

مندرجہ بالا تین ضابطے پہلے پانچ قوانین کے ساتھ مل کر اشٹانگ شیل کی تشکیل کرتے ہیں۔ ہر بھکشو کے لیے اشٹانگ شیل کی پابندی لازم ہے جبکہ گھریلو معتقدین کے لیے پنچ شیل کی پابندی ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل دو احکامات کی پابندی بھی بھکشوؤں کے لیے لازمی قرار دی گئی تاکہ دوریافت کی بلند منزلوں کو چھو سکیں:

1۔رقص، گائیکی اور تمثیل نگاری کی ممانعت۔
2۔چاندی اور سونے کے استعمال پر پابندی۔[2]

"سنگھ" جماعت میں داخلے کے لئے ضروری ہے کہ ہر بھکشو ان تمام احکامات کی پابندی کرے تاکہ وہ جماعت کے مستقل کارکن کی حیثیت سے شامل ہو جائے،

احکام عشرہ کے علاوہ چند ایسے پیشے ہیں جنہیں گوتم بدھ نے ممنوع قرار دیا ہے:

1۔ہتھیار بیچنا۔
2۔لونڈی غلام بیچنا۔
گوشت بیچنا۔
شراب بنانا یا بیچنا۔
زہر بیچنا۔[3]

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

دانشمندوں کی خدمت کرو اور نادانوں کی صحبت سے بچو، اس کی عزت کرو جو عزت کا مستحق ہو۔
علم حاصل کرو اور عقل کی روشنی بڑھاؤ۔
والدین کی اطاعت، اہل و عیال کی خبر گیری کرو اور ایسا پیشہ اختیار کرو جس سے کسی کو دکھ نہ ہو۔
خیرات کرو، ایمانداری سے رہو اور عزیزوں، رشتہ داروں کی مدد کرو۔

---

[1] کرشن کمار، **گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک**،، ص274
[2] کرشن کمار، **گوتم بدھ راج محل سے تک**، ص274
[3] علوی، امیر احمد، منشی، **گوتم بدھ**، (دارالناظر پریس، لکھنو، 1923ء)، ص28

گناہ سے بچو، شراب کے پاس نہ جاؤ اور نیک کاموں سے کبھی نہ تھکو۔

عاجزی اور فروتنی اختیار کرو، قناعت اور شکر گزاری اپنا شیوہ بناؤ۔

مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

اپنی عصمت کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرو۔

دل پر اتنا قابو حاصل کرو کہ کسی غم و غصہ کا اس پر اثر نہ ہو۔

نروان" حاصل ہونے سے ناامید نہ ہو اور یقین رکھو کہ اصلاح اخلاق سے یہ خود بخود ملے گا۔

نفس کو زیر کرو اور تمام عالم سے محبت رکھو۔[1]

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ ایک خوبصورت زندگی گزارنے کے اصول پیش کرتا ہے، جو نہ صرف ذاتی سکون بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کے لیے بھی اہم ہیں۔ یہ اصول انسان کو خودشناسی، صبر، قناعت، اور دوسروں کے ساتھ محبت و ہمدردی کا درس دیتے ہیں۔

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ درحقیقت ایک پرسکون اور متوازن زندگی کے لیے بہترین رہنما اصول پیش کرتا ہے۔ یہ تعلیمات انسان کو ذاتی سکون، روحانی بیداری، اور معاشرتی ہم آہنگی حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان اصولوں کی بنیاد خودشناسی، صبر، قناعت، اور دوسروں کے ساتھ محبت و ہمدردی جیسے اخلاقی اوصاف پر رکھی گئی ہے۔

یہ تعلیمات انسانی کردار کو نکھارنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی دنیا کا تصور بھی پیش کرتی ہیں جہاں ہر فرد دوسروں کی فلاح اور خیر خواہی کے لیے کوشاں ہو۔

گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات ایک خوبصورت اور متوازن زندگی کے رہنما اصول فراہم کرتی ہیں، جو ذاتی سکون اور معاشرتی ہم آہنگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ یہ اصول انسان کو خودشناسی، صبر، قناعت، اور دوسروں سے محبت و ہمدردی کا درس دیتے ہیں، اور روحانی بیداری کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ ان تعلیمات کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر فرد دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم ہو اور اخلاقی اقدار کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے۔

---

[1] علوی، امیر احمد، منشی، گوتم بدھ،، ص28

سکھ مت میں بین المذاہب تعلقات کی تعلیمات

سکھ مذہب کے مطابق تمام مذاہب اُنکی روایات مستند ہیں جو اُسی واحد "واہ گرد" کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسانیت پر کسی ایک مذہب کی اجارا داری نہیں۔ سکھ مت میں دوسرے مذاہب کے خلاف تفریق کو سختی سے رد کیا جاتا ہے۔ بابا گرونانک کی تعلیمات میں بھائی چارہ اور امن و محبت کا ہی پیغام ملتا ہے اور انسان دوستی کا سبق ملتا ہے۔

سکھ عقائد پیروکاروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنی روزی ایماندار طریقے سے کمائیں اور اپنی کمائی دوسروں کے ساتھ بانٹیں۔ کیونکہ یہ راستبازی کا راستہ ہے، اور، اس طرح، معاشرے کے دیگر ارکان کے درمیان پر امن بقائے باہمی کے ماحول کی حوصلہ افزائی کے لیے کوئی نمایاں شراکت کر سکتا ہے۔ سکھوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کو سب کے فائدے کے لیے استعمال کریں۔

گروگرنتھ صاحب کی تعلیم محبت اور رواداری کا رویہ ظاہر کرتی ہے۔ گردوں کے اس پیغام کا عملی اثر سکھ مذہب کے ادارہ جاتی تشکیل میں نظر آتا ہے، جس میں ذات پات، مسلک اور کسی بھی قسم کے فرقوں کی رکاوٹوں کو ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔

سکھ مت میں بین المذاہب تعلیمات کے اصول

ذیل میں سکھ مت میں بین المذاہب تعلقات کے چند اہم اور نمایاں اصول ذیل میں درج ہیں۔

1. بین المذاہب بھائی چارہ کا درس:

بابا گرونانک نے "نہ کوئی ہندو نہ مسلمان" کہہ کر یہ باور کروایا کہ انسان کو بانٹا نہیں جاسکتا۔ سبھی انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ گروجی نے لوگوں کو پیغام حق سنانے اور توحید کا درس دینے، وحدہ لاشریک (اکال پورکھ) کی حمد و ثنا کے گیت ربی رباب کی مدبھری آواز میں سنا کر ہندو مسلم بدھ عیسائی کو بھائی بھائی بنا کر زندگی بسر کرنے پر راغب کرنے کی خاطر دھرتی کے پاپیوں کو راہ راست پر لانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔[1]

"Sikh Gurus mission was to promote harmony and interfaith dialogue between major creeds of India. The message of Sri Guru Granth Sahib (SGGS) is universal in all respe same message reverberates in the writings of Guru Gobind Singh: Recognize all mankind as one the same Lord is the creator and nourisher of all Recognize no distinction among them The temple and mosque are the same So are the Hindu worship and Muslim prayer Men are all one."[2]

---

[1] گیانی کرتار سنگھ کوئل، **بابا گرونانک دیوجی اور ان کی مقدس تعلیمات**،(سرینگر، شالیمار آرٹ پریس،1972ء)ص:12

[2] Hardev Singh Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#1 (New Dehli: Guru nanak foundation, 2020), P:15.

ترجمہ: "سکھ گرو مشن، ہندوستان کے بڑے مسالک کے مابین ہم آہنگی اور بین المذاہب مکالمہ کو فروغ دیتا تھا۔ سری گرو گرنتھ صاحب کا پیغام ہر لحاظ سے عالمگیر ہے۔ گرو گوبند سنگھ کی تحریروں میں بھی یہی پیغام دہراتا نظر آتا ہے: تمام بنی نوع انسان کو ایک پہچان لیں۔ سب کا خالق اور پروردگار ایک ہی رب ہے۔ ان میں تمیز نہ کرو، ہیکل اور مسجد ایک جیسے ہیں، اسی طرح ہندوؤں کی عبادت اور مسلمان کی دعائیں ہیں۔ مرد سب ایک ہیں۔"

2۔ قومی یکجہتی کا پرچار:

گرونانک دیو جی نے ہر جگہ توحید پرستی، قومی یکجہتی، باہمی اتحاد، مساوات اور رواداری کا پرچار کیا۔ بابا گرونانک نے اپنی ساری زندگی مخلوق خدا کی خدمت اور ان کو مساوات کا درس دیتے ہوئے گزار دی۔

بھائی مردانہ اور بالا جیسے مسلمان دوستوں کے ساتھ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزار دینا اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ بابا گرونانک نے اپنی ساری زندگی مخلوق خدائی خدمت اور ان کو مساوات کا درس دیتے ہوئے گزار دی۔ بھائی مردانہ اور بالا جیسے مسلمان دوستوں کے ساتھ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزار دینا اسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے جہاں جہاں بھی سفر کیے اس میں لوگوں کو مساوات اور قومی یکجہتی کا درس دیا۔

3۔ بلا امتیاز مذہب وملت، لوگوں کی امداد کرنا:

بابا گرونانک خلق خدا کی خدمت ہی کو اصل روحانی زندگی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے پیروکاروں کو بھی ایسی خدمت کی تلقین کرتے ہیں۔

گرونانک نے سکھ دھرم (نظریہ حیات) کے سنہرے اصولوں کے ساگر کو گاگر میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔

یہ اصولوں کا جوہر یا خلاصہ ان تین جملوں میں بند ہے:

1. محنت مزدوری، کاشتکاری، کاروبار، بیوپار اور ملازمت کر کے حق وحلال کی کمائی کرو۔

2. حق وحلال کی کمائی کو بانٹ کر کھاؤ، سماج کے غریب، نادار، لاچار اور نحیف وزار اور بیمار لوگوں کی بلا امتیاز مذہب وملت امداد کرو۔

3. اپنے پیدا کرنے والے قادر مطلق کا نام جپا کرو۔ یاد الٰہی میں ہمیشہ مصروف رہا کرو"۔ [1]

"The Sikh doctrines exhort the adherents to earn their livelihood by honest means and share their earning with others. It emphasizes that this is the path of righteousness, and, in this way, one can make an outstanding contribution to

---

[1] کوئل، بابا گرونانک دیو جی اور ان کی مقدس تعلیمات، ص:24

encourage an environment of peaceful co-existence among other members of the society."[1]

ترجمہ: سکھ عقائد پیروکاروں کو ایماندارانہ ذرائع سے اپنی روزی کمانے اور دوسروں کے ساتھ اپنی کمائی بانٹنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ، اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ راستبازی کا راستہ ہے، اور، اس طرح سے، معاشرے کے دوسرے لوگوں کے مابین پر امن بقائے باہمی ماحول کو فروغ دینے کے لئے کوئی بھی شخص نمایاں شراکت کر سکتا ہے۔

4۔بنی نوع انسان کی حقیقت پر مبنی رہنمائی:

گرونانک روحانیت اور اخلاقیات کا گہوارہ تھے انہوں نے انسان کو اخلاقی روش اختیار کرنے میں رہنمائی گرونانک روحانیت اور اخلاقیات کا گہوارہ تھے انہوں نے انسان کو اخلاقی روش اختیار کرنے میں رہنمائی کی اور یہ نظریہ عام کیا کہ برے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔ گرے ہوئے لوگوں کے لئے دل میں رحم کا جذبہ رکھنے کی تلقین کی۔

گروجی نے ہمیشہ بنی نوع انسان کی صحیح اور حقیقت پر مبنی رہنمائی کی ہے۔ جب گروجی مکہ معظمہ میں اپنے نرنگاری مشن کا پرچار کرنے پہنچے تو وہاں بہت مسلمان علماء سے ان کا بحث و مباحثہ ہوا۔ انہوں نے گروجی سے کئی سوالات پوچھے، جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ اپنی کتاب کھول کر ہمیں بتائیں کہ آپ کے نظریہ کے مطابق ہندو بڑا ہے کہ مسلمان؟ گروجی نے نہایت جرات اور وثوق کے ساتھ اس اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "تمام لوگ مالک وخالق کے پیدا کردہ ہیں، نہ ہندو کہلانے والا رب العالمین کی نگاہوں میں قبول ہے نہ مسلمان کہلانے والا۔ اس قادر مطلق کی نظروں میں تو صرف وہی بڑا ہے، جس کے اعمال نیک اور چال چلن اونچا ہے اور جو اس کی بندگی کرتا ہے۔"[2]

5۔ مذاہب یا بزرگوں کا احترام کرنا اور برا بھلا نہ کہنا:

گرونانک دیوجی نے ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں یا بدھوں کے دھرم گرنتھوں یا ان کے بزرگوں کو کبھی برا نہیں کہا۔ نہ کسی کی نندا (تحقیر) کی، بلکہ وہ ہر ایک کو اس کے دین دھرم کی حقیقی راہ دکھایا کرتے تھے، انہوں نے خود کو کبھی بڑا یا افضل پیغمبر یا گرو قرار نہیں دیا۔[3]

"The primary doctrines of Sikhism emphasize interfaith understanding, mutual respect, and harmony. Guru Nanak, the founder of Sikhism, proclaimed that the sharing of views and ideas should be a continuous process throughout one's life.

[1] Devinder Pal Singh, "Inter faith dialogue, A Perspective from Sikhism", (Institute of Sikh Studies, chandigarh, india), Vol: XXII, Oct 2020, P:6

[2] کوئل، بابا گرونانک دیوجی اور ان کی مقدس تعلیمات، ص:30

[3] ایضاً، ص:44

The Sikh Gurus possessed a natural openness to other religions. They emphasized tolerance and particularly religious tolerance. To be a Sikh, one must respect all other religions."[1]

ترجمہ: سکھ مذہب کے بنیادی عقائد بین المذاہب افہام و تفہیم، باہمی احترام، اور ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔ سکھ مذہب کے بانی گرونانک نے اعلان کیا کہ خیالات اور نظریات کا اشتراک، پوری زندگی میں ایک مستقل عمل ہونا چاہیئے۔ سکھوں کے گروؤں کا دوسرے مذاہب کے لئے فطری طور پر کھلا پن تھا۔ انہوں نے رواداری اور خصوصاً مذہبی رواداری پر زور دیا۔ سکھ بننے کے لئے ، دوسرے تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہیئے۔

Kazi Nurul Islam reports that "Sikhism is a religion whichwas founded on the principles of interfaith understanding,mutual respect, and harmony. From the very beginning, the leaders and the followers of this tradition preached the vugion was founded on the principles of interfaith understanding, mutual respect, and harmony. From the very beginning, the leaders and the followers of this tradition preached the principles of interfaith respect, dialogue, and understanding. To be a Sikh it is mandatory that he/she must respect and accept all other religions of the world and at the same time must protect, guard, and allow the free practice of the customs and rituals of others. The Guru Granth Sahib teaches its followers to love all creation as God's own manifestation. Acceptance of all faiths and interfaith tolerance and understanding are basic to the teachings of Guru Granth Sahib."[2]

ترجمہ: قاضی نور الاسلام کہتے ہیں کہ "سکھ مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد بین المذاہب افہام و تفہیم، باہمی احترام اور ہم آہنگی کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ شروع ہی سے قائدین اور اس روایت کے پیروکار بین المذاہب احترام، مکالمہ اور تفہیم کے اصولوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ سکھ بننے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اسے دنیا کے دوسرے تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہیئے اور ساتھ ہی دوسروں کے رسم ورواج اور آزادانہ رواج کی حفاظت، اور ان کی اجازت دینا بھی ضروری ہے۔ گرو گرنتھ صاحب اپنے پیروکاروں کو خدا کی ذات کے مطابق اپنی تمام حقوق سے پیار کرنا سکھاتے ہیں۔ تمام عقائد کی قبولیت اور بین المذاہب رواداری اور تفہیم گرو گرنتھ صاحب کی تعلیمات کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

[1] Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#1, P: 45

[2] Kazi Nurul Islam, "Guru Granth Sahib: A Model For Interfaith Understanding", (15 June 2011)

6. ذات پات کی تمیز کا خاتمہ:

ذات پات کے امتیازات، خصوصاً چھوت چھات کی لعنت کے خلاف بابا گرونانک کا جہاد عہد جدید کی تحریک مساوات کا پیش خیمہ تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اونچی ذات کا کہلانے والوں کے تکبر کی سخت مذمت کی ہے۔ آپ نے انسانیت پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ ان لوگوں کے زیادہ قریب سمجھا۔ جن کو غریب یا نچلی ذات ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا۔

ذات پات کا بلند اور پختہ قلعہ ہندوستان میں صدیوں سے چٹان کی مانند کھڑا تھا۔ اس پر گرو جی نے کامیاب حملہ کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ مالک کائنات کے پاس تمام لوگ ایک جیسے ہیں۔ ذات پات اور اونچ نیچ کے جھگڑوں کے باعث سیاسی، سماجی، اقتصادی اور روحانی ترقی ممکن نہیں۔ لہذا اس ذات پات کی تمیز کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ ذہن نشین کروایا کہ میں ان اونی لوگوں کے ساتھ ہوں، کیونکہ جو لوگ ادنی لوگوں سے محبت کرتے ہیں، ان کے احساس کمتری کا ان سے اچھا برتاؤ کر کے خاتمہ کرتے ہیں، ان پر پرماتما (خدا) کی نظر رحمت ہوتی ہے۔[1]

"Sikh Gurus broke social ranks based on faith, caste, gender, or race. They envisioned God as a formless force running through the cosmos and beyond. The Sikh doctrines urge the adherents to follow the concept of fraternity, assuring the dignity of the individuals and the unity of the nations."[2]

ترجمہ: سکھ گروؤں نے مذہب، ذات، جنس یا نسل پر مبنی معاشرتی درجات کو توڑا۔ انہوں نے خدا کا تصور کائنات اور اس کے باہر کے نظام کے طور پر پیش کیا۔ سکھ عقائد، پیروکاروں کو برادرانہ تصور کے مطابق چلنے کی تاکید کرتے ہیں، افراد کے وقار اور اقوام متحدہ کے اتحاد کو یقینی بناتے ہیں۔

7۔ مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کی بجائے قومی یکتائی کا درس:

گرونانک دیو جی نے زندگی بھر رواداری، مساوات، اتحاد اور اتفاق کا عملی پرچار کیا۔ وہ نہ صرف ہندوستان میں ہی قومی ایکتا کے علمبردار تھے، بلکہ جہاں بھی وہ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے تشریف لے گئے، انہوں نے قومی ایکتا کا پرچار کیا۔

"اس زمانہ میں مختلف فرقوں اور مذہبوں کے پیروکار آپس میں لڑ بھڑ رہے تھے۔ کوئی کسی کو کافر اور کوئی کسی کو وحشی، جنگلی کہہ کر پکارنے میں جہاں پیش پیش تھا وہاں باہمی نفرت، مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی پھیلانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر زور آزمائی میں ہمہ تن مصروف کار تھے۔ گرونانک دیو ہی نے ان گمراہ لوگوں کو قومی یکتائی کی اہمیت سے جہاں روشناس کرایا

---

[1] کوئل، بابا گرونانک دیو جی اور ان کی مقدس تعلیمات، ص:31

[2] Singh, "Inter faith dialogue, A Perspective from Sikhism", P:6

وہاں پیار اور محبت سے رہنے کا درس دیا۔ انہوں نے علیحدہ علیحدہ مذہبوں، فرقوں اور ذاتوں کے لوگوں کو ایک جگہ مل کر بیٹھنے اور اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرنے کا سبق دیا۔ مسلمان اور ہندو اپنے ساتھ رکھ کر تعصب، کینہ اور نفرت کو دور کرنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمان اور انگریز مورخوں نے انہیں ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں ملانے والا پل قرار دیا ہے۔

گورونانک کی تعلیمات کا نکتہ امتیاز یہ ہے کہ سارے مذاہب میں باہمی رواداری قائم ہو اور انہوں نے ہر مذہب میں اخلاقی اور روحانی بیج بونے کو بنیادی اصول قرار دیا۔ وہ تنگ نظری اور ظاہری رسومات کی پابندی کے سخت خلاف تھے اور ان لوگوں کی ہمیشہ سرزنش کرتے تھے جو آپسی جھگڑوں کو ہوا دیتے تھے۔ انہوں نے کھوکھلی پارسائی کی سخت مذمت کی"

8۔ باہمی تعلقات کی توسیع اور اظہار:

باباگرونانک نے کسی خاص جماعت کے حق میں آواز بلند نہیں کی اور نہ ہی اپنے غم وغصے کا اظہار کسی خاص طبقے کے لئے کیا بلکہ ان کی ہمدردی سبھی کے ساتھ تھی۔

"Each man has certain affinity, so the relation should be face to face encounter on the basis of equality. To Guru Nanak, the whole ethical life of man is an expansion and expression of this inter-personal relationship. The meaningful relationship with others is not possible without the presence of the wholly other. Nevertheless, there is a dimension of meaning in which persons encounter one another. It is an ethical dimension that specifies or determines the religious character of man. This type of personal interaction with others is possible only in society."[1]

ترجمہ: ہر آدمی کا کچھ خاص تعلق ہوتا ہے، لہذا مساوات کی بنیاد پر اس کا رشتہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے۔ گرونانک کے نزدیک، انسان کی ساری اخلاقی زندگی اس باہمی تعلقات کی توسیع اور اظہار ہے۔ دوسروں کے ساتھ بامقصد تعلقات مکمل طور پر دوسرے کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہرحال، معنی کی ایک جہت ہے جس میں افراد ایک دوسرے سے آمنے سامنے ہیں۔ یہ ایک اخلاقی جہت ہے جو انسان کے مذہبی کردار کو متعین کرتی ہے یا اس کا تعین کرتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس نوع کی ذاتی تعامل معاشرے میں ہی ممکن ہے

9۔ عقیدے کے مطابق مذہبی فرائض کی مکمل آزادی:

گرونانک جی کے تمام کارنامے قابل دید ہیں، انہوں نے یہ کارنامے اس لئے انجام دیے تاکہ لوگوں کو جہاں اصلیت سے روشناس کرایا جائے، وہاں ان کو یہ بھی ذہن نشین کرایا جائے کہ کوئی کسی کی عبادت کے ڈھنگ کو اگر اپنا تا نہیں، یا کسی کے

---

[1] Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#1, P: 35

مذہبی عقیدہ کا قائل نہیں تو اس سے نفرت نہ کی جائے۔ اس پر زبردستی اپنا نظریہ ٹھونسا نہ جائے، اور امن و امان درہم برہم ہو کر نہ رہ جائے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدہ سے مذہبی فرائض انجام لانے کی مکمل آزادی حاصل ہو، مذہب میں زور اور زبردستی کو دخل نہ ہو۔[1]

باباصاحب نے کسی بھی مذہب کے پرستاروں کو یہ مشورہ کبھی نہیں دیا کہ وہ اپنے اصول دوسرے کسی مذہب کے بنیادی اصولوں میں مدغم کر دیں، اور نہ ہی انہوں نے مختلف مذاہب کا مرکب تیار کیا۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے اپنے عقیدوں پر پابند رہنے کا مشورہ دیا اور تلقین کی کہ ایسی زندگی گزاریں جس سے امن و محبت اور انسان دوستی قائم کی جا سکے۔

10۔ حقوق کی حفاظت اور سماجی برابری:

جہاں گرونانک دیوجی نے جابروں کے مظالموں کی برائی کی، ان کی من مانیوں اور مظالم کے خلاف احتجاج کیا، وہاں عوام کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی عزت اور اپنے ناموس کی نگہداشت کے لئے یکجا ہونے کا حکم دیا۔ بابا گرونانک نے اپنے پیروکاروں کو جو سبق دیا اس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ "خدا کی عبادت میں زندگی گزارو، اپنے کردار کو پاک صاف رکھو، ظالموں کا مقابلہ اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو ہمیشہ ان کے مظالم کا شکار بنتے رہوگے۔ بابا گورو نانک انصاف پرستی کے بھی قائل تھے اور ایسا سماج قائم کرنا چاہتے تھے جہاں انصاف کا بول بالا ہو۔ وہ سماجی نابرابری کے سخت خلاف تھے اور انہوں نے اپنی تعلیمات میں سماجی ناانصافی کی دل کھول کر مذمت کی۔ ان کی سرزنش سے کوئی نہ بچ سکا، چاہے وہ تخت نشین راجہ ہو یا اس کے لالچی اہل کار یا کارندے"۔[2]

11۔ دوسرے مذاہب کے عقائد اور طرزِ عمل سے واقفیت:

سکھ مذہب میں واضح تعلیم موجود ہے آپ دوسروں کے مذاہب کو سنیں ان کے بارے میں بات کریں اور

"Guru Nanak states, 'So long as humans live in the world, they should listen and speak to others about the Divine Name because our stay in the world is transitory, so we should die to the self while alive."[3]

ترجمہ: گرونانک کا بیان ہے، جب تک انسان دنیا میں رہتے ہیں، انہیں دوسروں کے الوہی نام کے بارے میں سنا اور بات کرنا چاہئے کیونکہ ہمارا دنیا میں قیام عارضی ہے، لہذا ہمیں زندہ رہتے ہوئے نفس کو مارنا چاہئے۔

---

[1] کوئل، **بابا گرونانک دیوجی اور ان کی مقدس تعلیمات**، ص:41

[2] گوربچن سنگھ طالب، **گورونانک**، مترجم: پریم کمار نظر، (ساہتیہ اکادمی نئی دہلی) س ن، ص:12

[3] Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#1, P: 25

" Craig Philips says: One of the beauties of Sikhism and indeed a feature relevant for interfaith work, is that it holds a clear idea of the religious other, something I find in common with my own Islamic faith. Just as the Qur'an speaks of Jews, Christians, and others, the sayings of Guru Nanak and passages of the Guru Granth Sahib speak of and to Muslims and Hindus[1]

ترجمہ: کریک فلپس کہتے ہیں کہ: "سکھ مذہب کی خوبصورتیوں میں سے ایک، اور واقعتا، بین المذاہب کام کے لئے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "دوسرے مذاہب" کے بارے میں واضح نظریہ موجود ہے، جسے میں اپنے اسلامی عقیدے کے ساتھ مشترک سمجھتا ہوں۔ جس طرح قرآن یہودیوں، عیسائیوں اور دوسروں کی بات کرتا ہے، اسی طرح گرونانک کے اقوال اور گرو گرنتھ صاحب کے حوالہ جات مسلمانوں اور ہندوؤں کی بات کرتے ہیں۔" ان عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ دوسرے مذاہب سے واقفیت لازمی تھی۔ سکھوں کا صحیفہ، ہندوؤں اور مسلمانوں کو بہتر بننے کی ترغیب دیتا ہے

گرونانک جی کی تعلیمات اور کارنامے انسانیت کے لیے ایک مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے نہ صرف لوگوں کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرایا بلکہ یہ بھی باور کرایا کہ مذہبی عقائد اور عبادات کے معاملے میں جبر اور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کا پیغام یہ تھا کہ ہر انسان کو اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے، اور کسی پر اپنا نظریہ مسلط کرنا یا نفرت کو پروان چڑھانا انسانیت کے اصولوں کے خلاف ہے۔

گرونانک جی نے کبھی بھی مختلف مذاہب کو یکجا کرنے یا ان کے اصولوں کو مدغم کرنے کی حمایت نہیں کی۔ بلکہ، انہوں نے ہر مذہب کے ماننے والوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں اور ایسی زندگی گزاریں جو امن، محبت، اور انسان دوستی کے جذبات کو فروغ دے۔ ان کی تعلیمات کا مقصد ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا تھا جہاں فرقہ واریت اور تعصب کی جگہ رواداری اور بھائی چارے کی فضا قائم ہو۔

[1] Craig Philips, "Building a Sikh Paradigm for Interfaith Work": Part 2, (19 August 2012)

فصل دوم: بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات اور تدارک

مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں اختلاف اور نااتفاقی کے کچھ وجوہات ہیں جن کی بناء میں آپس میں اتحاد کی کوششیں کامیاب ثابت نہیں ہوتی ان میں میں ایک اہم وجہ اور سبب یہ کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کی باتوں کو سچا ماننے اور ان پر یقین رکھنے، اپنے اسلاف اور بزرگوں کو ہر ایک سے بہتر اور برتر سمجھتے ہوئے دوسروں پر اپنے مذہب کے نفاذ میں سختی اور مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، طاقت اور سرمایہ کے ذریعے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنایا جاتا ہے، دوسروں کے مذہبی خیالات پر اور پیشواؤں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ان کے رسوم ورواج کو حقیر جاننے، دیگر مذاہب کے لوگوں کے مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا، حالانکہ دونوں کا ایک دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں، کوئی بھی مذہب دوسرے مذاہب کو حقیر یا اس کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دیتا۔

کیونکہ اگر ایک انسان اپنے عقیدہ کو درست اور دوسرے کو غلط سمجھتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ میں دوسرے عقیدے کے لوگوں کو برا بھلا کہوں اور ان کا مذاق اڑاؤں، اسی طرح اگر میں اپنے مذہب کو صحیح سمجھتا ہوں تو مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ میں دوسروں پر اپنی رائے یا عقیدہ زبردستی مسلّط کروں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ انسانیت، جمہوری روایات اور خود اپنے مذہب کے اعلیٰ قدروں کی بے حرمتی کرے گا جو انسانی احترام کا درس دیتا ہے۔

آج ایک دوسرے سے الفت و محبت کے بجائے منافرت، ظلم و زیادتی ناانصافی، تشدد، سفاکی اور عدم رواداری کو فروغ دیکر انسانی سماج کو بہت تیزی سے توڑنے کا عمل جاری ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آج کا دور سازشی کامرانیوں، خودغرضی، مفاد پرستی اور موقع پرستی کا ہے، جسکی بنیاد پر انسانی سماج کو الگ الگ گروہوں؛ طبقوں اور خانوں میں تقسیم کر دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ آج مشرق وسطیٰ بالخصوص شام یمن اور دیگر مسلم ممالک اور معاشروں میں آتش و آہن کا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ معصوم بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور خواتین کا انتہائی بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ وحشت و بربریت کا سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔ ظالم اپنی اس غیر انسانی حرکت پر قطعی پشیمان نہیں بلکہ انسانیت کے قتل کو وہ اپنی کامیابی و کامرانی سمجھ کر فتح کا جشن منارہا ہے۔

دراصل آج سماج میں جن افراد کا تسلط ہے وہ محدود مفادات کے قیدی اور خود ساختہ مصلحتوں کے اسیر ہیں۔ نام نہاد سیاسی قائدین کی غیر شعوری حرکتوں نے اپنی جھوٹی انا اور اپنی کرسی بچانے کی وجہ سے معاشرہ میں بدامنی، بے چینی اور خوف وہراس کو جنم دینے میں کافی کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان کی ہی مثال لے لیں جو اپنے آپ کو سیکولر گردانتا ہے، وہاں اقلیتوں کو ظلم وستم کا شکار بنایا جارہا ہے، خصوصاً مسلمان ان کی عزت نفس اور مذہب کو بھی ہندوتوا کے ناعاقبت اندیش نشانہ بنارہے ہیں، مودی کی دہشت گردانہ سوچ نے انسانیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کیا ایسے سماج کو مثالی قرار دیا جاسکتا ہے؟ انسانی سماج کی فتح اور اسکی

سعادت کے لئے ضروری ہے کہ آپسی بھائی چارگی، یکجہتی، قومی وملی ہمدردی کے جذبہ کو انسانوں کے درمیان فروغ دیا جائے نیز نوع انسانیت کیساتھ دوستانہ سلوک ورویہ، صالح فکر، بقائے باہمی جیسے روشن وتابناک اصولوں کو مرتب کرنا اور انہیں انسانی سماج میں یکساں نافذ کرنا عہد حاضر کی ناگزیر ضرورت ہے۔

بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب و محرکات

آج کے دور میں اقوامِ عالم متعدد فکری، سیاسی، اقتصادی، سماجی، قانونی اور مذہبی چیلنجز کا سامنا کر رہی ہیں۔ ایسے میں ایک طرف لوگوں، گروہوں اور ریاستوں کی انفرادی، گروہی اور ریاستی مفادات نے مختلف اقوام کے اندر ایک تناؤ کی کیفیت پیدا کر رکھی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے مختلف نسلی، لسانی، مذہبی اور سماجی وسیاسی تعصبات نے پرامن بقائے باہمی کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ مفادات اور تعصبات کی چپقلش نے کبھی مذہبی رنگ تو کبھی سیاسی رنگ اور بسا اوقات نسلی رنگ اختیار کرتے ہوئے مختلف اقوام اور رنگ ونسل کے کروڑوں انسانوں کو لقمہ اجل بناڈالا ہے ذیل میں بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب کو تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔

مذہبی، ثقافتی اور فکری تسلط

اسلام سے پہلے قدیم انسانی سماج بنیادی طور پر متعصب اور غیر روادار تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں تک یہودی اور عیسائی صرف اعتقادی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے دشمن بنے رہے۔ پہلے یہودیوں نے مسیحی حضرات کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، اس کے بعد جب مسیحی حضرات کو اقتدار ملا تو انھوں نے یہودیوں سے جارحانہ انداز میں انتقام لینا شروع کیا۔[1] آنحضرت صلی تعلیم کی بعثت کے ابتدائی دور میں جب فارس کی آتش پرست حکومت نے رومی علاقوں پر قبضہ کیا تھا، تو قبضہ کرنے کے بعد انھوں نے مسیحیت کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کئے۔ مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، گرجاگھر مسمار کر دیئے گئے، قریبا ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔ ہر جگہ آتشکدے تعمیر کئے گئے اور مسیح علیہ السلام کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔ مقدس صلیب کی اصلی لکڑی، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیح علیہ السلام نے جان دی تھی، وہ چھین کر مدائن پہنچادی گئی۔ اسی صورتحال میں جب ہرقل قیصر روم نے شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو صلح کی پیشکش کی تو خسرو نے جو جواب دیا تھا، اس سے اس کی متعصبانہ اور غیر روادارانہ سوچ کی عکاسی ہوتی ہے

مجھ کو یہ نہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے، میں رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں

---

[1] مولانا وحید الدین خان، **اسلام دورِ جدید کا خالق**، فضلی سنز اردو بازار کراچی، 1990 طبع اول ص 104۔105

کروں گا، جب تک وہ صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے "[1]

یہ ہی صورتحال اہل مکہ کی تھی کہ وہ کسی کو مذہبی اور فکری آزادی نہیں دیتے تھے، وہ اپنے آبائی مذہب ترک کرنے والوں کی زندگی تنگ کردیتے تھے، چناچہ اہل مکہ نے حضرت یاسر اور اس کی بیوی سمیہ کو تبدیلی دین یعنی اسلام قبول

یہ ہی صورتحال اہلِ مکہ کی تھی کہ وہ کسی کو مذہبی اور فکری آزادی نہیں دیتے تھے، وہ اپنے آبائی مذہب ترک کرنے والوں کی زندگی تنگ کردیتے تھے، چناچہ اہلِ مکہ نے حضرت یاسرؓ اور اس کی بیوی سمیہؓ کو تبدیلیٔ دین یعنی اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وحشیانہ انداز سے شہید کردیا۔ اور حضرت بلالؓ، یاسرؓ، خبابؓ، خبیبؓ اور دوسرے صحابۂ کرامؓ کو جسمانی، ذہنی اور ہر طرح کی اذیتیں دیں۔ نبی کریم ﷺ اور اس کے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں تلخ کردیں۔ آپ ﷺ اور ان کے خاندان اور ہمدردوں کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا اور مسلمانوں کو اتنا تنگ کیا گیا کہ بالآخر انہیں مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن پھر بھی اہلِ مکہ نے حبش اور مدینہ تک ان کا پیچھا کیا اور ان سے بدر، احد اور خندق کی معرکہ آرائیاں کیں، یہاں تک کہ "صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی انھوں نے اپنی اس تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ شرط رکھی کہ ہمارا جو بھی شخص مسلمان ہو کر تمہارے پاس مدینہ منورہ میں آئے گا آپ اسے واپس کریں گے "[2]

اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ، مذہب، نظامِ فکر، تہذیب و تمدن یا تو انسانوں کو ورثے میں ملتے ہیں یا وہ خود اپنے علم، عقل، فہم، تجربے اور مشاہدے کے نتیجے میں اختیار کرتے ہیں، اس لئے اگر ان معاملات میں لوگوں پر جبر کیا گیا تو ایک طرف تو ان کی فطری آزادی میں مداخلت ہوگی تو دوسری طرف جبری طور پر درآمد کئے ہوئے مذہب و فکر کو وہ دل سے قبول نہیں کریں گے، جس کے نتیجے میں مزاحمت ہوگی، اور اس کا بالآخر انجام فتنہ، فساد، خونریزی اور بدامنی ہوگا۔

دوسروں کے مال، مالی وسائل اور سرزمین پر ناجائز طور پر قبضہ کرنا:

یہ ایک حقیقت ہے کہ مال انسانی زندگی کا سہارا ہے اور مالی وسائل مال کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ اگر کسی سے اس کا مال یا اس کے مالی وسائل چھینے جائیں یا ان پر ناجائز طور پر قبضہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس سے جینے کا حق چھینا جارہا ہے۔ اسی طرح ہر انسان، اور ہر قوم اپنی دھرتی سے فطری طور پر محبت کرتے ہیں اور اسے اپنے گھر کی طرح سمجھتے ہیں اگر اس پر ناجائز طور پر قبضہ کیا جائے یا ان کی آزادی اور خودمختاری سلب کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے گھر پر قبضہ کرکے ان کی زندگی ان پر تنگ کی جارہی ہے یا ان کی آزادی اور خودمختاری ان سے چھینی جارہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی صورتحال انسان کے لئے

---

[1] وحید الدین خان، **علم جدید کا چیلنج**، (کراچی، شکیل پرنٹنگ پریس 1992ء) ص204

[2] مبارکپوری صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، (لاہور المکتبۃ السلفیہ 1424ھ 2003،) ص466

موت اور حیاتی کا مسئلہ بن جاتی ہے، ایسی صورتحال میں ایک خود دار انسان اور خوددار قوم کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ غاصب سے لڑ کر اسے اپنے مال وملک سے باہر دھکیل دے یا پھر جان دے دے۔ اور ایک باوقار انسان ایسی صورتحال میں لڑنے اور مرنے کو ترجیح دے گا۔ جس کا نتیجہ خونریز لڑائی، زبردست تباہی، فتنہ وفساد کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

صنعتی انقلاب کے بعد اقوام عالم کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ اب یہ لڑائیاں اکثر مذکورہ وجوہات کی بناء پر ہی ہو رہی ہیں۔ صنعت اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے ترقی یافتہ ممالک خام مال حاصل کرنے، سستی اجرت پر مزدور حاصل کرنے اور اپنی مصنوعات کے لئے منڈیاں تلاش کرنے کے لئے انیسویں اور بیسویں صدی کے شروع میں غریب آفریکی ریاستوں، مشرق وسطی کی ریاستوں، جنوبی ایشیا کی ریاستوں کو اپنی کالونیوں میں تبدیل کر دیا۔ ہوس ملک گیری اور توسیع پسندانہ ذہنیت بیسویں صدی میں دو عالم گیر لڑائیوں کا باعث بنی جس میں چھ کروڑ سے زائد لوگ قتل ہوئے، اور کروڑوں لوگ بھوک، بد حالی، بیماریوں اور بیروزگاری کا شکار ہوئے اور دنیا ایک عرصے تک کساد بازاری کا شکار رہی۔ [1]

اقوام عالم نے پہلی عالمگیر لڑائی کی تباہ کاریوں کے بعد (League of Nations) اور اس کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے دوسری عالمگیر لڑائی کے بعد (United Nations) کے نام سے ادارے بنائے تاکہ ان کے ذریعے دنیا میں امن وامان قائم کیا جائے لیکن اسلام نے چودہ سو سال پہلے امن عالم کے حوالے سے واضح ہدایات دی تھیں کہ کسی شخص کے مال، مالی وسائل یا قومی وسائل پر ناجائز طور پر قبضہ نہ کیا جائے ورنہ دھرتی پر فتنہ وفساد برپا ہو گا

اس لیے عالمی امن کے حوالے سے یہ ضروری ہے کہ کسی کے وسائل پر ناجائز تسلط حاصل نہ کیا جائے جیسے انیسویں اور بیسویں صدی میں غریب اور کمزور ممالک کے وسائل پر ناجائز طور پر قبضے کیے گئے، جس کے نتیجے میں خونریز لڑائیاں ہوئیں اور کروڑہا لوگوں کی جانیں ضایع ہوئیں، اور بدقسمتی سے آج بھی کسی نہ کسی صورت میں یہ سلسلہ جاری ہے۔

عدم مساوات

کسی قوم یا گروہ کا رنگ، نسل، زبان، یا وطنیت کی بنیاد پر اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھنا اور پھر عملی طور پر دوسروں کے ساتھ امتیازی سلوک برتنا۔

انسانیت کے مابین عدم مساوات کا یہ رویہ ایک بہت بڑی گمراہی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کا موجب بنی رہی ہے۔ قدیم ترین زمانے سے لے کر آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا

---

[1] Wallbank walter T.and et.al "" History and Life" Scott Foresman & Co (Nov 1993 سندھی ترجمہ "**قومن جی عالمی تاریخ**" مترجم محمد بخش سومرو، سندھیکا اکیڈمی کراچی، 2003ع، طبع اول، مضمون "عالمی لڑائیوں کے اسباب"

رہاہے، جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بنا ایک خاندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے اور کہیں ایک جغرافی خطے میں یا ایک خاص رنگ والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہو جانا ہے۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی کہ جنھیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو، ان کے ساتھ غیروں کی بنسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اس تمیز سے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی گئی ہیں۔ اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے ہیں، مذہب ایجاد کیے گئے ہیں، قوانین بنائے گئے ہیں، اخلاقی اصول وضع کیے گئے ہیں، قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عملدرآمد کیا ہے۔

ہندوؤں کی سوچ کے مطابق آریانسل دنیائے انسانیت پر ایسی برتری رکھتی ہے کہ دنیا کا کوئی انسان اس کا مقابلہ یا برابری نہیں کر سکتا، اسی اصول پر انہوں نے سماج کو طبقات میں تقسیم کر دیا، برہمن، کھشتری، ویش، شودر برھمن کی باقی سارے طبقات پر بالا دستی قائم کی گئی اور غیر برہمن شودروں کو انتہائی گھٹیا اور پنیچ مقام دیا گیا۔

یونان کے دانشور ارسطو جو بہت بڑے فلسفی تھے، جس کی عقلی و فکری امامت کا مغرب و مشرق کو اعتراف ہے، نے اصول وضع کیا تھا کہ قدرت نے یونانیوں کو ریاست و اقتدار کے لئے پیدا کیا ہے اور غیر یونانیوں کو غلامی کے لئے۔ اور پھر یونانیوں نے اسی ی اصول کو اپنایا، اپنے لیے الگ قانون بنائے اور غیر یونانیوں کے لیے الگ۔ یونانیوں کے بعد رومن امپائر نے بھی اسی اصول کو اپنایا۔ رومیوں نے جب قانون بنائے تو پوری نسل انسانی کو دو طبقوں میں تقسیم کیا، ایک رومن دوسرے اسی اصول لو اپنایا۔ رومیوں نے جب قانون بنائے کو پوری مس انسانی خود دو جنتوں میں سیم لیا، ایک رومن دوسرے غیر رومن غیر رومن کو انہوں نے بربری یا غیر مہذب قرار دیا اور ان کے لئے ایک الگ قانون مرتب کیا، جسے انگلش میں (Law of Nations) کہتے ہیں، جس کا مطلب تھا غیر رومیوں کا قانون۔ انہوں نے اپنے امور نمٹانے کے لیے الگ قانون وضع کیا ہوا تھا۔ یورپ کا موجودہ نظام جس کی اصل فکری بنیادیں یونانیوں کے تصورات پر قائم ہیں، پھر جس پر رومیوں کے مادہ پرستانہ تصورات اور شہنشاہیت زدہ اداروں نے بڑا گہرا اثر ڈالا وہ بھی اسی طبقاتی اور غیر مساویانہ نظام پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جو نظام وہ دنیا کو دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں، اس میں مغرب کی چار بڑی طاقتوں کی بالا دستی قائم ہے، اقوام متحدہ کا فیصلہ کن ادارہ سلامتی کو نسل ہے جس میں پانچ مستقل ارکان کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے، پوری دنیا کے دو سو سے زائد ممالک ایک طرف ہوں اور ان پانچ میں سے صرف ایک ملک بلکہ اس ملک کا ایک شخص ملک کا ایک شخص جب چاہے پوری دنیا کے متفقہ فیصلے کو ویٹو پاور استعمال

کر کہ) مسترد کر سکتا ہے۔[1]

یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا اس کی تہ میں یہی تصور کار فرما رہا کہ اپنے وطن، اپنی نسل اور اپنی قوم کی حدود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان، مال اور آبرو ان پر مباح ہے، اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ ان کو لوٹیں، غلام بنائیں، اور ضرورت پڑے تو صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔

مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لئے جس طرح بے رحم بنا کر رکھ دیا ہے اس کی بدترین مثالیں بیسویں صدی کی دو عالمگیر لڑایوں میں دیکھی جا چکی ہیں، ان لڑایوں میں جہاں ہوسِ ملک گیری کار فرما تھی وہاں قومی برتری کا جذبہ بھی نمایاں تھا، خاص طور پر نازی جرمنی کا فلسفۂ نسلیت اور نارڈک نسل کی برتری کا تصور جنگِ عظیم دوم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے، انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی بآسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ انسانوں کے درمیان اونچ نیچ یا عدم مساوات کی سوچ کتنی بُری اور تباہ کن سوچ ہے۔

دوسرے مذاہب کو سمجھنے کا فقدان

دوسرے مذاہب کی تفہیم کا فقدان بین المذا المذاہب ہم آہنگی کو درپیش اہم چیلنجز میں سے ایک ہے۔ لوگ اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے بارے میں سیکھنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ایک دوسرے کے عقائد، روایات، اور عبادات کے بارے میں صحیح علم نہ ہونا اختلافات اور غلط فہمیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کمی کی وجہ سے لوگ دوسروں کے مذہب کو درست طور پر نہیں سمجھ پاتے اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ تفہیم کی یہ کمی تعصب، اور یہاں تک کہ مختلف مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے نفرت کا باعث بن سکتی ہے۔ اس مسئلے کا ایک حل تعلیم ہے۔ اسکول، یونیورسٹیاں اور مذہبی ادارے لوگوں کو مختلف مذاہب کے بارے میں تعلیم دینے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تعلیمی پروگرام بین المذاہب مکالمے کو فروغ دے سکتے ہیں اور لوگوں کو مذاہب کے درمیان مماثلت اور فرق کو سمجھنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

تاریخی تنازعات

مذہبی گروہوں کے درمیان تاریخی تنازعات بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے بھی چیلنج بن سکتے ہیں۔ بہت سے مذہبی تنازعات صدیوں سے چل رہے ہیں، اور زخم گہرے ہیں۔ تنازعات نے مذہبی گروہوں کے درمیان بداعتمادی اور نفرت کو جنم دیا ہے

---

[1] ڈاکٹر محمود احمد غازی، **اسلام اور مغرب تعلقات**، (کراچی دار العلم والتحقیق، 2012ء) ص 15-16

جس پر قابو پانا مشکل ہو سکتا ہے۔ اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے ماضی کے تنازعات اور حال پر ان کے اثرات کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مذاہب کے درمیان ماضی میں ہونے والے جنگیں، تنازعات، اور ظلم و ستم موجودہ دور میں بھی دشمنی اور تصادم کو ہوا دے سکتے ہیں۔

بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کا تاریخی تناظر بہت اہم ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اختلافات، جنگیں، اور تصادمات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر صلیبی جنگیں، ہسپانیہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کشمکش، ہندو مسلم تعلقات کی تاریخ، اور موجودہ دور میں اسرائیل-فلسطین تنازعہ وغیرہ، یہ سب تاریخی واقعات ہیں جو بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے اسباب کو سمجھنے کے لئے اہم ہیں۔

سیاسی عوامل

سیاسی عوامل جیسے حکومتی پالیسیاں، قانون سازی، اور پروپیگنڈہ بین المذاہب ہم آہنگی کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ سیاسی رہنما مذہب کو طاقت اور لوگوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مذہبی گروہوں کے درمیان تناؤ اور تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسی پالیسیوں کو فروغ دیا جائے جو مذہبی تنوع کا احترام کریں اور حکومتیں ایک ایسا ماحول بنانے کے لیے بھی کام کریں جو بین المذاہب مکالمے کو فروغ دے اور مذہبی رواداری کو فروغ دے۔

انتہاپسندی

انتہاپسندی بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے ایک اہم چیلنج ہے۔ انتہاپسند گروہ اکثر تشدد اور دہشت گردی کو جواز فراہم کرنے کے لیے مذہب کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ ان کے مذہبی عقائد دوسروں سے برتر ہیں اور وہ اپنے خیالات دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے تشدد کا استعمال کرنے کو تیار ہیں۔ اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے مذہبی گروہوں کے اندر اعتدال پسند آواز کو فروغ دینا ضروری ہے۔ مذہبی رہنما اپنی برادریوں میں امن اور رواداری کے پیغام کو فروغ دینے کے لیے کام کر سکتے ہیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ انتہاپسندانہ پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنے اور امن اور رواداری کے پیغام کو فروغ دینے کے لیے بھی کام کریں.

سوشل میڈیا

موجودہ دور میں جرمنی میں اسلام سیاسی اور سماجی سطح پر پھیل رہا ہے جرمن تشخص میں میڈیا اہم کردار ادا کر رہا ہے مختلف برادریوں کے اندر میڈیا اسلام کے تاثر کو دھندلا کر پیش کر رہا ہے جیسے اسلام دوسروں کے لیے خطرہ اور دھمکی ہو حالانکہ اسلام وہاں اقلیتی مذہب ہے۔ سوشل میڈیا بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے بھی چیلنج بنتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز

نفرت انگیز سوشل میڈیا کے ذمہ دارانہ استعمال کو فروغ دیا جائے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نفرت انگیز تقاریر کا مقابلہ کرنے اور بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے کے لیے کام کر سکتے ہیں۔ افراد اپنے آپ کو مختلف نقطہ نظر سے روشناس کرانے اور مختلف مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ باعزت مکالمے میں مشغول ہونے کی طرف بھی کام کر سکتے ہیں۔ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم انیسویں صدی کے کامیاب مکالموں کا دور واپس لا سکیں اور اس وقت کے عظیم مبلغین کے طرز پر چل کر معاشرے میں امن کو قائم کرنے میں اہم کردار ادا کر سکیں۔

بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کے عوامل میں میڈیا کا کردار ایک اہم اور پیچیدہ موضوع ہے۔ میڈیا کی طاقت اور اثر و رسوخ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور بعض اوقات یہ اثرات منفی بھی ہو سکتے ہیں۔

منفی خبروں کی تشہیر

میڈیا اکثر منفی خبروں کو زیادہ نمایاں کرتا ہے کیونکہ وہ زیادہ سنسنی خیز اور قابل فروخت ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے مذاہب کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً، اگر کسی مخصوص مذہبی گروہ کے افراد کی طرف سے کوئی منفی یا تشدد پسندانہ واقعہ پیش آتا ہے، تو میڈیا اسے بہت زیادہ کوریج دیتا ہے، جس سے پورے گروہ کے بارے میں عام تاثرات خراب ہو سکتے ہیں۔

مذہبی تعصبات کا فروغ

کچھ میڈیا ادارے جان بوجھ کر یا غیر شعوری طور پر ایسے مواد کی تشہیر کرتے ہیں جو مذہبی تعصبات کو فروغ دیتا ہے۔ اس میں بعض اوقات ایسے مباحثے یا تجزیے شامل ہوتے ہیں جو ایک مخصوص مذہب یا مذہبی گروہ کو نشانہ بناتے ہیں، جس سے بین المذاہب تناؤ بڑھتا ہے۔

گمراہ کن معلومات

سوشل میڈیا اور روایتی میڈیا دونوں میں بعض اوقات غلط یا گمراہ کن معلومات پھیلائی جاتی ہیں، جو بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کا باعث بنتی ہیں۔ ان معلومات کی سچائی کو پرکھنے کا کام اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے، اور لوگوں میں خوف، نفرت اور بداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

مثبت کوششوں کو نظر انداز کرنا

میڈیا کا ایک اور منفی کردار یہ ہے کہ وہ اکثر بین المذاہب ہم آہنگی اور مثبت تعلقات کی کوششوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایسے پروگرامز اور اقدامات جو مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں میڈیا میں کم جگہ ملتی ہے،

جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کوششوں کا علم نہیں ہوتا۔

پراپیگنڈا اور منافرت

بعض میڈیا ادارے اپنے مفادات یا کسی خاص ایجنڈے کے تحت پراپیگنڈا کرتے ہیں جس کا مقصد مذہبی منافرت پھیلانا ہوتا ہے۔ اس طرح کے پراپیگنڈا کا اثر عوام کے ذہنوں پر گہرا ہوتا ہے اور بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔

سوشل میڈیا کا کردار

سوشل میڈیا پر ایسے افراد یا گروپس بھی سرگرم ہوتے ہیں جو نفرت انگیز مواد پھیلاتے ہیں۔ یہ مواد تیزی سے وائرل ہوتا ہے اور بین المذاہب تعلقات میں دوریاں پیدا کرتا ہے۔

توہین مذہب

توہین مذہب ایک حساس اور نازک مسئلہ ہے جو بین المذاہب تعلقات میں گہرے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے۔ جب کسی مذہب، اس کے مقدسات، یا عقائد کی توہین کی جاتی ہے، تو اس کے پیروکاروں میں غم و غصہ پیدا ہوتا ہے، جو مذہبی ہم آہنگی اور امن کے فروغ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس قسم کی توہین نہ صرف دل آزاری کا سبب بنتی ہے بلکہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان عدم اعتماد اور نفرت کو بھی بڑھا دیتی ہے۔

تدارک

بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کا سدباب ایک اہم اور نازک موضوع ہے، جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر میں مختلف مذاہب کے ماننے والے افراد موجود ہیں اور ان کے درمیان ہم آہنگی، رواداری اور باہمی احترام برقرار رکھنا ضروری ہے۔ مگر بدقسمتی سے، کئی وجوہات کی بنا پر بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بگاڑ کو روکنے کے لیے چند اہم اقدامات پر غور کیا جا سکتا ہے۔

1. تعلیم و آگاہی

تعلیم بین المذاہب تعلقات کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مدارس، سکولوں، اور جامعات میں ایسی تعلیم دی جانی چاہیے جو طلبہ کو مختلف مذاہب کے بارے میں علم فراہم کرے اور رواداری کی اہمیت اجاگر کرے۔ مذہبی تعصب کو کم کرنے کے لیے مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد اور روایات کے بارے میں صحیح معلومات دی جائیں۔

2. مکالمہ اور تبادلہ خیال

مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مکالمہ بہت اہم ہے۔ مختلف مذاہب کے علماء اور رہنماؤں کے درمیان باقاعدہ تبادلہ خیال ہونا چاہیے تاکہ غلط فہمیوں کو دور کیا جاسکے اور ایک دوسرے کی روایات اور عقائد کو سمجھا جاسکے۔ اس طرح کے مکالمے سے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو بہتر انداز میں سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

3. قانون کا نفاذ اور انصاف کی فراہمی

بین المذاہب بگاڑ اکثر اس وقت بڑھتا ہے جب انصاف کی فراہمی میں تعصب یا ناانصافی ہوتی ہے۔ اس بگاڑ کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ قوانین کو سختی سے نافذ کیا جائے اور کسی بھی قسم کی مذہبی بنیاد پر ہونے والی نفرت یا تشدد کے خلاف فوری کاروائی کی جائے۔ انصاف کی بروقت فراہمی سے مذاہب کے درمیان اعتماد بحال ہوتا ہے۔

4. مذہبی رہنماؤں کا کردار

مذہبی رہنماؤں کا کردار بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ میں بہت اہم ہے۔ ان کی تعلیمات اور بیانات براہ راست عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر مذہبی رہنما اپنے پیروکاروں کو رواداری، امن اور محبت کا درس دیں، تو بین المذاہب بگاڑ کا سدباب ممکن ہے۔

5. مشترکہ سماجی کام

مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو مشترکہ سماجی کاموں میں حصہ لینا چاہیے۔ مثلاً فلاحی منصوبے، تعلیم و صحت کے شعبے میں خدمات، اور غربت کے خاتمے کے پروگرام۔ یہ اقدامات معاشرتی سطح پر بین المذاہب تعلقات کو مضبوط بناسکتے ہیں۔

6. میڈیا کا کردار

میڈیا بھی بین المذاہب تعلقات کو بہتر بنانے یا خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ میڈیا کو چاہیے کہ وہ تعصب سے پاک رپورٹنگ کرے اور ایسے مواد سے اجتناب کرے جو نفرت یا تقسیم کا سبب بنے۔ مثبت مواد اور امن کے پیغام کو فروغ دینا میڈیا کی ذمہ داری ہے۔

بین المذاہب تعلقات میں بگاڑ کا سدباب ایک اجتماعی ذمہ داری ہے جس میں حکومت، مذہبی رہنما، تعلیمی ادارے، اور عوام سب کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ تعلیم، مکالمہ، قانون کا نفاذ، مذہبی رہنماؤں کا کردار، مشترکہ سماجی کام اور میڈیا کی مثبت کردار ادا کر کے ہم بین المذاہب تعلقات کو بہتر بناسکتے ہیں اور امن و امان کو فروغ دے سکتے ہیں۔

دور حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی، قربت اور آپس میں افہام و تفہیم کا ماحول پیدا کیے جانے کی ضرورت ہے۔ غلو اور شدت پسندی کو چھوڑ کر میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔ احترام انسانیت کی سوچ اور تعلیمات کو فروغ دیا جائے جو کہ سب کے درمیان یکساں ہیں

تمام مذاہب محبت، اخوت، اتحاد و اتفاق، رواداری، میانہ روی، ایثار و قربانی اور زندگی گزارنے کے اعلیٰ اخلاق، مذہبی اور معاشی معیارات اختیار کرنے کی تلقین و تاکید کرتے ہیں

بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ تکریم انسانیت کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے احترام انبیاء کو انتہائی ملحوظ خاطر رکھا جائے کیونکہ الہامی تعلیمات کا ہم تک پہنچنے کا پہلا سبب تو انبیاء اور رسل کی ذاتیں ہی ہیں اور یہی حضرات ہی امن و سلامتی ،اخوت و بھائی چارہ اور محبت و شفقت کا بہترین ذریعہ ہیں

بین المذاہب مکالمات اور مشترکات کو فروغ دینے کے ذریعے سے امن و آشتی کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے۔ دور جدید میں الہامی کتب کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی حقوق کے مسائل پر کافی حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ حقیقی امن و سلامتی کے لیے بلا امتیاز عدل و انساف کے پیمانے کو لاگو کیا جائے، مقابلے میں چاہے کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم۔ لہذا ظلم کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی محرومی کا بھی ازالہ کیا جانا چاہیے۔

شرف انسانیت کا وہ مقام جو مذاہب عالم کی مذہبی کتب میں بیان کیا گیا ہے، کو نہ صرف بحال کیا جائے بلکہ معاشرتی استحکام اور رواداری کو فروغ دینے کے لیے اس پر عملی کاوشوں کو فروغ دیا جائے اور نفرت، بغض اور عداوت کو چھوڑ کر محبت اور شرف انسانیت کے مقصد پر بلا تفریق، کام کیا جائے۔

انسانی جان، آبرو، مال کی حفاظت اور اہمیت کو نہ صرف اجاگر کیا جائے بلکہ انسانی تذلیل پر سخت سزائیں رکھی جائیں تاکہ کوئی بھی انسانی جان کی بے حرمتی کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ دور حاضر میں علماء کو چاہیے کہ بین المذاہب مشترکہ اخلاقی و انسانی اقدار کو پروان چڑھائیں۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ دوسرے مذاہب کے بانیان، ان مذاہب کے ہاں مقدس سمجھی جانے والی کتب، ان کی عبادت گاہوں اور عقائد کا احترام کیا جائے۔

دور حاضر میں میڈیا کے کردار کا انکار ممکن نہیں، اس لیے میڈیا کو مثبت کردار ادا کرتے ہوئے ایسے پروگرامز اور ٹاک شوز کو منعقد کرنا چاہیے جو معاشرتی امن و سکون کو بہتری کی طرف لے جائیں اور مذاہب کے ایسے افراد کو بلایا جائے، جن کی گفتگو اور شخصیت میں اعتدال پایا جاتا ہو۔

باب چہارم: تکریم مقدسات اور بین المذاہب تعلقات

فصل اول: تکریم مقدسات کا پر امن بقائے باہمی میں کردار

فصل دوم: احترام مقدسات سے متعلق عصری قانون سازی اور مسائل کا تجزیہ

تکریم مقدسات اور بین المذاہب تعلقات

دنیا میں مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگ بستے ہیں، اور ہر مذہب کے پیروکار اپنے عقائد، رسوم اور مقدسات کی نہایت عزت اور احترام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام اور بین المذاہب ہم آہنگی ہی وہ راستہ ہے جو دنیا میں امن، رواداری اور محبت کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں جب دنیا تیزی سے گلوبلائز ہو رہی ہے، مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ ٹیکنالوجی اور مواصلات کے جدید ذرائع نے دنیا کو ایک "عالمی گاؤں" میں تبدیل کر دیا ہے جہاں لوگ مختلف ممالک، ثقافتوں اور مذاہب کے ساتھ براہ راست رابطے میں آ گئے ہیں۔ اس تنوع کو امن اور ہم آہنگی میں بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام کریں اور بین المذاہب تعلقات کو مضبوط بنائیں۔

تکریم مقدسات اور بین المذاہب تعلقات کا فروغ آج کے دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔ جہاں دنیا مختلف مذاہب اور ثقافتوں کا مجموعہ ہے، وہیں باہمی عزت و احترام اور ہم آہنگی ہی امن کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ ہر مذہب کے ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنے مقدسات کا احترام کریں بلکہ دوسروں کے مذہبی عقائد اور مقدسات کا بھی احترام کریں تاکہ ایک پرامن اور محبت بھرا معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

مقدسات کا احترام مذاہب کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے، جس کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں اور مشترکہ قدروں اور اصولوں کی بنیاد پر تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جہاں مذاہب کے پیروکاروں نے ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام کرتے ہوئے دوستی اور تعاون کی مثالیں قائم کیں۔ دنیا کے کئی ممالک میں بین المذاہب تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے قانونی اور اخلاقی اصول وضع کیے گئے ہیں، جن کے تحت کسی بھی مذہب کی مقدسات کی بے حرمتی کو روکا جاتا ہے۔ ان قوانین کا مقصد مذہبی جذبات کو مجروح ہونے سے بچانا اور معاشرتی ہم آہنگی کو برقرار رکھنا ہے۔

عالمی سطح پر بین المذاہب مکالمے کے فروغ میں بھی تکریم مقدسات اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مختلف ممالک اور اقوام کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے بین المذاہب مکالمہ اور تعاون ضروری ہوتا ہے۔ جب مختلف مذہبی رہنما اور پیروکار ایک دوسرے کے عقائد اور مقدسات کا احترام کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف امن کو فروغ ملتا ہے بلکہ معاشرتی اور سیاسی تعلقات میں بھی بہتری آتی ہے۔

فصل اول: تکریم مقدسات کا پرامن بقائے باہمی میں کردار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اسلام میں دیگر مذاہب کے مقدسات کی خاصی رعایت رکھی گئی ہے اور مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے مقدمات کی توہین سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[1]

اور (اے مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا کہنے لگیں۔"

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ سے نقل کیا ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے کہا اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے معبود کی ہجو کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتوں کو برا بھلا کہنے سے روک دیا کہ وہ لوگ حد سے تجاوز کر کے جہالت میں اللہ تعالیٰ کو برا بھلا نہ کہہ بیٹھیں۔[2]

مذاہب عالم کے مقدسات سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے جو قرآن کریم میں بھی جگہ جگہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَااسم الله كثيرًا﴾[3]

" اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کے شر کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔"

صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں راہب اور سنیاسی اور تارک الدنیا فقیر رہتے ہوں۔ بیعہ کا لفظ عربی زبان میں عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صلوات سے مراد یہودیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ یہودیوں کے ہاں اس کا نام صلوتا تھا جو آرامی زبان کا لفظ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ایک بڑا مقصد یہ بھی بیان کیا کہ جہاد اس لیے مشروع ہوا ہے کہ روئے زمین پر خانقاہیں، کلیسائیں، گرجے، مساجد اور دیگر شعائر اللہ کی حفاظت کرنا ہے اور ان کو کسی قسم کی تباہی اور توہین سے محفوظ رکھنا ہے۔

---

[1] الانعام:108

[2] طبري، أبو جعفر محمد بن جرير، **جامع البيان في تأويل القرآن**، (مكة المكرمة: دار التربية والتراث،) ج12 ص34-

[3] الحج:40

آیت پر غور کرنے سے یہ بات نہایت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام مذاہب کی عبادت گاہیں مقدس ہیں اور ان کی حفاظت کرنا اور تکریم ورعایت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مفسرین کرام کے مطابق اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جہاد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دیگر مذاہب کے مقدسات اور عبادت گاہوں کو مسمار کیا جائے بلکہ در حقیقت ان کی حفاظت کرنا ہے۔ چنانچہ مذہبی مقدسات کی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو ان کو نصیحت کرتے:

" ولا تَحْرِقُوا كَنِيسَةً، وَلا تَعْقِرُوا نَخْلًا [1] یعنی کوئی کنیسہ جلاؤ نہ کوئی درخت کاٹو۔

اسلام کی جانب سے ذمیوں کو عطا کردہ حقوق میں مذہبی آزادی کا حق سرفہرست ہے۔ کسی بھی دین اور مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص اپنے مذہب اور عقیدہ پر کاربند رہ سکتا ہے۔ عہد نبوی صلی علی یم اور بعد کے ادوار میں نہ صرف اہل کتاب کو اپنے مذہب پر باقی رہنے کی اجازت دی گئی بلکہ انہیں اپنے تمام مذہبی شعائر اور عبادات کو بجالانے کی اجازت بھی دی گئی بس اس شرط کے ساتھ کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں مخل نہ ہوں۔

اہل نجران کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ میں نبی کریم صلی علیم نے نجران کے نصاریٰ اور دیگر مذاہب والوں کو مکمل مذہبی آزادی دی، ان کے گرجوں عبادت خانوں اور خانقاہوں کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور یہ معاہدہ کر لیا کہ ان کے پادریوں اور راہبوں کو ان کے طریق عبادت اور پیشوں سے نہیں ہٹایا جائے گا نہ ان کے حقوق میں مداخلت کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا:

> ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله علي انفسهم وملتهم و ارضهم و اموالهم و غالبهم و شاهدهم و بيعهم و صلواتهم لايغيروا اسقفا عن اسقفيته ولا راهبا عن رهبانية ولا واقفا عن وقفانيته وكل ما تحت ايديهم من قليل اوكثير .[2]

نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجاگھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔"

---

[1] عبد الرزاق، **المصنف**، باب دعاء العدو، حدیث نمبر:9430، ج5 ص219

[2] ابن سعد، **الطبقات الکبری**، باب وفد نجران، ج1 ص358

"تاریخ الخمیس في احوال انفس النفیس" کے مصنف نے غزوہ خیبر کے احوال وواقعات میں بھی نقل کیا ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر جب صحابہ کرام یہود کے غنائم جمع کر رہے تھے تو اس وقت بعض صحابہ کرام کو یہود کے مقدس صحیفوں کے کچھ اوراق مل گئے۔ انہوں نے وہ اوراق نبی کریم صلی تعلیم کی خدمت مبارک میں پیش کیے۔ بعد میں جب یہود آئے اور انہوں نے وہ صحیفے مانگ لیے تو نبی کریم صلی السلام نے وہ صحائف ان کے حوالہ کر دیئے۔[1]

"تاریخ الیہود في بلاد العرب" کے مصنف ڈاکٹر اسرائیل نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ 70 قبل مسیح میں جب روم کے بادشاہوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے یہود کے مقدس صحیفے جلا دیئے اور پاؤں سے روند ڈالے۔ اسی طرح جب عیسائیوں نے اندلس پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے تورات کے صحیفے جلا دیئے۔ لیکن غزوہ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے نہ صرف یہود کے مقدس صحیفوں کو نہایت تقدس اور احترام کے ساتھ محفوظ رکھا بلکہ جب یہودیوں نے ان کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صحیفے واپس بھی کر دیئے۔[2]

عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس معاہدے کی تجدید کی اور نجران کے نصاری اور دیگر باشندوں کو وہی تمام حقوق دیئے جو نبی کریم صلی علیہم نے انہیں عطا کیے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب کوئی اسلامی لشکر روانہ کیا جاتا تو اس لشکر کے سپہ سالار کو یہ احکامات سکھائے جاتے:

> وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَلَا تَعْصَوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ وَلَا تَغْرِقُنَّ نَخَلًا وَلَا تُحْرِقُنَّهَا وَلَا تَعْقِرُوْا بَيْمَةً وَلَا شَجَرَةً تُعْمِرُ وَلَا تَقْدِمُوا بِيْعَةً وَلَا تَقْتُلُوا الْوِلْدَانَ وَلا الشَّيُوخَ وَلا النِّسَاءَ وَسَتَجِدُوْنَ أَقْوَامًا حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ فِي الصَّوَامِعِ فَدَعَوْهُمْ وَمَا حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ [3]

زمین میں فساد نہ کرنا، احکام کی نافرمانی نہ کرنا، کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور نہ انہیں جلانا، جانوروں کو نہ مارنا پھل والے درخت نہ کاٹنا، عبادت گاہوں کو نہ گرانا، بچوں، بوڑھوں اور خواتین کو قتل نہ کرنا، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھر جا گھروں میں محبوس کر رکھا ہے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو شام بھیجتے وقت یہ احکامات صادر فرمائے:

---

[1] حسین بن محمد بکری، **تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس**، (بیروت: دار صادر)، ج2 ص55-

[2] ڈاکٹر اسرائیل، **تاریخ الیہود فی بلاد العرب**، (مصر: مطبعۃ الاعتماد، طبع: 1937ء) ص183-

[3] مالک بن انس، **الموطا**، ۴۴۸ (لاہور، مکتبہ رحمانیہ 2010ء)

وَلا تَقْدِمُوا بَيْعَةً وَلا تَقْتُلُوا شَيْئًا كَبِيرًا ولا صبيا ولا صَغِيرًا وَلا امْرَأَةً [1]

اور عبادت گاہوں کو نہ گرانا اور بوڑھوں، بچوں، چھوٹوں اور خواتین کو قتل نہ کرنا"

اسلامی تعلیمات میں غیر مسلموں کی جان، اموال اور خاندان کی حفاظت کے ساتھ اُن کی تمام اشیاء اور عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ ہو یا دور صحابہ رضی اللہ عنہم ہو یا بعد کے ادوار، اسلامی تاریخ غیر مسلم شہریوں سے حُسن سلوک کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اسلامی ریاست میں پر سکون اور پر امن زندگی گزارتے تھے حتی کہ وہ اسلامی ادوار کو اپنے حکمرانوں کے ادوار سے بہتر سمجھتے تھے۔ اُن کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں، اُن میں آزادی کے ساتھ وہ اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے تھے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

دورِ خلفاء راشدین سے غیر مسلم اپنی عبادات اور مذہبی رسومات آزادی سے بجالاتے آرہے ہیں اور اس کی تفصیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اُن معاہدوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو انہوں نے غیر مسلموں سے کیے تھے۔ اس کی واضح مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ عہد نامہ ہے جو اُنہوں نے اہل بیت المقدس کے ساتھ طے کیا تھا"[2]

اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ اور مذہبی مقام کو منہدم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کا احترام کیا جائے اور ایک اسلامی حکومت ان کی ترقی کے لیے فنڈ مختص کرے تاکہ ضرورت کے مطابق ان کی تعمیر و ترقی کا کام کیا جاسکے۔

نبی کریم صلی اسلام کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب مسیلمہ کذاب کے لیے لشکر تشکیل دے رہے تھے تو ان کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "تم ایسے لوگوں پر سے گزرو گے جو گرجاگھروں میں عبادت کر رہے ہوں گے، ان کے خیال میں وہ اللہ کے لیے راہبانہ زندگی گزار رہے ہیں، پس تم ان کو ان کے حال پر رہنے دو اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرنا"[3]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق اور شام کی سرحدوں سے عراق اور ایران کی طرف لوٹے تو راستے میں اہل عانات کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ شقیں شامل تھیں کہ ان

---

[1] علی المتقی الھندی، **کنز العمال في سنن الاقوال والافعال** (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۷۹ء)، ۴:۴۷۵

[2] الدکتور یوسف القرضاوی، **القليات الدينية والحل في الاسلام** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۹)، ۱۳.

[3] واقدی، محمد بن عمر بن واقد السھمي، **فتوح الشام**، (دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولی 1417ھ،) ج 1 ص 8۔

کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔ وہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجاسکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ اپنی عید پر صلیب نکال سکتے ہیں۔[1]

عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کے طول و عرض میں وسیع علاقہ آچکا تھا اور مختلف اقوام و مذاہب کے لوگ آپ کی رعایا میں شامل تھے۔ آپ کے دور میں ذمی رعایا کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی، ان کی عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل تھا اور وہ آزادنہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجاسکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ اپنی عید پر صلیب نکال سکتے ہیں۔[2]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کے طول و عرض میں وسیع علاقہ آچکا تھا اور مختلف اقوام و مذاہب کے لوگ آپ کی رعایا میں شامل تھے۔ آپ کے دور میں ذمی رعایا کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی، ان کی عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل تھا اور وہ آزادنہ طور پر اپنی مذہبی عبادات بجالاسکتے تھے۔ بقول شبلی نعمانی رحمہ اللہ " حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب روم وفارس کے ممالک کو زیر نگین کیا تو وہاں کے عیسائیوں اور یہودیوں" کی حالت دفعہ بدل گئی۔ جو حقوق ان کو دیئے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دوبرابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔"[3]

سن 15 ہجری میں بیت المقدس کے فتح کے موقع پر اہل ایلیاء کے ساتھ آپ کا ایک تاریخی معاہدہ ہوا جو اکثر کتب تاریخ میں موجود ہے۔ اس معاہدے کی رو سے وہاں کے رہنے والوں کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی اور ان کے گرجاگھروں کو بھی مکمل تحفظ فراہم کرنے کا معاہدہ طے ہوا۔ اس معاہدے کا متن درج ذیل ہے:

> "بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير المؤمنين أهل إيلياء من الأمان، أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم، ولكنائسهم وصلبانهم، وسقيمها وبريئها وسائر ملتها، أنه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم، ولا ينتقص منها ولا من حيزها، ولا من صليبهم، ولا من شيء من أموالهم، ولا يكرهون على دينهم، ولا يضار أحد منهم [4]

---

[1] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، **مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة** (بیروت: دار النفائس، طبع 1407ھ) ص 323

[2] امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج**، (بیروت: المکتبة الأزهرية للتراث،) ص 145-

[3] شبلی نعمانی، **الفاروق**، (الفیصل ناشران و تاجران کتب، طبع: 2002ء) ص 261۔

[4] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید، **تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)** (بیروت: دار التراث،) ج 3 ص 609

یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے ایلیاء کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، ان کے مال، ان کے گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور تمام اہل مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح پر کہ ان کے کنیسوں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کچھ کمی اور نقصان کیا جائے گا۔ ان کے دین کے معاملے میں ان پر کسی قسم کا جبر اور اکراہ نہیں ہو گا اور نہ ان میں سے کسی کو تکلیف اور نقصان پہنچایا جائے گا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مذکورہ بالا معاہدے میں صراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان موجود ہے کہ اسلامی سلطنت کے اندر رہنے والے دیگر اہل مذاہب اور ان کے معابد و کنائس اور مکمل آزادی کو تحفظ حاصل ہو گا۔ گرجے اور چرچ کی نسبت تو نہایت تفصیل سے لکھا گیا کہ نہ توڑے جائیں گے، نہ ان کی عمارات کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں صرف اسلامی شعائر کی حرمت کا تصور موجود نہیں بلکہ ہر مذہب کے رہنے والوں کے شعائر اور مقدسات کی حرمت کو اسلام میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

صلح کے بعد حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں پادری صفرنیوس اور شہر کے معززین نے آپ کا استقبال کیا۔ اگلے دن صفرنیوس آپ کو شہر کے آثار اور زیارت گاہیں دکھانے کے لیے لے گیا اور ان عبادت کروں کے مشہور قصے آپ کو سنائے نماز ظہر کے وقت وہ واقعہ پیش آیا کہ جس سے حضرت عمر کے کردار اور مذہبی رواداری پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ اہل ذمہ کا کسی حد تک احترام کرتے تھے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کس قدر محتاط تھے۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

حضرت عمر اور صفرنیوس کلیسائے قیامت میں تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ پادری نے عرض کی کہ آپ یہاں نماز پڑھ لیں یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے، لیکن حضرت عمر نے معذرت فرمائی کہ اگر آج انہوں نے یہاں نماز ادا کی تو مسلمان اس عمل کو سنت یا مستحب قرار دے کر ہمیشہ ان کی تقلید کریں گے، اگر انہوں نے ایسا کیا تو مسلمان عیسائیوں کو ان کے گھر جاؤں سے نکال دیں گے اور امان کی خلاف ورزی کریں گے۔[1]

کلیسائے قیامت میں حضرت عمرؓ کا نماز پڑھنے سے معذرت کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو مذاہب کی تاریخ اور دنیا کے مختلف المذاہب انسانوں کے باہمی تعلقات پر بڑا اہم اثر ڈالتا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں اسلامی رواداری اور دین میں کوئی جبر نہیں" کے اصول پر حضرت عمر کا صدق تمسک صدق جھلکتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عہد خلافت

[1] ہیکل، محمد حسین، **حضرت عمر فاروق اعظم**، (فکشن ہاؤس، لاہور 2000ء) ص: ۲۹۴

راشدہ میں غیر مسلم اقلیتوں کو کس قدر مذہبی آزادی حاصل تھی۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اس معاہدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ ولا یکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لیے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور در حقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے تاہم ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو نکل سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا بلکہ ان کے گرجا وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟[1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد فاروقی میں عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بہت بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ اور ان کا دعوی ہے کہ اس بات کی اصل دستاویز آج بھی محفوظ ہے کہ ایک عیسائی اپنے بعض ہم مذہبوں کو جو دوسرے شہر کے تھے، یہ خوش خبری پہنچاتا ہے کہ آجکل ایک نئی قوم ہماری حاکم بن گئی ہے جو ہم پر ظلم نہیں کرتی بلکہ ہمارے گرجاؤں اور ہمارے خانقاہوں کی مدد کرتی ہے[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک عیسائیوں کے ساتھ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے پھول برساتے ہوئے، باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ان کا دستور ہے۔ اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔[3]

---

[1]شبلی نعمانی، **الفاروق**، ص263-264

[2]حمید اللہ، ڈاکٹر، **خطبات بہاولپور** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 2007ء) ص373

[3]بلاذری، احمد بن یحییٰ، **فتوح البلدان**، (بیروت دار و مکتبۃ الھلال، 1998ء) ص141

عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی نے بھی اس سابقہ معاہدے کو برقرار رکھا اور اس پر مکمل عمل درآمد کیا۔ اور جب ولید بن عقبہ کی اس بارے شکایت موصول ہوئی تو فوراخط لکھ کر اس معاہدہ پر عمل درآمد کا پابند بنایا۔ اور پھر حضرت عثمان کی فہم و فراست و دور رس نگاہ تو دیکھیئے کہ ولید کو اس بات کا بھی حکماپابند کیا کہ یہ معاہدہ نامہ پڑھ کر اپنے پاس رکھنے کی بجائے ان عیسائیوں کو واپس کر دیا جائے۔ تاکہ آئندہ اگر کوئی ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے اور ان کے طے شدہ اور تسلیم شدہ حقوق کو غصب کرنے کا ارتکاب کرے تو یہ معاہدہ ان کے پاس بطور ثبوت کے موجود ہو۔ حضرت عثمان غنی کا خط ملاحظہ ہو:

" من عبد الله عثمان امير المؤمنين الى الوليد بن عقبه سلام الله عليك فاني احمد الله الذي لا اله الا هو. اما بعد فان الاسقف بالعقل بسرعات اهل نجران الذين بالعراق توني الى فاروني امر لهم وقد علمت اصابهم من المسلمين واني قد خففت انهم ثلاثون كلا من جزيتهم ركنا بوجه الله تعالى جل ثناءه و اني غصيت لهم بكل ارضي هم التي تسبق عليهم امر وقضاء مكان ارضهم بالجمل خصوصي بهم خيرا فانهم اخوان لهم ذمه وكانت بيني وبينهم معرفه بندر صحيفه كان عمر كتبها لهم فاوفى هم ما فيها لقد قرات صحيفته فردد ها عليهم والسلام وكتب حمران بن ابان لنصف من شعبان سنه -[1]

اللہ کے بندے امیر المومنین عثمان رضی اللہ ہو تعالی عنہ کی طرف سے ولید بن عقبہ کو سلام اللہ علیہا میں اس خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوااور کوئی اللہ نہیں۔) امابعد! عراق میں نجران کے جو باشندے ہیں ان کے اسقف، عاقب اور سردار لوگوں نے میرے پاس آکر مجھ سے شکایت کی اور مجھے وہ شرط دکھائی جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں سے ان لوگوں کو کیا نقصانات پہنچے ہیں، میں نے ان کے جزیہ میں سے 30 جوڑوں کی تخفیف کر دی ہے۔ انہیں میں نے اللہ جل شانہ کی راہ میں بخش دیا ہے، اور میں نے ہر وہ زمین ان کو دے دی جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کی منی زمین کے عوض انہیں صدقہ کی تھی، تم ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت حاصل کرو، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ذمہ حاصل ہے، اور میرے اور ان کے تعلقات بھی اچھے رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ ہو تعالی عنہ نے ان کے لئے جو صحیفہ تحریر کیا تھا اس کو غور سے دیکھ لو اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ ان کے ساتھ پورا کرو جب تم ان کا صحیفہ پڑھ لو تو اسے انہیں واپس دے دینا۔ والسلام اس تحریر کو حمران ابن ابان نے نصف شعبان 27ھ میں سپرد قلم کیا۔

---

[1] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص74

عہد مولا علی علیہ السلام

حضرت علی کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بھی اس معاہدہ کو نہ صرف بر قرار رکھا بلکہ اس معاہدہ کی باقاعدہ انہی سابقہ شرائط کے ساتھ تجدید بھی کی۔

هذا كتاب من عبد الله بن علي بن ابي طالب رضي الله عنه امير المؤمنين لاهل نجرانية انكم اتيتموني بكتاب من نبي الله فيه شرط لكم على انفسكم وأموالكم واني وفيت لكم بما كتب الله لكم محمد و ابو بكر وعمر فما أتي عليهم من المسلمين فليف لهم لا يضاموا و لا يظلموا ولا تنتقص حق من حقوقهم كتب عبد الله بن ابي رافع لعشر خلون من جمادى الأخرى سنة سبع وثلاثين منذ ولج رسول الله ﷺ المدينة [1]

(یہ اللہ کے بندے امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے نجرانی لوگوں کے لئے ایک تحریر ہے، تم لوگ میرے پاس اللہ کے نبی ﷺ کی ایک تحریر لے کر آئے ہو جس میں تمہارے لیے تمہاری جانوں اور اموال کے سلسلہ میں شرط لکھی ہے۔ تمہارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہمانے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میں نے پورا کر دیا، لہذا اب جو مسلمان بھی ان کے یہاں جائے اسے ان وعدوں کو پورا کرنا چاہیے (جو ان کے ساتھ کیے گئے ہیں) نہ ان کو دبایا جائے نہ ان کے ساتھ ظلم دیا جائے گا نہ ان کے حقوق میں سے کسی خط میں کوئی کمی کی جائے گی۔ (اس دستاویز کو) عبد اللہ بن رافع نے لکھا، لکھتے وقت تک رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سینتیسویں سال کے ماہ جمادی الاخریٰ کے دس دن گزر چکے تھے۔) صحابہ کرام کے دیگر خصائص اور اخلاقیات اتنے اعلی تھے جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی مگر مذہبی رواداری کا جو کردار صحابہ نے پیش کیا وہ شاید ہی دنیا کے کسی مذہب کے پیروکار پیش کر سکیں۔ صحابہ کرام کے عہد میں بہت سے علاقے فتح ہوئے مگر کسی مفتوح علاقے میں دیگر مذاہب کے مقدس مقامات اور ان کی عبادت گاہوں کے انہدام یا انکی بے حرمتی کے ثبوت تاریخ میں نہیں ملتے۔ مگر انہی صحابہ کے پروکاروں اور ان کے نام لیواؤں کے ساتھ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کا سلوک نہایت ظالمانہ اور بے رحمانہ ہے۔

اسلام تمام مذاہب کی عبادت گاہوں اور مذہبی مقامات کو تحفظ و احترام فراہم کرتا ہے اور ان کے مذہبی شعائر کی بے ادبی سے روکتا ہے۔ نبی اکرم السلام نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسرے مذاہب کے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور اُن کی عبادت گاہوں کے تحفظ و احترام کا درس دیا۔ عہدِ نبوی کے بعد تمام اسلامی ادوار میں اِس روایت پر سختی سے عمل ہو تا رہا اور دیگر

---

[1] ابو یوسف، **کتاب الخراج**،، ص:217

مذاہب کے لوگوں کو جان، مال اور عزت کی حفاظت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے مذہبی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت کو لازمی قرار دیا گیا۔

اموی دور

اموی دور میں بھی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ پر سختی سے عمل کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے مقام پر مسیحیوں کے گرجا یوحنا کو مسجد میں شامل کرنے کا ارادہ کیا لیکن مسیحی اس بات پر راضی نہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ ترک فرمادیا۔ بعد میں ایک خلیفہ نے عیسائیوں سے جبراوہ جگہ چھین کر مسجد میں شامل کرلی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنے تو اس ظالمانہ قبضہ کی ان سے شکایت کی گئی، آپ نے دمشق کے گورنر کو لکھا کہ مسیحیوں کو گھر جا کی وہ جگہ واپس کر دی جائے جس کو مسجد میں شامل کیا گیا تھا[1] محمد بن قاسم نے ہندوستان میں رہنے والے دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کی عبادت گاہوں کا تحفظ بھی کیا اور اُن کے مذہبی مقامات کو اسی حالت میں برقرار رکھا جس حالت پر وہ پہلے سے تھے۔ اس دور میں اُن کو مکمل مذہبی حاصل تھی۔[2]

محمد بن قاسم کے دور حکومت میں ہندوستان میں مقدس مقامات کی تکریم ورعایت اس قدر کی جاتی تھی کہ ان مقامات کا تحفظ اولین اصول تھا چنانچہ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ: "اسلامی حکومتوں کے بارے میں اغراض پسندوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمان نہایت جابر تھے ظالم تھے ان دونوں کے دشمن تھے۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے کس قدر رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اس کا اندازہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی سلطنت "حکومت سندھ" کے حالات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ سندھ کی اسلامی حکومت کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ کسی کے مذہبی معاملے میں مداخلت نہ کی جائے۔ چنانچہ سندھ کے ہندو اور بدھوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں پوجا پاٹ کریں۔ اس کے علاوہ سندھ کی حکومت مندروں کی مرمت کو بھی اپنا فرض خیال کرتی تھی اس فرض کے پیش نظر برہمن آباد، ملتان الور اور دیگر مقامات پر اسلامی خزانہ سے مندروں کی مرمت کرائی جاتی تھی۔[3] نیز چچ نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے لوگوں کی بدھ مندر کے تعمیر کروائے جانے کی درخواست حجاج کو بھیج دی تھی اور اس کا جواب کچھ دن بعد ہی موصول ہو گیا تھا نہ کہ کئی مہینے یا سالوں کے بعد۔ نیز فتح ملتان اور فتح الور کے موقع پر ہندوؤں کے مندوروں کے انہدام اور انہیں نقصان پہنچانے

---

[1] البلاذری، **فتوح البلدان** ۱۵۰۰

[2] صباح الدین, سید عبد الرحمن، **ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری** (عظم گڑھ: دار المصنفین(۲۰۰۹)۱:۳۳

[3] فہمی، مفتی شوکت علی، **ہندوستان پر اسلامی حکومت**، (سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2005ء)ص48

سے گریز کیا گیا۔

محمد بن قاسم کے بارے میں ہر مورخ لکھتا ہے، اس نے ہندوستانیوں سے قابل تعریف سلوک کیا، ایک مؤرخ لکھتا ہے:

اس نے رعایا کی مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور برہمنوں کو بلاکر حکم دیا کہ اپنے مندر تعمیر کرالیں اور ملک کے محاصل سے ۳/ فیصد جو ہمیشہ سے مندروں کے خرچ کے لئے ملتا تھا وہ جاری رہے گا، ڈاکٹر تاراچندر نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تفصیلاً لکھا ہے۔ بلاذری کہتا ہے کہ ابن قاسم جب قید ہوا تو ہندو روتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مندروں کے لئے وقف اراضی اگرچہ شاذ تھا لیکن معدوم نہ تھا۔ عالمگیر کا عہد بدنام ہے، لیکن اس نے بھی مندروں کے لئے جاگیریں دیں علی گڑھ، متھرا اور بنارس کے مندروں کے پروہتوں کے پاس آج بھی اس کے فرامین موجود ہیں [1]

عہد عباسی

خلفاء عباسیہ نے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو نہ صرف جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ فراہم کیا بلکہ ان کی عبادت گاہوں کی بھی مکمل حفاظت کی۔ یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں، مجوسیوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ اُن کو نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ہر لحاظ سے مالی و انتظامی معاونت بھی کی جاتی تھی۔ کچھ گرجاگھروں کو دی گئی سہولیات حیرت انگیز تھیں۔

تاریخ میں ایک ایسے گرجاگھر کا ذکر بھی ملتا ہے جو شہر دجاج کے کنارے پر واقع تھا اور اس کے نام پر بہت سارے باغات وقف تھے۔ [2]ابو جعفر منصور کی خلافت کے آخری دور میں غیر مسلم اقلیتوں کی ایک بڑی تعداد بغداد میں رہائش پذیر تھی۔ بغداد کے آس پاس نسطوری فرقہ کی خانقاہیں اور گھر جاگھر تھے جہاں راہب قیام کیا کرتے تھے۔ [3]بغداد میں عیسائیوں کی بہت سی خانقاہیں پرکشش مقامات پر قائم تھیں، ان میں سے ایک دیر الضدادی نہر الدجاج مقام کے قریب عیسائیوں کی بستی میں تھی، دوسری در مالیس میں اور تیسری خانقاہ دیر الروم بغداد کے مشرقی حصے میں قائم تھی۔ مؤخر الذکر خانقاہ عیسائیوں کے نسطوری فرقے کے لیے مخصوص تھی، ان کے علاوہ اور بھی متعدد خانقاہیں موجود تھیں [4] خلیفہ منصور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لیے دلیرانہ اقدامات کیا کرتا تھا۔ ۷۵۹ء میں نصیبین کے مقام پر عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ تعمیر کی گئی، اس گرجاگھر پر

---

[1] اعظمی، عبد الرب، **اقلیتوں کے حقوق اور اسلاموفوبیا**، (ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی، جون 2011ء) ص: 301

[2] حسن، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، **مسلمانوں کی سیاسی تاریخ** (کراچی: دار الاشاعت، س ن)، ۲:۹۰۷

[3] الجومرد، ڈاکٹر عبد الجبار، ، **خلیفہ ابو جعفر منصور** (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۳)۱۳۵۰۰

[4] الجومرد، خلیفہ ابو جعفر منصور، ۶۲۱

نسطوری بشپ کیریان چھپن ہزار دینار خرچ کیے تھے۔[1] اس دور میں ابو سرجہ کے گرجاگھر کو تعمیر کیا گیا جو قدیم قاہرہ کے پرانے رومی قلعہ میں بنایا گیا تھا۔[2] خلیفہ مہدی عباسی نے بغداد کی سرزمین پر عیسائی قیدیوں کے لیے ایک گرجاگھر تعمیر کروایا جو بلاد روم کی جنگوں میں پکڑے گئے تھے۔[3] خلیفہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے جو کہ مذہبی معاملات کے افسر کل تھے، پوچھا کہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کی اسلام میں حفاظت کیوں کی جاتی ہے اور اس دور میں ان کو اعلانیہ طور پر صلیب نکالنے کی جازت کیوں دی جاتی ہے۔[4] قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کو جواب لکھا:

فانما كان الصلح جرى بين المسلمين واهل الذمة في اداء الجزية وفتحت المدن على ان لا تقدم بيعهم ولا كنائسهم داخل المدينة ولا خارجها وعلى ي حقنوا لهم دماءهم وعلى ان يقاتلوا من ناواهم من عدوهم ويذبوا عنهم وعلى ان يخرجوا الصلبان في اعيادهم فادوا الجزية اليهم على هذا الشرط وجرى الصلح بينهم و عليه وكتبوا بينهم الكتاب على هذا الشرط على ان لا يحدثوا بناء بيعة ولا كنيسة فافتتحت الشام كلها و الحيرة الا اقلها على هذا فلذالك تركت البيع والكنائس ولم تهدم .[5]

مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہوئی تھی، تمام شہروں کی فتح کے وقت یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اندرون شہر اور بیرون شہر ان عبادت خانے اور کیسے نہیں گرائے جائیں گے، ان کی جانوں کو محفوظ بنایا جائے گا، ان پر حملہ آور ہونے والے دشمن سے جنگ کی جائے گی اور ان کا دفاع کیا جائے گا اور عیدوں کے مواقع پر اُن کو صلیب نکالنے کی جازت دی جائے گی۔ اسی شرط پر انہوں نے مسلمانوں کو جزیہ دیا البتہ ان کے درمیان صلح اور معاہدہ کی تحریر کے وقت یہ شرط بھی عائد کی گئی تھی کہ وہ کوئی نیا عبادت کانہ بناسکیں گے نہ گرجا۔ چنانچہ شام کا پورا علاقہ اور کچھ مقامات کے علاوہ حیرہ کا پورا علاقہ انہی شرائط کی بنیاد پر فتح ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت خانے اور اور گرجاگھر اسی طرح باقی رکھے گئے، اُن کو نہیں گرایا گیا"

عباسی خلیفہ ہادی (۷۸۵-۷۸۶) کے زمانہ میں جب علی بن سلیمان کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تو اُس نے حضرت مریم علیہا السلام کے گرجا اور چند گرجوں کو منہدم کرادیا، ایک سال کے بعد ہادی کا انتقال ہو گیا، ہارون الرشید تخت نشین ہوا تو اس نے علی بن سلیمان کو معزول کر کے موسیٰ بن عیسی کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ موسی نے گرجوں سے متعلق علماء کرام سے پوچھا۔ اس وقت لیث بن سعد مصر کے تمام علماء کرام کے پیشوا اور امام تھے، جو کہ بہت بڑے محدث، فقیہ، صوفی اور مقدس بزرگ تھے، انہوں

---

[1] T. W. Arnold, The Preaching of Islam, 66.
[2] Ibid
[3] Ibid

[4] شبلی نعمانی، **مقالات شبلی** (اعظم گڑھ: دار المصنفین، سان)، ۲۰۳-۱:۲۰۲

[5] ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ۱۳۸.

فتوی دیا کہ منہدم شدہ تمام گرجے دوبارہ تعمیر کیے جائیں، دلیل یہ پیش کی کہ مصر کے تمام گرجاگھر صحابہ کرام اور تابعین علیہم الرحمہ کے زمانہ میں تعمیر کیے گئے تھے۔ آپ کے فتویٰ کے بعد تمام گھر جاگھر سرکاری خرچے سے دوبارہ تعمیر کر دیے گئے۔[1] ہارون الرشید کے دور خلافت میں بہت ساری خانقا میں ایسی تھیں جنہیں سرکاری عطیات مہیا کیے جاتے تھے۔[2] 3دار الخلافہ بغداد کی سرزمین پر سالوکے باشندوں نے ایک گرجا تعمیر کیا، یہ لوگ خلیفہ کی اطاعت و پیروی کر کے اس کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ [3]بصرہ شہر کی بنیاد حضرت عمر فاروق نے ۲۳۸ء میں ڈالی تھی، ہارون الرشید کے عہد میں نسطوری مطران سرجیوس نے اس شہر میں گرجا تعمیر کرنے اجازت مانگی۔ [4]اسی عہد میں بابل کی سرزمین پر ایک عالی شان گرجاگھر تعمیر کیا گیا جس میں حضرت دانیال علیہ السلام اور حضرت حزقیل علیہ السلام کے تابوت رکھے گئے۔ [5] خلیفہ مامون الرشید کے دور میں دار الخلافہ کی سرزمین پر بہت سارے نئے گرجاگھر تعمیر کیے گئے جن میں دن رات ناقوس کی آوازیں گونجتی تھیں[6] مصر میں اقامت کے دوران خلیفہ مامون نے اپنے دو درباریوں کو قاہرہ کے قریب مقطم کی پہاڑی پر ایک عالی شان گرجاگھر بنانے کی اجازت عطا فرمائی، بکام نامی ایک دولت مند عیسائی کو اسی خلیفہ نے گرجاگھر بنانے کی اجازت دی جس کی بناء پر اُس نے بورہ کے مقام پر بہت سارے گھر جاگھر تعمیر کروائے۔ [7]نسطوری بطریق تیموشیوس نے خلیفہ کی اجازت سے ایک گرجا تکریت جبکہ ایک خانقاہ بغداد کی سرزمین پر تعمیر کروائی۔ [8]عباسی خلیفہ المعتمد علی اللہ کے عہد خلافت میں "دیر عتیق "نامی گرجاگھر کو لوگوں نے گرادیا، یہ گرجا گھر نہر عیسی کے پیچھے تھا، اُس میں موجود مال و اسباب کو لوٹ لیا۔ محمد بن طاہر کی طرف سے بغداد پولیس کا حاکم حسین بن اسماعیل نے وہاں جاکر عوام کو گرجائے باقی حصوں کو منہدم کرنے روکا۔ چند دنوں تک یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا، پھر سرکاری خزانے سے اس گرجاگھر کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ [9] خلیفہ طالع باللہ کے دور خلافت میں عضد الدولہ دیلمی خلافت بغداد کی قسمت کا مالک بن گیا تھا ،اس کا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی تھا، اس نے عضد الدولہ کی خصوصی اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں گرجے تعمیر کروائے۔ [10]عباسی خلیفہ المستضی باللہ کے عہد میں بھی بہت سارے نئے گرجاگھروں کی تعمیر کی گئی۔ ۱۱۸۷ء میں فسطاط کے مقام

---

[1]یوسف بن تغری، **النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ** (مصر: المؤسسۃ المصریۃ، س ن)، ۲:۲۶۔

[2]رئیس احمد جعفری، **خلیفہ ہارون الرشید اور ان کا عہد** (لاہور: لنک شاپ، ۲۰۱۸)، ۱۰۴۔

[3] T. W. Arnold, The Preaching of Islam, 66.

[4] Ibid.

[5] 'T. W. Arnold, The Preaching of Islam, 66

[6]شبلی نعمانی، **المامون** (اعظم گڑھ: دار المصنفین، س ن)، :۱۵۸۔

[7] T. W. Arnold, The Preaching of Islam, 67

[8] Ibid

[9]محمد بن جریر الطبری، **تاریخ الامم والملوک** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۸ء)، ۴:۸۳۷

[10]شبلی نعمانی، **المامون**، ۱۶۰۔

پر مریم عذرانام سے ایک نئے گر جاگھر کی تعمیر کی گئی۔[1] اس پس منظر سے ثابت ہو تا ہے کہ عباسی عہد میں غیر مسلم اقلیتوں کو نہ صرف جان ومال کا تحفظ فراہم کیا گیا بلکہ ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی شعائر کی حفاظت کو بھی یقینی بنایا گیا، منہدم شدہ عبادت گاہوں کو سرکاری خزانے سے دوبارہ تعمیر کیا گیا اور بہت سارے نئے گھر جاگھر اور خانقاہوں کی تعمیر عمل لائی گئی۔

گر جااندلس میں مسلمانوں کی حکومت کئی سو سال پر محیط ہے۔ وہاں مسلمانوں کے ساتھ دیگر مذاہب کے لوگ بھی رہتے تھے۔ اُن لوگوں کی جان ومال کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی مقامات کی حفاظت وترقی کے لیے بہت سارے اقدامات کہ جاتے تھے دیگر مذاب کے کئی عادت کام شر کے اندر قائم تھیں مسیحوں کی ایک عبادت گاہ مرکز میں بھی تھی اسی طرح طلیطلہ شہر میں سلطانی کلیسا بھی موجود تھا۔[2] اشہر قرطبہ کے ارد گرد ۱۵ سے زائد عیسائیوں کے گر جاگھر موجود تھے ۔ مسلمانوں نے اندلس کو فتح کرنے کے بعد اُن کی تمام عبادت گاہوں کو محفوظ رکھا اور اُن میں سے کسی کا بھی انہدام نہیں کیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے اُن کو نئے عبادت خانوں کی تعمیر وترقی کی اجازت دی جہاں وہ لوگ آزادی کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔ عربوں کی حکومت کے دوران تعمیر کی جانے والی عبادت گاہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ عرب مسلمانوں نے دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں اور اُن کے مذہبی مقامات کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا۔[3] شہر طلیطلہ میں عرب مسلمان حکمرانوں کے دور میں چرچ تھے جو کہ شہر کے اندر تھے۔ اسی طرح کے چرچ نویں صدی عیسوی میں شہر قرطبہ میں بھی موجود تھے۔[4] قرطبہ میں مسیحیوں کے سب سے اہم گر جاگھر کا پتا بھی ملتا ہے جو کہ ار ملاط میں طلیطلہ کے راستے میں واقع تھا۔ ادبی میدان میں دلچسپ امر یہ ہے کہ اندلسی عہد کے شعراء کے کلام میں مسیحیوں کی بہت سی عبادت گاہوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔[5]

اس پس منظر سے واضح ہو تا ہے کہ اندلس کی خلافت میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مذہبی رواداری کو بہت زیادہ فروغ دیا گیا۔ خلافت عثمانیہ مشرقی و مغربی دنیا میں غلبہ پانے والی ایک عظیم مسلم ریاست تھی، اس وسیع وعریض سلطنت میں غیر مسلموں کو ریاست کے طول و عرض میں اپنے اپنے مذہب کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ایک مغربی مؤرخ ایورسلے (Eversley) ترکوں کے لیے عیسائیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور سلاطین کی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ سے متعلق مثبت سوچ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ترک اور ہنگری والے بر سرپیکار تھے۔

---

[1] T. W. Arnold, The Preaching of Islam, 67

[2] مارغریتالوبیزغومیزالمستعربون: **نقلة الحضارة الاسلامیہ بنی الاندلس** (بیروت: مرکز دراسات الوحدة العربیة (۱۹۹۷ء)، ۱: ۲۶۹

[3] غوستاف لوبون، **حضارة العرب** (بیروت: مؤسسة هنداوی للتعلیم والثقافة، ۲۰۱۲ء)، ۲۷۷

[4] مارغریتالوبیزغومیز، المستعربون: **نقلة الحضارة الاسلامیة في الاندلس**، ۱: ۲۷۰.

[5] لطفی عبد البدیع، **الاسلام في اسبانیا** (قاهره: مطبعة لجنة التالیف والترجمة والنشر، ۲۰۰۲ء)، ۲۷.

جارج برنیکووچ نے ہنگری کے بادشاہ جان بنیاڈی کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا۔ "اگر تم فتح یاب ہوئے تو کیا کروگے؟ بنیاڈی نے جواب دیا، میں کیتھولک مذہب کو قائم کروں گا۔ اس کے بعد برنیکووچ نے سلطان کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا، اگر تم کامیاب ہوئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کس طرح پیش آؤگے؟ سلطان نے جواب دیا۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک گرجا تعمیر کرواؤں گا اور ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ جس عبادت گاہ کو چاہے اختیار کرے۔[1]

برصغیر کے مسلم فاتحین اور حکمرانوں نے یہاں کی غیر مسلم رعایا کی جان ومال کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اُن کے مذہبی مقامات کو بھی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ محمود غزنوی کی سومناتھ مندر کو برباد کرنے کی کہانی تو بہت مشہور ہے لیکن دوسرے مندروں کے متعلق اُس کے طرزِ عمل کو بیان نہیں کیا جاتا۔ اُس نے جب متھرا کا مندر دیکھا تو اُس کی شان وشوکت دیکھ حیران ہوتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی اس طرح کی عمارت بنانا چاہے تو کئی لاکھ سرخ دینار خرچ کر کے بھی نہیں بناسکتا، اور شاید دوسو سال میں بھی ایسی عمارت نہ بن سکے۔[2] شیر شاہ سوری کے عہد میں جو بھی گورنر ان کے مذہبی مقامات کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا اُس کو عہدہ سے ہٹادیا جائے گا۔[3] مغل حکمران مذہبی معاملات میں بڑے وسیع النظر واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے دیگر مذاہب کے مذہبی مقامات کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ان کے مذہبی مقامات کو محفوظ رکھنے اور اُن کی تعمیر وترقی کے لیے جائیدادیں وقف کر رکھی تھیں۔ جہانگیر نے اپنے محل کے اندر ایک مندر بنوادیا اور اس میں ہنومان جی کی مورتی رکھوادی۔ اس کے آثار آگرہ میں جہانگیری محل میں اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ مندر غالباً جہانگیر کی ہندوماں اور ہندوبیویوں کی سہیلیوں اور کنیزوں کے لیے بنوایا گیا تھا جو جہیز میں کثیر تعداد میں راجپوت شہزادیوں کے جلو میں آیا کرتی تھیں۔[4] اورنگزیب طوطلامائی مندر کے لیے مصر کلیانہ اس کے نام ایک سوروپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ یہ مندر ملتان شہر کے اندر واقع ہے۔[5] اس کے دور میں مذہبی معاملات میں کسی بھی جانبداری کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ بہت سارے مندروں کے پجاریوں نے اورنگزیب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے فرامین کو سنبھال کر رکھا ہے جن میں خیرات اور جائیدادوں کے دینے کا ذکر موجود ہے۔[6] دگرنار مندر کے نام اس نے جوگرنار یا گرنال نام مشہور پہاڑ وقف کر دیا۔ یہ پہاڑ جوناگڑھ میں موجود ہے۔ اسی طرح آلوجی مندر کے نام ایک پہاڑی وقف کر دی جو کہ آلوجی میں موجود ہے۔ ان مندروں کے نام جائیداد وقف کرنے کے بعد عالمگیر کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ان املاک میں کسی کو

---

[1]5 Lord Eversley, The Turkish Empire (Lahore, Premier Book House, 1995), 95.

[2] محمد بن عبد الجبار العتبی، **الیمینی** (ایران: مرکز نشر میراث، ۱۹۸۸ء)، ۲:۴۴

[3] محمد حفیظ اللہ، **اسلام اور غیر مسلم** (پٹنہ: مسلم اکیڈمی، ۱۹۵۵ء)، ۳۳۲

[4] سید صباح الدین، **ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری**، ۲:۱۳۴

[5] محمد ایوب خان نجیب آبادی، **عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں**، (نجیب آباد، یوپی: مینجر مکتبہ عبرت ۱۹۳۸۰ء) ص، ۷۸

[6] شوکت علی بستوی، **اسلامی رواداری قرآن وحدیث اور تاریخی شواہد کی روشنی میں**، ۱۱۵

مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ جو شخص ان پہاڑوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے گا وہ لعنت کا مستحق ہو گا۔[1] سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر جو کہ الہ آباد میں موجود ہے، کاشی وشوناتھ کا مندر جو کہ بنارس میں ہے، اومانند مندر جو گوہائی میں ہے، جین مندر جو کہ شتر ونجی میں ہے اور بالا جی مندر کے علاوہ بہت سارے مندروں اور گردواروں کے لیے اُس نے جائیدادیں وقف کیں۔[2] اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں دیگر مذاہب کے لوگوں کو عبادت گاہیں بنانے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ متھرا، آگرا اور دہلی وغیرہ میں بہت سے ایسے مندر ہیں جو اسلامی ادوار میں تعمیر کیے گئے۔ اسی طرح گوبند دیو جی، مدن موہن جی، مہاپربھو چیتنین جی اور گوپی ناتھ جی مندر مسلمانوں کے عہد میں ہی بنوائے گئے۔[3] بنگال کے ایک شہر وشال پور میں عالمگیر کے دور میں دو مندر تعمیر کیے گئے۔ یہ ۱۶۸۱ء کی بات ہے جبکہ تیسرے مندر کی تعمیر ۱۶۹۰ء میں ہوئی۔ میاکے مندر کے لیے اُس نے بہت ساری زمین وقف کی۔[4] حلال قلعہ کے سامنے ایک بہت مشہور مندر تھا، عالمگیر نے اُس کی ترقی کے لیے دو گاؤں اُس کے نام کر دیے۔[5] قلعہ اکبر آباد کی تیاری میں سرخ پتھر لگایا گیا۔ اس پتھر کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ راجہ مان سنگھ اکبر بادشاہ کی اجازت کے ساتھ یہ پتھر اپنے ساتھ بندر ابن میں لے گیا۔ وہاں اس نے گوبند دیو جی کا مندر بنوایا، اس مندر میں سرخ پتھر مفت لگایا گیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں بھی یہ مندر موجود رہا لیکن عالمگیر نے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی۔[6] اسی طرح اللہ آباد کا قلعہ لب دریائے جمنا اکبر بادشاہ کے دور میں بنایا گیا تھا۔ اس قلعے میں ہندوؤں کی ایک عبادت گاہ ہے۔ اس عبادت گاہ میں ہندوؤں کی ہزاروں کی تعداد میں مورتیاں موجود ہیں۔ ہزاروں ہندو اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہ قلعہ یقینی طور پر عالمگیر کے قبضہ میں تھا۔ عالمگیر نے قلعہ کی حفاظت کے ساتھ اس مندر اور اس میں نصب شدہ تمام مورتیوں کو بھی محفوظ رکھا۔ ان میں سے کسی بھی مورتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔[7] سہسرام کا علاقہ بھی عالمگیر کی حکومت میں تھا۔ وہاں پر عالمگیر نے ایک مسجد تعمیر کروائی۔ یہ مسجد چنڈی دیوی مندر کے بالکل قریب تھی۔ اس مسجد کے قریب مندر آج بھی موجود ہے۔[8] قلعہ رہتاس بھی عالمگیر اور دوسرے مغلیہ حکمرانوں کے قبضہ میں رہا۔ اس قلعہ میں ہندوؤں کے بہت پرانے مندر

---

[1] ڈاکٹر بی این پانڈے، **ہندو مندر اور اورنگ زیب عالمگیر کے فرامین** (نئی دہلی: مولانا آزاد اکیڈمی، ۱۹۹۴ء)، ۲۱-۲۲

[2] ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد، **اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر**، مترجم: فیضان رشید (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۴ء)، ۱۷.

[3] نجیب آبادی، **عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں**، ۹۲

[4] اوم پرکاش پرساد، **اورنگ عالمگیر ایک نیا زاویہ نظر**، ۲۰

[5] حکیم ظل الرحمن، **آئینہ اورنگ زیب** (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶)۱۷.

[6] نجیب آبادی، **عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں**، ۴۸۴

[7] ایضاً:111

[8] ایضاً، ۱۸۹.

موجود ہیں۔ عالمگیر سمیت مغلیہ حکمرانوں نے قلعہ میں ان مندروں کو محفوظ رکھا۔[1] اورنگزیب نے اپنی زندگی کے ۲۵ سال دکن میں گزارے جہاں پر ہزاروں کی تعداد میں بت خانے تھے لیکن عالمگیر نے کسی بھی بت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اسی طرح شہر الورہ کے ایک مشہور مندر میں بہت ساری تصاویر اور بت نصب ہیں، الورہ سے تھوڑے فاصلے پر عالمگیر کا مقبرہ ہے۔ عالمگیر سے پہلے گزرنے والے بڑے بڑے صوفیا اور علماء کرام کے یہاں مزار ہیں، اس کے باوجود یہ تصاویر اور بت آج بھی موجود ہیں۔[2] دولت آباد کے ایک پہاڑ کے دامن میں اورنگ زیب عالمگیر نے کچھ دن گزارے تھے۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر وہ غار موجود ہیں جو ایلورہ کے نام سے مشہور ہیں۔ جہاں پر بہت سے مندر اور بت موجود ہیں۔ ان بتوں کی ایسی سنگ تراشی کی گئی ہے جس کو دیکھنے کے لیے دور دراز سے لوگ آج بھی آتے ہیں[3]۔ دکن میں گولکنڈہ اور کریم نگر کے نام سے دو مشہور قلعے ہیں۔ ان قلعوں کی چوٹیوں پر آج بھی ہندووں کی عبادت گاہیں موجود ہیں۔ مسلمان فاتحین نے ان کو فتح کرنے کے بعد ان کو منہدم نہیں کیا بلکہ ان کو محفوظ رکھا۔[4] شاہ جہاں کے دور میں شاہی قلعہ کے پاس ایک مندر تعمیر کیا گیا اور عالمگیر کے دور تک باقی رہا۔[5] نسیتاپور شہر میں ہندوؤں کی ایک مشہور عبادت گاہ ہے۔ اورنگزیب عالمگیر نے مصر کو مہنت کو اُس مندر کی سند عطا کی تھی۔ اس کے ذریعے بہت ساری جگہیں مہنت کو عطا کی گئیں۔[6] بلدیود اور میں بلدیو جی کا مشہور مندر ہے۔ اس مندر کے لیے عالمگیر نے بہت جائیدادیں وقف کی تھیں۔ یہ جائیدادیں ابھی تک اس مندر کے احاطہ میں ہیں۔[7] اس پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے کبھی بھی دیگر مذاہب کے مذہبی شعائر، عبادت گاہیں اور مذہبی مقامات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور نہ ان مقامات کو منہدم کرنے کی تعلیم دی ہے بلکہ اسلام ان کو منہدم کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوں یا بنوامیہ، خلفاء بنو عباس ہوں، مغل بادشاہ ہوں یا کوئی مسلم حکمران سب دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے غیر معمولی انتظامات کرتے رہے، ان کی ترقی کے لیے فنڈز مختص کرتے رہے، کچھ عبادت گاہوں میں غیر معمولی سہولیات مہیا کی گئیں۔ بعض مسلم حکمرانوں نے اپنے دور حکومت میں غیر مسلموں کے لیے عبادت گاہیں تیار کرائیں

---

[1] نجیب آبادی، **عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں**، ۴۸۴

[2] شبلی نعمانی، **مضامین عالمگیر** (کانپور: مطبوعہ مطبع انتظامی واقع، ۱۹۱۱ء)، ۸۲.

[3] مرزا بہادر یار جنگ، **حکومت اورنگ زیب کی اصلی تاریخ** (دہلی: جمال پرنٹنگ ورکس، ۱۹۳۸ء)، ۱۰.

[4] ایضاً.

[5] نجیب آبادی، **عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں**، ۸۹

[6] ایضاً، ۱۱۳

[7] ایضاً

دنیا بھر میں سکھ برادری کرتارپور میں اپنے مذہبی پیشوا گرونانک کے گردوارے کی زیارت کرنے کی شدید خواہش رکھتی تھی۔
اب جب پاکستان کی جانب سے کرتارپور راہ داری کھول دی گئی ہے، دنیا بھر سے سکھ یاتری اس گردوارے کا دورہ کر رہے ہیں۔
ایسے میں خالستان تحریک کی تنظیم 'جسٹس فار سکھ سمیت کئی سکھ تنظیموں کی جانب سے پاکستانی وزیر اعظم عمران خان کو نوبل امن انعام دیے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

پاکستان دورے پر آئے کئی سکھ یاتریوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ "کرتارپور راہداری ایک خواب تھا جو عمران خان کی بدولت حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔ حکومت پاکستان کے اقلیتوں کے مذہبی مقامات کی حفاظت اور انہیں ہر طرح کے آئینی حقوق دینے کے حوالے سے اقدامات قابل قدر ہیں۔ سکھ یاتریوں کے لئے بہترین خدمات پر عمران خان کو عالمی نوبل انعام دیا جائے۔ حکومت پاکستان نے سکھ مذہب کے پیروکاروں پر رہتی دنیا تک وہ احسان کیا ہے جس کو کسی صورت چکایا نہیں جاسکتا۔[1]

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سکھ پاکستان اور عمران خان سے بہت خوش ہیں اور وہ ان اقدامات کو بہت سراہتے ہیں
کرتارپورہ راہداری یا دربار صاحب کرتارپور سکھوں کے لئے بہت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک کی جائے پیدائش اور جائے وفات دونوں یہی ہیں آج ان کی سمادھی یا قبر بھی اس جگہ موجود ہے۔ سکھ پاکستان کی تقسیم کے بعد سے آج تک اس مقام کو دیکھنے اور یہاں عبادت کرنے کے منتظر تھے۔ حکومت پاکستان نے سکھوں کی اس دلی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہاں ایک راہداری قائم کی جسن سے سکھ یاتری یہاں آکر زیارت اور عبادت کر سکیں گے۔ پاکستان کی طرف سے سکھوں کو بہت سی سہولیات بھی فراہم کی گئی ہیں جن پر سکھ پاکستان کے بے حد مشکور ہیں۔ اس اقدام پر دنیا بھر سے عمران خان اور بالخصوص پاکستان کو پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

اگر پاکستان سکھ برادری کے لئے اتنی کوشش کر رہا ہے تو بدلے میں سکھ برادری بھی پاکستان کے لئے اپنی محبتیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت پاکستان نے سکھ انسانوں کے مذہبی احساسات کے احترام کے طور پر اور مسلمانوں کی طرف سے سکھ قوم و تہذیب و تمدن کے ساتھ اظہار محبت، رواداری، تحمل، برداشت کے طور پر کرتارپور گردوارہ بابا نانک جی کو عام سکھوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا ہے۔ اس اقدام پر سکھ برادری مسلمانوں کی بے حد مشکور ہے۔

اسلام کے اس اصولی موقف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین اسلام انسانی حقوق، مذہبی آزادی، اور عدل و انصاف کا علمبر دار ہے۔ قرآن و سنت میں ایسی متعدد تعلیمات موجود ہیں جو مذہبی رواداری اور دوسرے مذاہب کے احترام پر زور دیتی ہیں۔ یہی

---

[1] عمران خان کو نوبل انعام دینے کا مطالبہ "روزنامہ "نوائے وقت" 9 نومبر 2019 ص:5

وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے حکمرانوں نے نہ صرف غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا احترام کیا بلکہ ان کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا۔

خلفائے راشدین کے دور میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو نہ تو نقصان پہنچایا گیا اور نہ ان کے مذہبی شعائر میں مداخلت کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو انہوں نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا اور خود چرچ میں نماز پڑھنے سے گریز کیا تاکہ مستقبل میں کوئی مسلمان اس جگہ کو اپنی ملکیت کا دعویٰ نہ کرے۔

اسی طرح بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں بھی غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دی گئی۔ اسلامی تہذیب کے مرکز بغداد اور اندلس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی اور تعلیمی ادارے کھلے طور پر کام کرتے رہے۔ مغل بادشاہ اکبر کے دور میں "صلح کلی" کی پالیسی اپنائی گئی، جہاں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو برابر کے حقوق دیے گئے۔

یہ رویہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نہ صرف اپنے پیروکاروں کو بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے، اور ان کی مذہبی آزادی کو یقینی بناتا ہے۔ اس اصول کے تحت مسلم حکمرانوں نے غیر مسلموں کے مذہبی مقامات کی تعمیر و مرمت کے لیے مالی امداد فراہم کی، اور کچھ مواقع پر عبادت گاہوں کی تعمیر خود کروائی۔

یہ تاریخی حقائق مذہبی رواداری کی ایک روشن مثال پیش کرتے ہیں، جو موجودہ دور میں بھی بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ تاریخی حقائق آج کے دور میں بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ سبق لیا جا سکتا ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور احترام کا رویہ اختیار کر کے معاشرتی استحکام اور امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

یہ رویہ اس بات کا بھی مظہر ہے کہ اسلام اپنے اصولوں کے مطابق تمام انسانوں کو مذہبی آزادی اور تحفظ فراہم کرتا ہے، چاہے وہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ پیغام آج کے معاشرتی چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے نہایت موزوں اور ضروری ہے۔

فصل دوم: احترام مقدسات سے متعلق عصری قانون سازی اور مسائل کا تجزیہ

مقدسات کا احترام مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان امن قائم رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس موضوع پر عالمی سطح پر قانون سازی کی اہمیت بڑھ رہی ہے تاکہ مذہبی عقائد کو نقصان پہنچانے یا توہین کرنے کے واقعات کو روکا جا سکے مقدسات کے احترام کے لئے بین الاقوامی سطح پر پائیدار قوانین بنانا نہ صرف قانونی بلکہ اخلاقی ضرورت بھی ہے، تاکہ معاشرتی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کی فضا کو قائم رکھا جا سکے۔

توہین انبیاء پر بین الاقوامی قانون

قانون حرمت رسول کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ اس قانون کا نفاذ صرف پاکستان میں یا کسی حد تک مسلمان ممالک تک محدود ہے مغربی ممالک اور مسیحی دنیا اس قسم کی پابندیوں سے آزاد ہے وہاں رہنے والوں کو مطلق (absolute) آزادی اظہار رائے حاصل ہے۔ جو کہ سراسر غلط اطلاعات کی تشہیر ہے تاکہ رائے عامہ کا ذہن تبدیل کیا جا سکے مطلق آزادی اظہار رائے دنیا کے کسی مذہب و ملک کے قانون میں حاصل نہیں بلکہ جہاں بھی آزادی ہے تو وہ محدود (limited) آزادی ہے۔

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور

دسمبر 1948 کو اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کا عالمی منشور (The Universal Declaration of Human Right) منظور کیا جس میں انسان کو دی گئی آزادی اور حقوق کے ضمن میں ایسی حدود و قیود کا تعین کیا گیا جو دوسروں کی آزادی اور حقوق کو تسلیم کرنے اور ایک دوسرے کے احترام کرنے یا جمہوری نظام میں امن عامہ عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات سے مقید ہے اس کو پیش کرنے کے بعد تمام ممبر ممالک کو اپنے ہاں آویزاں کرنے کا بھی پابند کیا گیا۔ اس کی دو دفعات 29 اور 30 ہمارے موضوع کے متعلق ہیں۔

Article 29.

(1)Everyone has duties to the community in which alone the free and full development of his personality is possible.

(2)In the exercise of his rights and freedoms, everyone shall be subject only to such limitations as are determined by law solely for the purpose of securing due recognition and respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the general welfare in a democratic society.

(3) These rights and freedoms may in no case be exercised contrary to the purposes and principles of the United Nations.[1]

1۔ ہر شخص پر معاشرے کے حقوق ہیں کیونکہ اس میں ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو و نما ممکن ہے۔

(2) ہر شخص اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ایسی حدود کا پابند ہو گا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور فلاح و بہبود کی مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے عائد کی گئی ہیں۔

3۔ اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

Article 30.

Nothing in this Declaration may be interpreted as implying for any State, group or person any right to engage any activity or to perform any act aimed at the destruction of any of the rights and freedoms set forth herein[2]

اس اعلان کے کسی حصے سے کوئی ایسی تشریح نہیں کی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو، جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کے خلاف ہو، جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق

اس کے علاوہ ایک اور معاہدہ میں بھی آزادی اظہار رائے حدود و قیود کی پابندیوں کے ساتھ ہے۔ اقوام متحدہ کے "بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق" کی متعدد دفعات 18، 19 اور 20 میں سوچ و فکر بیان کی آزادی اور اس کے علاوہ مذہب و عقیدے کی آزادی بیان کی گئی ہے اس معاہدہ میں اس بات کی مکمل وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تمام آزادیاں قانون میں عائد پابندیوں، امن عامہ، صحت، اخلاقیات اور دوسروں کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کے احترام سے مشروط ہیں۔

Article 18

.1Everyone shall have the right to freedom of thought, conscience and religion. This right shall include freedom to have or to adopt a religion or community with belief of his choice, and freedom, either individually or in others and in public or private, to manifest his religion or belief in worship, 2. No one share subject to coercion

[1]International Covenant on Civil and Political Rights. (Adopted and opened for signature, ratification and accession by General Assembly resolution 2200A (XXI) of 16 December 1966 entry into force 23 March 1976, in accordance with Article 49)

[2] International Covenant on Civil and Political Rights. (Adopted and opened for signature, ratification and accession by General Assembly resolution 2200A (XXI) of 16 December 1966 entry into force 23 March 1976, in accordance with Article 49)

which would impair his freedom to observance, practice and teaching.have or to adopt religion or beli 3. Freedom toptast one's religion or beliefs may be subje protect publi limitations as are prescribed by law and are necessary to redu or morals or the fundamental rights and freedoms of safety, order, health, belief of of his choice.

The States Parties to the present Covenant undertake have the of parents and, when applicable, legal guardians to ensure the the liberty religious and moral education of their children in conformity with their own convictions.[1]

1۔ ہر شخص کو فکر، اخلاقی شعور اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہو گا۔ اس حق میں اپنی پسند کے کسی مذہبی عقیدے کو رکھنے اور اختیار کرنے کی آزادی شامل ہو گی۔ اور یہ آزادی کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر عوامی یا نجی سطح سے پر عبادت، بندگی، عمل اور تعلیم کے ذریعے اپنے مذہب یا عقیدے کا اظہار کر سکے 2۔ کسی شخص پر ایسا جبر نہیں کیا جاسکے گا کہ اس کی مرضی و منشاء کے مذہب و عقیدے کو رکھنے یا اختیار کرنے کی آزادی کو مجروح کیا جاسکے۔

3- کسی پر اپنے مذہبی عقیدے کی آزادی اظہار پر صرف وہی قیود عائد کی جاسکتی ہیں، جو کہ قانون میں عائد کی گئی ہوں اور تحفظ عامہ کی حفاظت، نظم، صحت یا اخلاقیات یا بنیادی حقوق یا دوسروں کی آزادی سے متعلق ہوں۔

4۔ اس معاہدہ میں شامل ریاستیں یہ ذمہ داری اٹھاتی ہیں کہ والدین کی آزادی کا احترام کیا جائے گا اور جب قانون ولی لاگو ہوں تو ولی اپنے بچوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم اپنے رجحانات کے مطابق کر سکیں۔

Article 19

.1Everyone shall have the right to hold opinions without interference.

.2Everyone shall have the right to freedom of expression; this right shall include freedom to seek, receive and impart information and ideas of all kinds, regardless of frontiers, either orally, in writing or in print, in the form of art, or through any other media of his choice.

3. The exercise of the rights provided for in

in paragraph 2 of this article carries with it special duties and responsibilities. It may therefore be subject to certain restrictions, but these shall only be such as are provided by law and are necessary:

(a) For respect of the rights or reputations of others.

---

[1] International Covenant on Civil and Political Rights. (Adopted and opened for signature, ratification and accession by General Assembly resolution 2200A (XXI) of 16 December 1966 entry into force 23 March 1976, in accordance with Article 49)

(b) For the protection of national security or of public health or morals.[1]

ا۔ ہر کسی کو رائے رکھنے کا بلا رکاوٹ حق حاصل ہو گا۔

2- ہر کسی کو آزادی اظہار رائے کا حق حاصل ہو گا اور اس حق میں معلومات اور ہر قسم کے خیالات کی تلاش حصول اور فراہمی کی آزادی، جغرافیائی حدود سے ماور ازبانی یا تحریری یا مطبوعہ آرٹ کی صورت میں یا کسی دیگر ذریعہ سے جو کہ اس کی پسند ہو شامل ہے۔

3۔ اس آرٹیکل کے مذکورہ بالا فقرہ نمبر دو میں واضح کردہ حقوق کے استعمال کے ساتھ خاص ذمہ داریاں اور فرائض منسلک ہیں یہ حقوق مخصوص قدغن کے ساتھ مشروط ہو سکتے ہیں لیکن قدغن وہی ہو گی جو قانون میں واضح کی گئی ہو اور ضروری ہو۔

الف۔ دوسروں کے حقوق کے احترام اور ان کے معاشرتی ساکھ سے متعلق۔

ب۔ قومی سلامتی کے تحفظ یا امن عامہ یا صحت عامہ یا اخلاقیات سے متعلق۔

1. Any propaganda for war shall be prohibited by law.
2. Any advocacy of national racial or religious hatred that constitutes constitutes incitement to discrimination, hostility violence shall be prohibited by law.[2]

1۔ جنگ کے لیے کسی قسم کے پروپیگنڈہ پر قانونی پابندی عائد کی جائے گی۔ 2- قومی، نسلی یا مذہبی نفرت کا پرچار جو کہ امتیاز، دشمنی اور تشدد کی جانب ابھارے، پر قانونی پابندی عائد کی جائے۔

اقوام متحدہ کا علمی منشور جس چیز پر پابندی عائد کرنے کا کہہ رہا ہے آج یورپ کے اکثر ممالک میں اظہار یا فریڈم آف سپیچ کے نام پر دوسروں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے غریب ممالک پر تو اقوام متحدہ کا زور چلتا ہے مگر امریکہ و یورپ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یورپی کنونشن برائے تحفظ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیاں جو کہ تقریبا پورے یورپ پر نافذ ہیں اس کی دفعہ 10 میں بھی یہ آزادی حدود و قیود کے ساتھ ہی بیان کی گئی ہے۔

Article 10- Freedom of expression

.1Everyone has the right to freedom of expression. This right shall includeimpart information and ideas freedom without interference by public authority and regardless of frontiers. This article shall not prevent States from requiring the licensing of broadcasting, television or cinema enterprises. to receive and and to hold opinion

.2The exercise of these freedoms, since it carries with it duties and responsibilities, may be subject to such formalities, conditions,

[1] International Covenant on Civil and Political Rights
[2] International Covenant on Civil and Political Rights

> restrictions or penalties as are prescribed by law and are necessary in a Society, in the interests of national security, territorial integrity or public of disorder democratic or crime, for the protection of health or safety, for the prevention morals, for the protection of the reputation of information received in the disclosure authority and impartiality of or rights of others, for preventing confidence, or for maintaining the the judiciary.[1]

1۔ ہر کسی کو آزادی اظہار کا حق حاصل ہے اس حق میں رائے کی آزادی کا حق اور معلومات اور خیالات کی بلا روک ٹوک حصول اور فراہمی قطع نظر جغرافیائی حدود شامل ہو گا۔ یہ دفعہ براڈ کاسٹنگ، ٹی وی یا سینما جیسے تجارتی اداروں سے لائسنس کے حصول کی شرائط عائد کرنے کی ریاستوں پر پابندی عائد نہیں کرتی۔

2۔ ان آزادیوں کا استعمال چونکہ فرائض اور ذمہ داریوں سے منسلک ہے لہذا ان آزادیوں کے استعمال پر قانون کے مطابق ایسی شرائط و ضوابط، پابندی یا سزائیں عائد کی جاسکتی ہیں جو جمہوری معاشرے، قومی سلامتی کے مفاد، یکجہتی اور حفاظت عوام کی ضرورت ہوں تاکہ نقص امن، جرم کی روک تھام، صحت کی حفاظت، اخلاق کی حفاظت، دوسروں کی نیک نامی کی حفاظت اور دوسرے کے حقوق کی حفاظت اور خفیہ معلومات اور عدلیہ کے قانون، اختیار کے قیام اور غیر جانبداری سے متعلق ہوں۔

فرانسیسی انقلاب کا اعلامیہ

شہرہ آفاق فرانسیسی انقلاب کے اعلامیہ میں بھی یہ آزادی محدود ہی بیان کی گئی تھی اس میں بھی یہی لکھا ہے:

> The free communication of ideas and opinions is one of the most precious of this freedom as of the rights of man. nan. Every citizen may, accordingly, speak, write, and print with freedom, but shall be responsible for such abuses shall be defined by law.[2]

نظریات اور آراء کا آزادانہ اظہار انسان کا ایک انتہائی قیمتی حق ہے۔ ہر شہری آزادی کے ساتھ بول سکتا ہے، لکھ سکتا ہے اور چھاپ سکتا ہے، لیکن اس آزادی کی ایسی زیادتیوں کے لیے وہ ذمہ دار ہو گا جس کی وضاحت قانون کے ذریعہ ہو گی۔

مندرجہ بالا معاہدوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آزادی اظہار کا یہ مطلب و مقصد نہیں کہ دوسروں کے مذاہب کی توہین و تضحیک کی جائے بلکہ ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی بلا کراہیت اجازت ہے لہذا اس کی آڑ میں توہین رسالت جیسے گھناؤنے جرم کو کرنے کی اجازت دینا اسلام دشمنی اور دہرے معیار کے علاوہ کچھ نہیں۔

---

[1] Article 10 of the European Convention on Human Rights

[2] The Declaration of the Rights of Man and of the Citizen, adopted during the French Revoluti m 1789, specifically affirmed freedom of speech as an inalienable right. [5] Adopted in 1791

گستاخ رسول کی سزا پر مختلف ممالک کے قوانین

پاکستان کے علاوہ تقریبا 75 سے زائد ممالک ہیں جہاں انبیاء کرام، مذہب یا مذہبی جذبات کی توہین کسی نا کسی صورت میں جرم ہے۔ خاص کر دنیا کے وہ ممالک جن میں کسی مذہب کا عمل دخل رہا ہے وہاں اس مقدس مذہب کی مقدس شخصیات کی توہین جرم رہی ہے تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو یورپ میں بھی یہی قوانین رائج رہے ہیں

عہد قدیم میں یورپ اور توہین رسالت:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق اکثر مشرقی اور یورپی ممالک میں بلاسفیمی لاء (Austheamy law) کسی نہ کسی صورت قابل مواخذہ جرم رہا ہے۔ آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں وہاں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔

تالمودی قانون:

یہودیوں کے تالمودی قانون کی رو سے بھی پیغمبران بنی اسرائیل اور تورات کی بے حرمتی کی سزا موت ہے۔ بلکہ عہد نامہ عتیق (Old Testament) میں رسول کے نائبین کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر ہے آج بھی ان کی مقدس کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔

رومن لاء:

528ء تا 565ء میں روم میں شہنشاہ جسٹینین کی حکومت تھی جو کہ عادل حکمران گردانا جاتا ہے۔
اس کے قبول مسیحیت کے بعد روم میں حضرت عیسیٰ کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا سزائے موت مقرر کی گئی اور اس کے بعد توہین مسیح کا قانون تمام یورپین ممالک کا متفقہ قانون قرار پایا۔ روس اور سکاٹ لینڈ میں اس جرم پر سزائے موت 18 ویں صدی تک بر قرار رہی۔ روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد حضرت عیسی کی جگہ اسٹالن جو رشین کی اہانت جرم قرار پائی۔[1]

[1] ابو تراب، حبیب الحق کاظمی، **تحفظ ناموس رسالت (اسلامی و عالمی قانون)**، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، دسمبر 2020ء ص:642

برطانیہ میں قانون توہین مذہب:

مسیحیت کی مذہبی روایات میں "بلاس فیمی" عقائد اور مقدس اقدار کے خلاف جرم کے لئے بولا جاتا ہے۔

بالسبری لاز آف انگلینڈ میں لکھا ہے:

> Blasphemy is an indictable offence at common law consisting in the publication of words attacking ith Christian religion or the bible as violent, scurrilous or ribald as to pass the limit of clement controversy and tend to lead to a breach of peace. It is immaterial whether the words are spoken or written, if written the constitute a blasphemous libel[1].

ترجمہ: بلاسفیمی ایک ایسا جرم ہے جو کسی ایسی شائع شدہ تحریر پر مشتمل ہو جس میں مسیحی مذہب یا بائبل کے بارے میں اس انداز سے سخت الفاظ، گندی گالیاں اور فحش زبان استعمال کی گئی ہو کہ بحث واختلاف کے مذہبی طریقوں کی حدود پھلانگ دی جائیں اور اس سے نقص امن کا اندیشہ پیدا ہو جائے یہ بات غیر ضروری ہے کہ مسیحی مذہب اور بائبل کے بارے میں فحش الفاظ زبانی کہے جائیں یا لکھ کر دئے جائیں۔ اگر یہ لکھے ہوں تو یہ تحریر توہین آمیز ہو گی۔

بلیک سٹون (Black stone) نے بلاس فیمی کی تعریف اس طرح کی ہے:

> Denying the being or providence of God, contumelious reproaches of our serious Christ profane scoffing at theHolly scripture or exposing it to contempt and ridicule.[2]

ترجمہ: خدا کی خدائی یا اس کے وجود کا انکار کرنا، ہمارے نجات دہندہ یسوع مسیح کے بارے میں توہین آمیز، شرمناک بات کہنا، مقدس بائبل کا تمسخر اڑانا اور اس کی بے حرمتی کرنا یا اسے توہین او تمسخر کے انداز میں پیش کرنا۔

اس کے علاوہ مغرب میں تثلیث (جس کو The Holy Trinity سے تعبیر کرتے ہیں) کے عقیدے کا انکار بھی بلاس فیمی کے مفہوم میں شامل ہے۔

بالسبری آف انگلینڈ کے مطابق برطانیہ میں صرف عیسائی مذہب کی توہین ہی جرم تصور ہو گی۔ جیسا کہ 1838ء میں پیش آمدہ ایک مقدمہ میں عدالت نے قرار دیا کہ مسیحیت کے سوا دوسرے مذہب پر حملہ توہین مذہب شمار نہیں ہو گا۔ بلکہ موجودہ مقدمے میں تو یہاں تک قرار دیا گیا کہ توہین صرف انجلیکل فرقہ کی توہین پر ہی جرم قرار دی جائے گی یعنی مسیحیت کے اندر بھی

---

[1] Halsbury's laws of England, Butterwords London, 1975, 4th ed. Vol.II. page576

[2] The everyman encyclopedia, edited by Andrew boyel, London: published by J.M. Dent.And sons Ltd

ایک مخصوص فرقہ کی توہین ہی توہین شمار ہو گی جو کہ شاید ان کے ہاں کوئی خاص معتبر فرقہ ہی ہے۔[1]

بالسبری آف انگلینڈ کے اس مذکورہ بالا قانون کے خلاف اس وقت انگلینڈ میں احتجاج بھی ہوا کہ یہ قانون تمام بانیان مذاہب کی توہین تک بڑھایا جائے۔ جس میں سر فہرست حضرت مسیح اور حضرت محمد صلی یا کم ہیں اور اس قانون کو مؤثر بھی بنایا جائے۔ یورپ میں تحفظ مذہب سے متعلق روز اول سے قوانین موجود ہیں۔ رومن ایمپائر میں سینمین اول کے دور حکومت (527ء تا 556ء) میں توہین مذہب کے مجرم کو سزائے موت دی جاتی تھی۔[2]

1553ء میں ملکہ الزبتھ کے عہد میں سب سے پہلے پروٹسٹنٹ کلیسائی قانون میں توہین مذہب سے متعلق ایک دفعہ شامل کیا۔ اس ملکہ کے دور حکومت میں پانچ سے چھ افراد مسیحیت اور یسوع مسیح کے بارے میں کفریہ عقائد رکھنے کی بنیاد پر زندہ جلا دیا گیا[3]۔ سولہویں صدی میں ایک پادری فرنک ڈیوڈ (جو ٹرانسلوونیا شہر کے یونیٹرین چرچ کا سربراہ تھا) کو 1579ء اس بنیاد پر عمر قید کی سزا سنادی گئی کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیحیوں کو یسوع کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔[4]

یورپ آج کل سائنس کا آماجگاہ بنا ہوا ہے لیکن اسی یورپ میں آج کے ثابت شدہ سائنسی نظریات پر کئی نامور سائنس دانوں کو مذہبی عقائد کے بر خلاف رائے پیش کرنے پر سخت سزائیں دی گئیں۔ مثلاً فرکس کے سائنس دان برونو کو 1600ء میں اس وجہ سے زندہ جلا دیا گیا کہ وہ مذہبی عقائد کے بر خلاف اس زمینی دنیا کے علاوہ دوسری دنیاؤں کا قائل تھا مشہور فزیکل سائنس دان گیلیلو کو بھی مسیحی عقائد سے اختلاف کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی گئی تھی وہ سورج کے گرد زمین گھومنے کے قائل تھے۔[5] 1656ء میں ایک شخص کو خود کو حضرت عیسی علی سلام قرار دینے کے جرم میں سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ اس کے زبان میں سوراخ تک کئے گئے۔[6] اس طرح مسیحی نظریات و عقائد سے اختلاف رکھنے کے جرم میں جان بدل نامی شخص کو جیل میں ڈالا گیا اور وہ جیل ہی میں مر گیا۔[7]

---

[1] Halsbury's laws of England. Butterwords London, 1975, 4th ed. Vol.II, page577
[2] the encyclopedia of America, Grolier incorporated 1987
[3] international edition Vol:II, page: 276
[4] the encyclopedia of religion V:2 page:241
[5] ندوی، ابوالحسن علی، **انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر**، مکتبہ اسلامیات، کراچی، ص:265
[6] the encyclopedia of religion V:2 page:41
[7] , encyclopedia of religion 33 and ethics. Charles scribner.s sons new york V:2 page:671

امریکہ(United States of America:)

امریکہ میں بلاس فیمی کی بنیاد پر کوئی کیس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ان کے آئین کے خلاف ہے امریکی دستور 1791ء میں پہلی ترمیم میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

Congress Shall make no law respecting an establishment of religion, or prohibiting the free exercise thereof. Ora abridging of Speech or of the press[1]...

کانگریس میں مذہب کی بنیاد پر کوئی قانون نہیں بنائے گی۔ جو آزادی اظہار رائے کو محدود کرے یا پریس کی آزادی کو محدود کرے۔

اس کی بنیاد پر کیس امریکہ کی سپریم کورٹ نے 1952 میں ہے یہ فیصلہ سنایا Burstyn, Inc. v:.

New York could not enforce a censorship law against filmmakers whose films contained "sacrilegious" content[2].

نیویارک حکومت سنسر شپ قوانین کو ان فلم میکرز کے خلاف استعمال نہیں کر سکتی جن کی فلموں میں توہین آمیز مواد ہو۔

اس کیس میں جسٹس کلارک(Justice Clark)نے فیصلہ میں لکھا:

> From the stendpoint of freedom of speech and the press, it is enough to point out that the state has no legitimate in protpeting any or all religions from views distasteful to them which which is sufficient to justify prior restratints upoun the expression of those views. It is not the business of government in our nation to suppress real or imagined attacks upon a particular religious doctrine, whether thay appear in publications, speeches, or nation pictures[3].

آزادی اظہار اور صحافت کی بنیاد پر یہ بتانا کافی ہے کہ ریاست کے پاس کسی ایک یا تمام مذاہب کو ان کے نظر انداز کرنے والے نظریات سے بچانے کا کوئی جواز نہیں ہے جو ان خیالات کے اظہار پر پیشگی پابندیوں کا جواز پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہماری قوم میں حکومت کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی خاص مذہبی نظریے پر حقیقی یا تصوراتی حملوں کو روکیں، چاہے وہ اشاعتوں، تقریروں یا ملک کی تصویروں میں ہوں۔

---

[1]Constitution of the United States UNITED STATES GOVERNMENT PRINTING OFFICE WASHINGTON: 2007

[2]Joseph Burstyn, Inc v Wilson, 343 US 495 1952

[3] Joseph Burstyn, Inc v Wilson, 343 US 495 1952

مگر دوسری طرف 2009 کی "Sentencing Guideline" کی سیکشن 1-A1-3 بیان کرتی ہے کہ رنگ نسل، مذہب اور قومیت کی بنیاد پر کیئے جانے والے جرم پر سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔[1] امریکہ کا دہرا معیار یہاں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی عدالتیں حضرت عیسی علیہ سلام کی توہین پر تو سزائیں سنا رہی ہیں مگر پیغمبر اسلام کی بات ہو تو اظہار رائے کی آزادی کی آڑ لے لیتی ہیں۔

موکس توہین مسیح کیس۔ امریکن سپریم کورٹ کا فیصلہ:

(State Vs. Mockus)

مچل زیویر موکس (Michael Xavier Mockus) کی پیدائش 1864 میں امریکہ میں ایک عیسائی کیتھولک گھرانہ میں ہوئی جو جوانی میں پروٹسٹنزم کی طرف مائل ہو گیا یہ پہلے کوئلے کی کان میں کام کرتا رہا جسے ترک کر کے سیمنٹ کی فیکٹری میں ملازم ہو گیا۔ 1908ء میں اس کے عقائد ملحدانہ ہو گئے اور اپنی تقاریر میں لادینیت کا پرچار کرنے لگا۔ 1916ء میں اس نے عیسائیوں کے آرتھوڈکس فرقے کے مذہبی عقائد کی سرعام توہین کی۔ جو دو امریکی ریاستوں کنیکٹیکٹ (Connecticut) اور مینٔن (Maine) کے 1642ء کے قدیم قانون انسداد توہین کے تحت جرم تھی۔ 1916ء میں ریاست کنیکٹیکٹ کے شہر واٹر بری (Waterbury) میں اس نے توہین کا ارتکاب کیا جس پر اسے اس وقت کے قانون کے تحت سزا ہوئی جو کہ 1642ء کے پرانے بلاسفیمی لاء کے تحت موت کی سزا تھی مگر 1821ء کی ترمیم کے ذریعے اس کو ایک سال قید اور 100 ڈالر جرمانہ سے بدل دیا گیا[2] جس پر اس نے اعلیٰ عدالت میں اپیل دائر کی مگر فیصلہ پھر بھی اس کے خلاف آیا۔ اس پر یہ باز نہ آیا اور 1919ء میں ریاست "مینٔن" کے شہر رَم فورڈ (Rumford) میں اس نے 6، 7 اور 10 ستمبر کو سلسلہ وار خطابات میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے خلاف آٹھ مختلف توہین آمیز بیانات دیئے، جس پر اس کے خلاف مقدمہ چلا اور 1919ء جیوری ٹرائل میں مجرم قرار دے کر سزا سنائی گئی۔ اس وقت "انسداد توہین" کے قانون کی عبارت یہ تھی:

> Whoever blasphemes the holy name of God by cursing, or contumeliously reproaching God, His creation, government, final judgment of the world,Jesus Christ, the Holy Ghost or the Holy Scriptures as contained in the canonical books of the Old or New Testament, or by exposing them to contempt and ridicule, shall be punished.[3]

---

[1] United States Sentencing Commission Guidelines Manual, § 3A1. 1 2009

[2] Blasphemy: Verbal offence against the sacred... by Leonard Williams Levy. UNC Press Books, 1995. P 513

[3] Sec. 30 of Chap. 125 of the R. S.1821 statute.

جو بھی خدا کے مقدس نام کی توہین لعنت یا گستاخانہ تنقید کرتا ہے خدا، اس کی تخلیق، حکومت، یوم جزاء، یسوع مسیح، روح القدس یا مقدس صحیفوں کی توہین کرکے یا قدیم صحیفوں کی جو عہد نامہ جدید یا عہد نامہ قدیم میں ہیں انہیں طنز و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے اسے سزا دی جائے گی۔ اسے اس سیکشن کے تحت قید بامشقت کی سزا ہوئی، جس پر اس نے فیصلہ کے خلاف سپریم جیوڈیشل کونسل میں اپیل دائر کی جس میں آزادی اظہار رائے کی شق کا دفاع لیا گیا مگر سپریم جیوڈیشل کونسل نے بھی دلائل سننے کے بعد 25 مارچ 1921ء میں اس کی سزا کے فیصلے کو درست قرار دے کر برقرار رکھا۔ مگر یہ سزا کا سامنا کرنے کے بجائے میکسیکو فرار ہو گیا۔[1]

توہین مسیح کیس میں یورپین عدالت ہیومن رائٹس کا فیصلہ:

(Wingrove v. The United Kingdom1996)

نگل ونگرو (Nigel Wingrove 26 اکتوبر 1957 کو پیدا ہوا جو کہ ایک فلم ساز کمپنی (Salvation Films) کا بانی تھا۔ اس نے سولہویں صدی کی سینٹ ٹریسا آبیلی (متوفی: 1582) کے حالات زندگی پر ایک مختصر فلم بنائی جس میں اس نے ٹریسا کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تصوراتی شبیہ کے ساتھ ناقابل بیان حرکات کرتے دکھایا یہ فلم جب برطانیہ کے سنسر شپ بورڈ (British Board of Film Classification) میں نمائش کے اجازت نامہ کے لئے پیش ہوئی تو انہوں نے 18 ستمبر 1989ء کو اسے برطانیہ کے کریمنل لاء آف بلاسفیمی کے خلاف قرار دیا اور لکھا کہ: مسیحیت کے خلاف لکھنا یا شائع کرنا اگر مہذب انداز میں ہو تو وہ بلاسفیمی کی تعریف میں نہیں آئے گا۔

دسمبر 1989ء میں ونگرو نے "وڈیو اپیل کمیٹی" (Video Appeals Committee) میں بورڈ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی جس پر کمیٹی نے فلم کے مناظر کو توہین غیر مہذب قرار دیتے ہوئے پابندی کو برقرار رکھا اور لکھا کہ حضرت مسیح کے ساتھ ٹریسا کے یہ مناظر (would outrage the feelings of Christians) عیسائیوں کے جذبات کے اشتعال کا باعث ہونگے۔ اس کے بعد جیوڈیشل ریویو کے لئے ہاؤس آف لارڈ میں اپیل کی تو وہاں سے بھی فیصلہ اس کے خلاف آیا اور پابندی کو برقرار رکھا گیا۔

یکم مارچ 1995ء کو انسانی حقوق کے یورپی کمیشن نے کیس انسانی حقوق کی یورپی عدالت کو ریفر کیا کہ دیکھا جائے کہ آیا برطانیہ میں فلم کی اجازت نہ دے کر انسانی حقوق کے اور یورپین کنونشن کے آرٹیکل 10 کے تحت آزادی اظہار رائے کے حق کو پامال تو

[1] State v. Mockus, 120 Me. 84(1921) March 26, 1921 Maine Supreme Judicial Court 120 Me 84.... The Atlantic Reporter: Volume 113. St. Paul, MN: West Publishing Co., 1921; pp. 39-45.

نہیں کیا جارہا؟ عدالت نے تمام دلائل سننے کے بعد نہ صرف برطانیہ کے بلاسفیمی لاء کو جائز قرار دیا بلکہ فلم پر پابندی کی بھی تائید کر دی۔[1]

پاکستان میں قانون حرمت رسول اور اس کی تاریخ

ریاست مدینہ طیبہ کے قیام سے گستاخان رسول کے لیے صرف سزائے موت مقرر رہی ہے۔ خلفائے راشدین و خلفائے اسلامیہ کے ادوار میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ اگر کہیں مسلمانوں کی حکومت نہیں رہی یا حکمران طبقہ نے دینی وملی کمزوری کی وجہ سے لیت و لعل سے کام لیا وہاں پر رسول اللہ ﷺ کے دیوانوں نے خطرات مول لے کر گستاخانِ رسول کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ چاہے اس کی پاداش میں انہیں پھانسی کا پھندا ہی کیوں نہ چومنا پڑا۔

برصغیر میں مغلوں کے دور حکومت میں بھی یہی قانون نافذ العمل رہا حتی کہ مغل بادشاہ اکبر کے دور میں چہ جائیکہ دین الٰہی جیسی خرافات کا زور ہو چکا تھا مگر اس دور میں بھی گستاخ رسول کو اس قانون کے تحت واصل جہنم کیا گیا۔ مسلمانوں کی حکومتوں کے خاتمہ پر انگریز کے غلبہ کے ساتھ ہی اسلامی قانون کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن اس دور میں بھی جب کوئی شقی القلب دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتا جانثاران مصطفی انگریزی قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہنستے مسکراتے تختہ دار پر جھول جاتے۔

ہندوستان میں برطانوی راج مسلط ہونے پر یہاں 1860ء میں گورنر جنرل ہند کی منظوری سے تعزیرات ہند(The Indian Penal Code) کو نافذ العمل کر دیا گیا۔ تعزیرات ہند کی تدوین لارڈ میکالے کی سربراہی میں تشکیل شدہ کمیشن نے نپولین کوڈ کو سامنے رکھ کر کی تھی اور اس سلسلہ میں انگلش قوانین اور خاص طور پر انتظامی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ انگلستان میں اس وقت ؟ بھی یعنی 1860ء میں قانون توہین مسیح بطور کامن لاء(Common Law) موجود تھا اور آج بھی بلاس فیمی ایکٹ انگلینڈ کے مجموعہ قوانین میں شامل۔ البتہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے خلاف منافرت پھیلانے یا توہین حکومت یا حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی کے جرم کی سزا کے لیے ایک دفعہ تعزیرات ہند میں شامل کی گئی۔ جسے جرم بغاوت قرار دے کر اس کی سزا سزائے عمر قید کی گئی جس کی جگہ 1898ء میں دفعہ 124، الف کو معمولی ترمیم کے ساتھ شامل تعزیرات کیا گیا مگر سزا اور نوعیت جرم وہی برقرار رہے۔

اسی سال 1898ء میں دفعہ 124، الف کے ساتھ ہی مزید دفعہ 153 الف کا اضافہ کیا گیا تاکہ فرقہ دارانہ منافرت پھیلانے کی وجہ سے ملک میں جو فتنہ وفساد پیدا ہوا ان کا سد باب کیا جاسکے اور حکومت ان خطرات سے محفوظ رہ سکے۔

---

[1] , Wingrove v. . The United Kingdom, 19/1995.525 611 Council of Europe: European Court1 of Human Rights, 25 The November 1996 Wingrove v. UK, (Application no. 17419/90) Judgment of 25.11.96. RJD 1996-V: 24 EHRR

وقعہ 153 الف:

"Whoever by words, either spoken or written, or promoting enmity by signs, or by visible representations, between classes, or otherwise, promotes or attempts classes of Her Majesty's subjects shall be punished with imprisonment which may extend to two years, or with fine or with both[1]

جو کوئی الفاظ سے بذریعہ تقریر یا تحریر یا اشتہاروں سے یا کسی اور طبقہ سے ہندوستان میں ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں میں دشمنی یا منافرت کے جذبات ابھارے یا انہیں بھڑکانے کی کوشش کرے اسے دو سال تک قید کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

توضیح:(Explanation)

ایسا کوئی فعل جو بدنیتی کے بغیر نیک نیتی کے ساتھ ان امور کی نشاندہی کرے جو ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی یا منافرت کے جذبات یا رجحانات پیدا کرنے کا باعث ہو ختم کرنے کے لیے کیا گیا ہو مذکورہ بالا جرم کی تعریف میں نہیں آئے گا۔

(تشریحات Commentary)

اس دفعہ کے اضافہ کا ایک مقصد یہ بھی بتایا گیا کہ ہر میجسٹی کی رعایا کے درمیان امن وامان قائم کرنا ہے۔

جب اس جرم کے ارتکاب میں تسلسل آنے لگا تو محمد علی جوہر کی تحریک پر 1927ء میں اس وقت کی قانون ساز اسمبلی نے مسلمانوں کی اشک شوئی کے لیے 295-A کو تعزیرات ہند میں شامل کیا۔ جس میں توہین مذہب کے جرم کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ مقرر ہوئی مگر یہ توہین رسالت جیسے سنگین جرم کے لیے ناکافی تھی۔

1947ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد مسلمانوں کی توقعات یہ تھیں کہ اسلامی نظام بحال کر دیا جائے مگر یہ امید پوری نہ ہوئی یہاں تک کہ 1983 میں ایڈوکیٹ ایم راج جو کمیونسٹ نظریات کا داعی تھا اس نے "Heavenly Communism"(آفاقی اشتمالیات) نامی کتاب لکھی جو کہ مفت تقسیم کی گئی اس کتاب میں اللہ رب العزت، مذاہب، معزز و مکرم مذہبی شخصیات، انبیاء کرام یہاں رسالت مآب آقا دو جہاں، سرور کائنات، فخر موجودات محمد مصطفی ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کی گئی لیکن پاکستان میں اس کی سزا کا قانون موجود نہ تھا جس کی بناء پر ایڈووکیٹ محمد اسماعیل قریشی نے قانون تحفظ ناموس رسالت کے نفاذ کے لیے فیڈرل شریعت کورٹ میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور

[1] The Indian Penal Code, Act xlv of 1860, Sec, 153A, vol.1, Crishen Lal & co, Calcutta, 1929

تمام صوبوں کے گورنروں کے خلاف آئین پاکستان کی آرٹیکل "203" کے تحت شریعت پیٹیشن نمبر L/A1984 دائر کردی جس میں آپ کے معاون تمام مکاتب فکر کے علماء سپریم کورٹ وہائی کورٹ کے ججز صاحبان، سابق وزرائے قانون، سابق اٹارنی جنرل اور مختلف بار کونسلز کے صدور تھے تقریبا 78 افراد نے اس پر دستخط کیے۔

کمرہ عدالت اور اس کے باہر علماء اور عاشقان مصطفی کا ہر پیشی پر جم غفیر ہوتا۔ اس دوران ایک خاتون ایڈووکیٹ جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس کا شوہر ایک بڑا مالدار قادیانی ہے اس نے اسلام آباد میں ایک سیمینار میں نبی اکرم میں اسلام کی شان میں نازیبا الفاظ کا استعمال کیا جس کی بناء پر سیمینار میں ہی ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ اس دوران ایک خاتون مرحومہ نثار فاطمہ نے اسماعیل قریشی کی مشاورت سے اسمبلی میں 295-ج(C) "کا" پاکستان پینل کوڈ" میں اضافہ کا بل پیش کیا۔ جس میں گستاخ رسول کی سزائے موت تجویز کی گئی۔ اس بل کی اسمبلی میں کسی نے مخالفت نہ کی مگر وزیر قانون اقبال احمد خان نے اس بل میں ترمیم کرتے ہوئے "گستاخ رسول کی سزا موت" کے بجائے "سزا سزائے موت یا عمر قید کر دی"۔ مگر غیور علماء و وکلاء اور جانثاران مصطفی مطمئن نہ ہو سکے جس پر دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں 295-ی(C) کو چیلنج کر دیا گیا کہ گستاخ رسول کی سزا صرف اور صرف موت ہے عمر قید کی سزا خلاف شریعت ہے۔ اس میں وکلاء و علماء نے قرآن اسنت سے دلائل پیش کیے جس پر آخر کار فیڈرل شریعت کورٹ نے متفقہ طور پر توہین رسالت کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان کو 30 اپریل 1991ء تک کی مہلت کے ساتھ حکم دیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی" سے حذف کر دیا جائے۔ جس پر صرف سزائے موت قانون کا حصہ بن گئی۔ اس پٹیشن کی سماعت کرنے والے جسٹس صاحبان کے اسماء گرامی یہ تھے۔ جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس، جسٹس عبد الکریم خان کندی، جسٹس عبادت یار خان، جسٹس عبد الرزاق تھیم اور جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان[1].

توہین کی روک تھام کے لیے 295 الف میں مختلف ادوار میں ترامیم۔

295 الف:

جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے تحریری یا تقریری اعلانیہ طور پر ہر میجسٹی رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یا توہین کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس جماعت کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اسے دو سال قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں"

---

[1] ابو تراب، حبیب الحق کاظمی، **تحفظ ناموس رسالت (اسلامی وعالمی قانون)**، (مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور،) دسمبر 2020ء ص: 675

دفعہ 295 الف میں 23 مارچ 1956ء سے صرف "ہر میجسٹی رعایا" کے الفاظ کو پاکستان کے شہریوں کے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح اس دفعہ میں سال 1961ء کے ترمیمی آرڈیننس جس کو سال 1956ء سے موثر بہ ماضی کیا گیا تھا کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔

پاکستان کے قانون میں مقدس شخصیات کی گستاخی پر دی جانے والی سزائیں:

اس وقت پاکستان پینل کوڈ کا چیپٹر نمبر "XV" میں درج ذیل دفعات "295، 295 الف، 295 ب 295(C)، 297، 298، 298 الف، 298 ب، کے تحت انبیاء کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار خلفاء راشدین، صحابہ کرام کی توہین قابل سزا جرم ہے۔ جس پر درج ذیل سزائیں دی جا رہی ہیں۔

295۔ کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کی نیت سے عبادت گاہ کو نقصان پہنچانا یا نجس کرنا:

> .295Injuring or defiling place of worship with intent to insult the religion of any class:
> Whoever destroys, damages or defiles any place of worship or any object held sacred by any class of persons with the intention of thereby insulting the religion of any class of persons or with the knowledge that any class of person is likely to consider such destruction damage or defilement as an insult to their religion shall be punished with imprisonment of either description for a term which many extend to two year or with fine or with both[1].

جو کوئی شخص کسی عبادت گاہ کو یا کسی ایسی چیز کو جو اشخاص کی کسی جماعت کی طرف سے مقدس سمجھی جاتی ہو اس نیت سے تباہ کرے، نقصان پہنچائے یا ناپاک کرے کہ بایں طور وہ اشخاص کی کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کرے یا اس علم کے ساتھ کہ اشخاص کی کسی جماعت کے مذکورہ تباہی، نقصان یا ناپاکی کو ان کے مذہب کی تذلیل سمجھنے کا احتمال ہے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

295 الف۔ کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کے ذریعے اس کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کی نیت سے کینہ وارانہ اور ارادی افعال:

> -295A. Deliberate and malicious acts intended to outrage religious feeling any class by insulting its religion or religious beliefs:
> of Whoever, with deliberate and malicious intention of outraging the religious feelings of any class of the citizens of Pakistan, by words, either spoken or written or by visible representation insults. The

[1] P.P.C. Vol:1, page:1151, M. Mehmood, Al Qanoon publishers, 2 Mazang Road Lahore

religious beliefs of that class shall be punished with imprisonment of either description for a term which many extend to ten years or with fine or with both.[1]

جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں) کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے کے ارادی اور کینہ وارانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یاد کھائی دینے والے خاکوں کے ذریعہ مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو (دس سال) تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گے۔

295ب۔ قرآن پاک کے نسخے کی بے حرمتی وغیرہ کرنا:

-295B. Defiling, etc of Holy Qur'an:
Whoever wilfully defiles, damages or desecrates a copy of Holy Quran or of an extact therefrom or uses it is any derogatory manner or for any unlawful shall be punishable with imprisonment 1927 for life[2].

جو کوئی قرآن پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے، اسے نقصان یا اس کی بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

295ج۔ پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا:

295C: Use of derogatory remarks etc in respect of Holy Prophet: Whoever by words either spoken or written or by visible representation or by any imputation, innuendo insinuation, directly, defiles. The sacred name of the Holy Prophet Muhammad (Peace be upon him) shall be for life and shall also be liable to fine. or punished with death or imprisonment[3]

جو کوئی الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے یا کسی تہمت، کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے، بلا واسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہو گا۔

298۔ مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے ارادی مقصد سے الفاظ وغیرہ کہنا:

---

[1] P.P.C. Vol:1, page:1155
[2] P.P.C. Vol:1, page:1162
[3] P.P.C. Vol:1, page:1164

298. Uttering words etc with deliberate intent to wound religions feelings: Whoever with the deliberate intention feeling of any person utters any word or make any sound into hearing of that person or makes any gesture in the sight of that person or places any object in the sight of that person shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to one year or with fine or with both[1].

جو کوئی شخص کسی شخص کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے ارادی مقصد سے مذکورہ شخص کی سماعت کی حد تک کوئی لفظ کہے یا کوئی آواز پیدا کرے یا مذکورہ شخص کی نظروں کے سامنے کوئی اشارہ کرے یا مذکورہ شخص کی نظروں کے سامنے کوئی شے رکھ دے تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

298 الف مقدس شخصیات کے بارے میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ کا استعمال کرنا:

−298A: Use of derogatory remarks etc in respect of holy personages:

Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any imputation, innuendo or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife (Ummul Mumineen), or members of the family (Ahle-bait), of the Holy Prophet (peace be upon him), or any of companions (Sahaaba) of the righteous Caliphs (Khulafa-e-Rashideen) or the Holy Prophet (peace be upon him) shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years, or with fine, or with both[2].

جو کوئی الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے یا کسی تہمت، کنایہ یا در پردہ تعریض کے ذریعے، بلاواسطہ رسول پاک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کسی زوجہ مطہرہ (ام لمؤمنین) یا رسول پاک کے خاندان کے کسی فرد (اہل بیت) یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاے راشدین یا ساتھیوں (صحابہ کرام) میں سے کسی کے متبرک نام کی توہین کرے گا، تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی

[1] The Pakistan Penal Code, Act No VLV of 1860, Chapter 15, 295-C.
[2] P.P.C. Vol:1, page:1162

عصری مسائل کا تجزیہ

مسلمانوں کی دل آزاری:

گستاخان رسالت گاہے گاہے کائنات کی سب سے عظیم و افضل ہستی کی شانِ اقدس میں گستاخی کی جسارت کر کے دنیا میں سب سے زیادہ بسنے والے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں اور پھر اس کو "آزادی اظہار رائے" کے نام پر جاری رکھنے پر اصرار بھی کرتے ہیں حالانکہ رائے کی آزادی اور کسی کی دل آزاری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس بات کو محمد متین خالد "ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مغرب کی شر انگیزیاں" میں لکھتے ہیں:

"دنیا کے کسی معاشرے میں رائے کے اظہار کی ایسی آزادی نہیں کہ جس کی چاہا عزت خاک میں ملادی اور جس کے چاہا دل کے پرخچے اڑادیئے۔ ہر معاشرے نے اپنے حالات کے مطابق اظہار رائے کی حدود مقرر کی ہیں۔ حقائق تک کو بیان کرنے کے لیے بھی حدود و قیود پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یورپ و امریکہ میں بھی جہاں فحاشی و عریانی عروج پر ہے، بچوں میں جنسی ہیجان پیدا کرنے والی فحش نگاری، مذہبی و نسلی منافرت پھیلانے والی تحاریر و تقاریر پر پابندی ہے۔ آسٹریا، بیلجئم، فرانس، جرمنی، اسرائیل، ایتھوپیا، پولینڈ، رومانیہ، چیکوسلواکیہ، سوئٹزرلینڈ وغیرہ میں عالمی جنگوں کی تباہی کے انکار کو فوجداری جرم قرار دیا گیا ہے۔ یورپ کے اکثر ممالک میں "ہولوکاسٹ" کے انکار بلکہ اس کے بارے میں یہ تک کہنے کی اجازت نہیں کہ "اس میں ہلاک شدہ یہودیوں کی تعداد مبالغہ آمیز ہے""[1]

اظہار رائے کی آزادی اور اہانت کے قوانین:

اظہار رائے کی آزادی کی بات کرنے والے یورپ و امریکہ کی اپنی حالت یہ ہے کہ "وہاں بھی کوئی کھل کر ان کے دستور، اقتدار اعلیٰ یا پالیسیوں پر بات نہیں کر سکتا۔ صرف یورپ و امریکہ کیا پوری دنیا میں ہتک عزت، توہین عدالت کے قوانین موجود ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں وہاں کے دستور یا اقتدار اعلیٰ سے بغاوت یا باغیانہ اظہار رائے کو سنگین جرم قرار دیا گیا ہے اور مجرموں کے لئے موت تک کی سزا موجود ہے۔ اسی طرح مقدس ہستیوں، مقدس مقامات اور مقدس اشیاء کی توہین پر سزا کا قانون بھی اکثر (بلکہ تمام) ممالک میں موجود ہے۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق: اکثر ممالک میں بلاس فیمی لاء ایک لفظ موجود ہے۔ خصوصاً آسمانی صحائف اور آسمانی ادیان سے تعلق رکھنے والی اقوام میں انبیاء ورسل کی توہین قابل سزا جرم ہے۔ قدیم ایران میں تین قسم

---

[1] محمد متین خالد، **ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مغرب کی شر انگیزیاں**، (علم و عرفان پبلیشرز لاہور، س ۲۰۱۶)، ص ۷۰۔

کے جرم تھے: (۱) خدا کے خلاف، (2) بادشاہ کے خلاف، (۳) انسانوں کے ایک دوسرے کے خلاف"۔[1]

چین جہاں آج کل کوئی دینی و مذہبی جماعت نہیں، وہاں بھی مہاتما بدھ کے مجسمے کی توہین، فوجداری جرم ہے۔ ام عبد مغیب لکھتی ہیں:

29 مارچ 1990ء کو چین کے صوبے کی چو ان میں وانگ ہونگ نامی شخص کو جس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہاتما بدھ کے مجسمے کا سر کاٹا تھا، سزائے موت سنائی گئی تھی۔ افغانستان میں طالبان نے بدھ کے مجسمے کو گرایا تو یورپ و امریکہ نے کتنا شور مچایا تھا؟؟ یہودیوں کے ہاں خدا، رسول، یوم سبت اور ہیکل کی توہین جرم تھی اور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سردار کاہن نے اسی طرح کا الزام لگا کر پھانسی کی سزا کا مطالبہ کیا تھا۔[2]

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین میں ہے:

انبیاء کرام اور ان کے ساتھیوں کی توہین کرنے والے کی سزا موت ہے۔[3]

گستاخی کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے:

دنیا میں جہاں بھی مذہب اپنے زندہ شعور کے ساتھ موجود ہے، وہاں اس مذہب کے بانیان و مقتداکی توہین پر کڑی سے کڑی سزائیں رکھی گئی ہیں۔ البتہ اگر کسی جگہ عیاشی ہی کو بطور مذہب اپنا لیا جائے تو سوچ کے دھارے بدل جائیں گے اور وہاں کے مردہ ضمیر "آزادی رائے" کے نام پر سب کچھ سہہ جاتے اور قبول کر لیتے ہیں۔ حالاں کہ جہاں جس کو روک سکتے ہو اسے روکنے کی کوشش کرو، ان تمام کے باوجود گستاخان رسالت، مسلمانوں کے دل خون کر رہے ہیں اور مسلسل دل آزاری کرتے چلے جا رہے ہیں، کیوں؟؟

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق:

اپنے خیالات، معلومات اور آراء کا گورنمنٹ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اظہار کر سکنا، آزادی اظہار رائے کہلائے گا کینیڈین سپریم کورٹ نے آزادی رائے کے بارے میں اہم مقاصد بیان کئے کہ:

(1) جمہوریت کے فروغ کے لئے،

(2) ریاستی یا گروہی زیادتیوں کی روک تھام کے لئے،

---

1 انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، ج ۳، ص ۴۱۰

2 ام عبد منیب، تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم، (مشربہ علم و حکمت۔ لاہور، اس ۲۰۱۴)، ص ۹۸

3 انسائیکلوپیڈیا آف ریلجین، (دی ولڈ پبلشرز، سن۔ن)، ص ۲۱۰۔

(3) حقیقت کی تلاش کے لئے ہر فرد آواز اٹھا سکتا ہے۔[1]

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، آزادی رائے کی تعریف کے ساتھ ساتھ ہر اس گفتگو یا رائے پر پابندی کی بات کرتا ہے جو واضح حقیقی خطرے کا موجب ہو، یعنی (1) کسی پر بہتان لگایا گیا ہو، (2) فحاشی کی موجب ہو، (3) کسی پر دباؤ ڈال کر مجبور کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے "اعلامیہ برائے سیاسی و سماجی حقوق" جو جنرل اسمبلی نے 1966 میں منظور کیا تھا آرٹیکل 20 تشدد کے فروغ، نسلی تعصب، مذہبی منافرت اور کسی بھی قسم کے امتیازی رویئے پر مبنی تقریر و تحریر پر پابندی کی بات کرتا ہے۔ اظہار رائے کی بے مہار اور کھلی آزادی، نسلی، گروہی، لسانی و علاقائی عصبیتوں کے فروغ اور باہمی فساد و جدال کا باعث بن سکتی ہے۔ اس کے ذریعے کسی کے عقائد اور مذہب کی تضحیک کے ذریعے قتل و غارت گری کی راہ بھی کھل سکتی ہے۔ اسی لئے تقریباً ہر جمہوری ملک میں اسے قانونی طور پر روکا گیا ہے اور قابل تعزیر جرم گردانا گیا ہے۔[2]

قوانین کے غلط استعمال کا سدباب

اس قانون C-295 سے متعلق عموماً یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اس قانون کا غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ جس سے کسی بے گناہ کو سزا ہو سکتی ہے اور کسی بے قصور کا قتل ہو سکتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَافَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[3]

جس نے کوئی جان (ناحق) قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو (ناحق مرنے سے) جلا (بچا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا (بچا لیا۔

لہذا بے گناہوں کے تحفظ کے لیے قانون ختم کر دیا جائے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر سید حبیب الحق کاظمی اپنی شہرہ آفاق کتاب "تحفظ ناموس رسالت (اسلامی و عالمی قانون)" میں رقمطراز ہیں

قانون کے غلط استعمال کی روک تھام کے لیے یہ دلیل تو ہر قانون کے خاتمہ کے لیے قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ اس کا حل نہیں کیونکہ جس معاشرہ میں بھی قانون کی عملداری کمزور ہو گی امیر و غریب بااثر و لاچار کے لیے عملاً قانون کی کسوٹی مختلف ہو گی تو ایسے خدشات موجود رہیں گے۔ مگر دیکھا جائے تو پاکستان میں C-295 ت، پ کے مقابلہ میں 302 ت پ کے تحت سب سے زیادہ FIR درج ہوتیں ہیں۔ اور ایک ایک FIR میں درجنوں نامزد بلکہ بعض میں تو سینکڑوں نامعلوم افراد کو ڈال دیا جاتا ہے۔ جس کا اس جرم کے ارتکاب میں سراسر کوئی کردار نہیں ہوتا۔ علی ھذا القیاس ہر قانون کے بارے میں یہ مفروضہ قائم ہو سکتا

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا،

[2] ثریا بتول علوی، پروفیسر، **اسلام اور توہین رسالت**، (تنظیم پبلشرز کوئٹہ، س ۲۰۱۱،،) ص ۶۵۔

[3] المائدۃ آیت 32

ہے تو کیا اس مفروضہ کی آڑ میں تمام قوانین کو معطل کر کے لا قانونیت کو اختیار کر لیا جائے؟ یا اس سسٹم کی اصلاح کی جائے جن میں قوانین میں معصوم و بے گناہ سولی لٹکا دیے جاتے ہیں ان کے غلط استعمال کے بارے میں قانون کی زبانیں گنگ ہیں مگر وہ قانون جس کے تحت سزا پانے والوں میں سے کسی ایک کو بھی 32 سالوں میں عملاً سزا نہیں مل سکی کے غلط استعمال کا ڈنڈھورا پیٹا جا رہا ہے۔ جبکہ حقیقت میں غلط استعمال تو دور کی بات صحیح استعمال سے بھی آج تک محروم رہا۔[1]

اگر قانون کے غلط استعمال کو روکنا ہو تو اس کے لیے بھی کسی نئی قانون سازی کی ضرورت نہیں بلکہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں ویسے بھی انتہائی سخت قانون موجود ہے۔ جس کے تحت C-295 کے آڑ میں کسی کو سزا دلوانے کے لیے جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے سزائے موت ہے۔

اس حوالے سے مجموعہ تعزیرات کا پورا باب موجود ہے جو سیکشن نمبر 191 سے 229 تک جھوٹی گواہی یا کسی بے گناہ کو سزا دلوانے کی سزا بیان کرتا ہے۔ اس کی دفعہ 194 اور 195 درج ذیل ہے۔

.194Giving or fabricating false evidence with intent to procure conviction of capital offence:Whoever gives or fabricates false evidence, intending thereby to cause, or knowing it to be likely that he will thereby cause any person to be convicted on an offence which imprisonment for life, or with rigorous imprisonment for a term which may extend to ten years, and shall also be liable to fine; if innocent person be thereby convicted and executed: and if an innocent person be convicted and executed in consequence of such false evidence the person who gives such false evidence shall be punished eitherwith death or the punishment hereinbefore described.[2]

کسی سنگین جرم کے لیے سزا کرانے کی نیت سے جھوٹی گواہی دینا یا اس کی جعل سازی کرنا۔ جو کوئی شخص جھوٹی گواہی دے یا اس کی جعل سازی کی اس نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس باعث کسی شخص کو کسی ایسے جرم میں سزا یاب کرے جو کسی فی الوقت نافذ العمل قانون کی رو سے سنگین ہو تو اسے [عمر قید] یا اتنی مدت کے لیے قید سخت دی جا سکتی ہے جو دس سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہو گا۔ اگر اس کے باعث بے گناہ شخص سزا یاب ہو جائے اور پھانسی پا جائے۔ اور اگر مذکورہ جھوٹی گواہی کے باعث کوئی بے گناہ شخص سزا یاب ہو جائے تو اس شخص کو جو مذکورہ جھوٹی گواہی دے یا تو موت کی

---

[1] کاظمی، ابوتراب سید حبیب الحق، **تحفظ ناموس رسالت (اسلامی و عالمی قانون)** (مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور، دسمبر 2020ء) ص:916

[2] P.P.C. Vol:1, page:1151

سزا دی جائے گی یا متذکرہ بالا سزا دی جائے گی

.195۔Giving or fabricating false evidence with intent to procure conviction of offence punishable with imprisonment for life or for a term of seven years upwards: Whoever gives or fabricates false evidence intening thereby to cause or knowing it to be likely that he will thereby cause any person to be convicted of an offence which by any law for the time being in force is not capital, but punishable with imprisonment for life or imprisonment for a term of seven years or upwards, shall be punished as a person convicted of that offence would be liable to be punished. Illustration A gives false evidence before a Court of Justice, intending thereby to cause Z to be convicted of a dacoity. The punishment of dacoity is imprisonment for life a or rigorous imprisonment for a term, which may extend to ten years, with or without fine. a, therefore, is liable to such imprisonment for life or imprisonment with or without fine.[1]

عمر قید یا سات سال یا زیادہ کی قید کی سزا کے مستوجب جرم کے لیے سزایاب کرنے کی نیت سے جھوٹی گواہی دینا یا اس کی جعل سازی کرنا۔

جو کوئی شخص جھوٹی گواہی دے یا جعل سازی کرے اس نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ وہ اس باعث کسی شخص کو کسی ایسے جرم کے لیے سزایاب کرائے جو کسی فی الوقت نافذ العمل قانون کی رو سے سنگین نہ ہو لیکن [عمر قید] یا سات سال یا اس سے زیادہ کی مدت کی قید کی سزا کے قابل ہو تو اسے وہ سزا دی جائے گی جس کا مستوجب وہ شخص ہے جو مذکورہ جرم کے لیے سزایاب ہو جائے۔

تحقیق کے بعد الزام کا ثبوت:

بغیر ثبوت اور تحقیق کے کسی کے خلاف فتویٰ چاہے کفر کا ہو یا ارتداد کا، توہین مذہب کا ہو یا توہین رسالت کا ناجائز ہے اور ایسا اقدام سنگین جرم ہے۔ تکفیر کا معاملہ انتہائی نازک اور حساس ہے کیونکہ کسی مسلمان کی تکفیر کا نتیجہ اسے مباح الدم سمجھ کر واجب القتل ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ آدمی کو گالی دینے سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنا مذہب سے اخراج پر۔ قرآن حکیم کے مطابق جہاد کے دوران اگر دشمن بھی سلام کہہ دے تب بھی اس پر ہاتھ نہ اٹھاؤ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو تفتیش کر لیا کرو اور جو تمہیں کہے کہ وہ مسلمان ہے تو اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔

---

[1]P.P.C. Vol:1, page:1151

اسلام کی ادنی نشانی ہے اگر کوئی شخص اپنے ایمان کے اظہار کے لیے سلام کر لے یا کلمہ پڑھ لے قرآن کے مطابق اس کا قتل جنگ کے ہنگامی حالات میں بھی جائز نہیں، اس دوران کسی کے اسلام کی تحقیق نہایت مشکل ہے اندیشہ ہے کہ اس سے دشمن فائدہ اٹھائے مگر اسلام یہاں بھی اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے ظاہر پر عمل کی تلقین کرتا ہے، یہ انسانی جان کے احترام کی آخری حد ہے۔ بلا تحقیق محض شبہ کی بناء پر کسی کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا درست نہیں۔ مجرم کے بچ جانے سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ کوئی بے قصور سزا پائے یہ بات خود رسول اللہ صلی علیم نے ارشاد فرمائی ہے اور نہ صرف اسلام بلکہ دنیا بھر کے مہذب قوانین میں جرم و سزا کے اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔[1]

اندیشہ ہے کہ اس سے دشمن فائدہ اٹھائے مگر اسلام یہاں بھی اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے ظاہر پر عمل کی تلقین کرتا ہے، یہ انسانی جان کے احترام کی آخری حد ہے۔ بلا تحقیق محض شبہ کی بناء پر کسی کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا درست نہیں۔ مجرم کے بچ جانے سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ کوئی بے قصور سزا پائے یہ بات خود رسول اللہ صلی اہم نے ارشاد فرمائی ہے اور نہ صرف اسلام بلکہ دنیا بھر کے مہذب قوانین میں جرم و سزا کے اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔

انتشار سے حفاظت:

قانون توہین پر عمل درآمد اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے انتشار و انار کی کم ہوتی ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک مسلمان کوئی بات پسند نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کے قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی فرد خود اس کے خلاف عملی اقدام نہ اٹھالے۔ اسی طرح بغیر کسی بات کی تصدیق کے کوئی قدم اٹھانا یہ بات بھی قابل مذمت ہے۔ قرآن کے مطابق انسان جو بات بھی اپنی زبان سے نکالتا ہے تو ایک مستعد نگران (فرشتہ) اسے محفوظ کر لیتا ہے۔ حدیث میں جلد بازی کو شیطانی کام قرار دیا ہے جس میں فوراً کسی بات پر یقین کرنا، فوری رد عمل ظاہر کرنا، فوری کارروائی، سوچ و بچار اور نتائج پر غور و فکر کے بجائے فوری جذباتی رد عمل بڑا خطرناک ثابت ہوتا ہے:

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کے آئے تو اس کی تفتیش کر لیا کرو یہ نہ کہ لاعلمی میں کوئی نقصان ہو اور پھر جو کام کیا اس پر ندامت ہو۔

---

[1] غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر ضیاء اللہ، ڈاکٹر سجاد احمد، **عصر حاضر میں توہین رسالت کے قوانین: عمل درآمد کی ضرورت، صورتیں اور عملی تدابیر**، المنھل ریسرچ جنرل، والیم 3 شمارہ 2، جولائی- ستمبر 2023ء

خود قانون ہاتھ میں لینا:

اسلامی تعلیمات کسی بھی زیادتی اور قانون شکنی کی صورت میں خود قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتیں کیونکہ ایسا عمل خود خلاف قانون ہے۔ اگر ہر شخص خود فیصلہ کرنے اور سزائیں دینے لگے تو معاشرتی امن تہ وبالا ہو جائے گا اور کئی بے گناہ اس کی بھینٹ چڑھ جائیں گے ۔ قرآن مجید نے مقتول کے اولیاء کو یہ حق تو دیا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف مقدمہ کا فریق بنے لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بطور خود قصاص کی کارروائی کرے۔ قصاص کی سزا بہر حال عدالت ہی کے ذریعہ نافذ ہو گی۔ اسلامی تعلیمات اس کی قطعا اجازت نہیں دیتیں کہ کوئی شخص شریعت کے خلاف ہونے والے کسی عمل پر خود فیصلہ کرنے بیٹھ جائے اور ہتھیار اٹھا کر لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو عین بدکاری کی حالت میں دیکھے تو کیا وہ اسے قتل نہیں کرے گا؟ آنحضرت ﷺ نے اسے ایسی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور قانون کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔[1]

غصے اور اشتعال کی فضاء کو روکنا:

غصے اور اشتعال کی فضا میں کئے گئے اقدامات بالعموم متوازن اور درست نہیں ہوتے کیونکہ اس موقع پر آدمی کی قوت فیصلہ کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ اشتعال انگیزی اور جذباتی نعرے اکثر بدامنی انتشار اور نقصان کا باعث بنتے ہیں اس لیے

رسول اللہ صلی علیم نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوتے وقت اس صحابی سے جھنڈا لے لیا جنہوں نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ آج تو جنگ کا دن ہے آج تو کعبہ کی حرمت کا حکم بھی ختم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعد کے پاس آدمی بھیج کر جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔ گویا جھنڈا حضرت سعد کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جھنڈا حضرت زبیر کے حوالے کر دیا تھا۔[2] اس اخلاقی کردار کے سامنے اور عام معافی کے اعلان سے پتھر دل موم اور خون کے پیاسے آپ کے دیوانے بن گئے[3]

---

[1] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث 5259

[2] الرحیق المختوم۔ صفحہ 1178

مذہبی جذبات و ذاتی مفادات کو قابو کرنا

بعض اوقات مذہبی جذبات، ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کے زیر اثر ہوتے ہیں اور بعض دفعہ انہیں مذہب کا نام بھی دے دیا جاتا ہے حالانکہ جنگ و جہاد میں بھی اسلام مذہبی جذبات کو اعتدال میں رکھنے کی ہدایت کرتا ہے اور مجاہد کو بھی غیظ و غضب سے مغلوب نہ ہونے کی تلقین کرتا ہے اور جنگ کو بھی اخلاقی ضابطوں کا پابند بناتے ہوئے بچوں، بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں اور جنگ سے گریز کرنے والوں کو نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے۔ پروفیسر ثریا بتول علوی لکھتی ہیں:

یہ اسی تربیت کا نتیجہ ہے، حضرت علی کافر کو بچھاڑنے کے بعد محض اس کے تھوکنے پر اسے قتل کرنے سے گریز کرتے ہیں تاکہ قتل کرنے میں نفس کی خواہش شامل نہ ہو جائے اور یہی اخلاقی کردار اس کے اسلام قبول کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ضبط نفس کا یہ مقام حاصل ہو تو جہاد اور چمکتی ہوئی تلواریں بھی میدان دعوت بن جاتی ہیں کیونکہ اسلام انتہاء پسندی کا جواب اعتدال و توازن سے، برائی کا اچھائی سے، نفرت کا محبت سے اور گالیوں کا دعاؤں سے، جوش و جذبات کا ہوش و خرد اور حکمت سے دینے کی تعلیم دیتا ہے اور جانی دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی سے منع کرتا ہے "[1]

توہین رسالت کی حوصلہ شکنی:

اس وقت نوجوان نسل کے ذہنی انتشار کا اصل سبب وہ تضادات ہیں جو ہماری سوسائٹی، ہمارے نظام تعلیم اور میڈیا کے پیدا کردہ ہیں۔ جو متوازن اور متکامل شخصیت کے بجائے کج روی کی تشکیل کا باعث بن رہے ہیں۔ ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی لکھتی ہیں:

"جب تک یہ تضاد سوسائٹی اور بالخصوص نظام سے ختم نہ ہو گا نوجوان نسل تضادات، شکوک و شبہات، ابہامات کا شکار رہے گی۔ اس کے لیے ہمیں ایک ایسے نظام تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے جو دین و دنیا کی جدائی کے سیکولر مغربی تصور کے بجائے وحدت علم کا اور محض عقل کے بجائے عقل و نقل کا جامع ہو، اخلاقی اقدار پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے علمی فورمز کی تشکیل کی ضرورت ہے جہاں مختلف سوچ رکھنے والوں کے درمیان ڈائیلاگ مکالمہ کی فضا خوشگوار ماحول میں ہو، جہاں تنقید کی حوصلہ افزائی اور تنقیص و توہین کی حوصلہ شکنی پر مبنی رویوں کو ترویج دیا جائے"۔[2]

---

[1] ثریا بتول علوی، پروفیسر، **اسلام اور توہین رسالت**، (تنظیم پبلشرز کوئٹہ، س ۲۰۱۱ء،) ص ۶۵۔

[2] سمیحہ راحیل قاضی، ڈاکٹر، **قانون توہین رسالت**، ص 71

الزام پر سزاء

کسی بھی شخص پر ذاتی وجوہات کی بنا پر توہین کا الزام لگانا نہایت ہی قبیح فعل ہے کہ اپنی ذاتی رنجشوں اور انا کی تسکین کیلئے نبی کریم ﷺ کا مبارک نام استعمال کرنا بھی نا قابل معافی فعل ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایسا الزام کسی پر عائد کرتا ہے تو اس کو ثابت کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ کا اصول ہے کہ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَىٰ عَلَيْهِ[1] کہ جس شخص نے دعوی کیا ہے اس کو ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے اور جس پر دعوی کیا گیا ہو اس پر قسم ہو گی۔ لہذا، توہین کا مقدمہ درج کروانے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو عدالت میں ثابت کرے۔ اگر وہ اپنے مقدمے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا شریعت مطہرہ میں تو کسی شخص پر بہتان لگانے کی بھی اجازت نہیں ہے چہ جائیکہ کسی پر توہین رسالت جیسے نا قابل معافی جرم کا الزام لگا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان مبارک کا مفہوم ہے جس نے کسی شخص کے متعلق ایسی باتیں کہیں (کوئی الزام لگایا، تہمت، یا غلط بات منسوب کی) جو واقعہ اس میں موجود نہیں تھیں، تو اللہ تعالی ایسے الزام عائد کرنے والے، مستم، غلط بات منسوب کرنے والے کو جہنم کی پیپ میں پھینکے گا (وہ قیامت کے دن اس کا حق رکھتا ہو گا) حتی کہ وہ اپنی ان حرکات کو (دنیوی زندگی میں) ترک کر دے (تو اس حالت میں اس کی نجات ہو سکتی ہے)[2]

مذکورہ احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص پر بہتان لگانے، جھوٹ باندھنے اور بے بنیاد الزام لگانے کی شریعت مطہرہ کسی صورت میں اجازت نہیں دیتی۔ لہذا اگر کوئی کسی پر توہین رسالت جیسے قبیح فعل کا الزام لگاتا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ اس کو ثابت کرے وگرنہ عدالت اس کو مناسب سزاء دے اور قاضی تعزیر جاری کر سکتا ہے اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ آئندہ کوئی بھی اس قانون کو اپنی ذاتیات کیلئے استعمال نہیں کرے گا۔

ماورائے عدالت قتل

جہاں تک بات ہے ماورائے عدالت قانون ہاتھ میں لینے کی تو اب اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے توہین رسالت کے مرتکبین کو قتل کیا اور جب معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے وجہ جاننے کے بعد گستاخ کے قتل کو رائیگاں جانے دیا

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، **جامع الترمذی**، (مکتبہ مصفی البابی، مصر-طبعہ ثانیہ،) ص:۱۳۴۱

[2] ابو داؤد، **سنن ابی داود**، ح:۳۵۹۷

کسی شخص کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ایسے جتنے بھی معاملات پیش آئے ان میں گستاخان عادی بھی تھے اور ان کی توہین کا معاملہ واضح بھی تھا لیکن اگر آج بھی ہر آدمی کو اس بات کی اجازت دے دی جائے تو الزامات اور قتل کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کا دل چاہے گا ذاتی عناد کی بنیاد پر توہین کا الزام لگا کر قتل کر دے گا جیسا کہ خوشاب میں ایک بینک مینیجر کو بینک سکیورٹی گارڈ نے قتل کر دیا اور بعد میں توہین مذہب کا الزام لگا دیا لیکن تحقیق کے بعد یہ واضح ہوا کہ معاملہ تو ذاتی رنجش کا تھا بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ مینیجر توہین کا مرتکب ہوا تھا تو شریعت مطہرہ کی رو سے اس پر بینہ (دلیل) پیش کرنا ہوتی ہے جو کہ وہ سوائے قاتل کے کہنے کے اور کوئی دلیل گواہ وغیرہ موجود نہیں انہی خرافات سے بچنے کیلئے کسی شہری کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور اب تو بالکل ایسا ممکن نہیں ہے جبکہ اس جرم پر باقاعدہ طور پر قانون موجود ہے تو پھر بجائے قانون ہاتھ میں لینے کے قانونی راستہ اختیار کرنا چاہیے اس حوالے سے علماء کرام کا بھی یہی موقف ہے کہ قانون ہاتھ میں نہیں لیا جائے گا گستاخ کو سزاء دینے کا اختیار حاکم کا کام ہے جب اس پر توہین کا الزام ثابت ہو جائے تو یہ عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ٹرائل کرے اور شہادتوں سے جو سزاء بنتی اسے نافذ کرے یہ انفرادی شخص کو حق نہیں ہے

خلاصہ بحث

امن، ہر مذہب اور ہر قوم کی مشترکہ ضرورت ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی کے لیے امن کا قیام نہایت ضروری ہے۔

امن و آشتی اور عدل و انصاف کا قیام ہر دور اور تمام مذاہب و ملت میں تسلیم کیا گیا ہے۔ کوئی بھی صاحب عقل و شعور اس بات کو باور نہیں کرا سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک، کوئی بھی قوم، یا کوئی بھی زمانہ امن و سلامتی کے بغیر ترقی و کامیابی کی منازل کو طے کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے سنجیدہ انسان، خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک و مذہب سے ہو، ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ملک و معاشرہ میں سکون و اطمینان کا ماحول ہو، باہم رشتوں میں مؤدت و مرحمت کا چلن ہو، تاکہ سارے لوگ پر امن طریقے سے زندگی گزاریں۔

کسی بھی ملت کے نظام اخلاق، نظام معاشرت اور تمدن کا دار و مدار ان اساسی اصولوں پر ہوتا ہے جو اس قوم میں رائج مذہب فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں مذہب ہی ایک ایسا نظام ہے جو معاشرے میں افراد کے لیے وہ سب رسم و رواج، قوانین، طرز حیات اور دیگر معاملات طے کرتا ہے اور معاشرہ انہی ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ باقی عام لوگ اسے خدا کی جانب سے عطا ہونے والی ناقابل انکار حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے منحرف ہونا گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ قوم ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہے۔ سارے تمدن کی تعمیر اور اس میں پائے جانے والے اخلاقی اوصاف انہی روایات اور نظریات پر ہے جو عوام الناس میں رائج ہوں۔ بلاشبہ وہ قوت مذہب ہی ہے جو مختلف قسم کے معاشرے وجود میں لاتی ہے

انسانی تعلقات کا مسئلہ سماج کا سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت اور نزاکت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ سماج میں مختلف افکار و نظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے ساتھ رہتے ہوں۔ ان کا طرز حیات اور ان کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے الگ ہو۔ اس صورت حال میں ظلم و زیادتی حق تلفی اور ناانصافی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں فکری تعصبات، ذاتی اور قومی رجحانات اور سماجی عوامل رکاوٹ بنے لگتے ہیں۔ اس پر قابو پانا ہر مہذب اور صالح سماج کی اولین ضرورت ہے۔

آج دنیا میں تحمل اور بردباری سے محرومی یعنی عدم برداشت انسانی معاشرے میں ایک خطرناک رخ اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ جس کے سبب وحشت اور دہشت کے سائے سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ ہیجان خیزی اور شورش پسندی کے باعث کہیں مذہب کو بنیاد بنا کر اور کہیں سیاسی گروہ بندی کے حوالے سے تشدد کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ معمولی معمولی باتوں انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

دنیامیں موجود تمام بڑے مذاہب کا معروضی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انسانیت کو باہم جوڑنے کی بنیادی قدریں مشترک ہی نہیں بلکہ ان کا حکم بھی ایک جیساہی ہے۔ سچائی، عدل وانصاف، وفاشعاری، ایفائے عہد، فرض شناسی، احساس ذمہ داری، نظم و ضبط، امداد باہمی، اخوت و بھائی چارہ اور اتفاق واتحاد جیسے اوصاف بین المذاہب انفرادی و اجتماعی تعلقات استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں

سامی ادیان میں سے ہر ایک مذہب میں دیگر مذاہب کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر تعلقات قائم کرنے اور معاملات طے کرنے کے سلسلے میں آداب و شرائط موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ہر مذہب کے پیروکار پر ان تمام اصول و حکم کی پاسداری کرنالازم ہے جو دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات رکھنے کے لیے انتہائی ناگزیر ہیں۔

مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں اختلاف اور نااتفاقی کے کچھ وجوہات ہیں جن کی بناء میں آپس میں اتحاد کی کوششیں کامیاب ثابت نہیں ہوتی ان میں میں ایک اہم وجہ اور سبب یہ کہ ہر مذہب کاماننے والا اپنے مذہب کی باتوں کو سچاماننے اور ان پر یقین رکھنے، اپنے اسلاف اور بزرگوں کو ہر ایک سے بہتر اور برتر سمجھتے ہوئے دوسروں پر اپنے مذہب کے نفاذ میں سختی اور مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، طاقت اور سرمایہ کے ذریعے دوسروں کو اپناہمنوابنایاجاتا ہے، دوسروں کے مذہبی خیالات پر اور پیشواؤں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ان کے رسوم ورواج کو حقیر جاننے، دیگر مذاہب کے لوگوں کے مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا، حالانکہ دونوں کا ایک دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں، کوئی بھی مذہب دوسرے مذاہب کو حقیر یا اس کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دیتا۔

کیونکہ اگر ایک انسان اپنے عقیدہ کو درست اور دوسرے کو غلط سمجھتاہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ میں دوسرے عقیدے کے لوگوں کو برا بھلا کہوں اور ان کا مذاق اڑاؤں، اسی طرح اگر میں اپنے مذہب کو صحیح سمجھتاہوں تو مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ میں دوسروں پر اپنی رائے یا عقیدہ زبردستی مسلّط کروں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ انسانیت، جمہوری روایات اور خود اپنے مذہب کے اعلٰی قدروں کی بے حرمتی کرے گا جو انسانی احترام کا درس دیتا ہے

دنیا میں مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگ بستے ہیں، اور ہر مذہب کے پیروکار اپنے عقائد، رسوم اور مقدسات کی نہایت عزت اور احترام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام اور بین المذاہب ہم آہنگی ہی وہ راستہ ہے جو دنیا میں امن، رواداری اور محبت کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

مقدسات کا احترام مذاہب کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے، جس کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کے قریب آ سکتے ہیں اور مشترکہ قدروں اور اصولوں کی بنیاد پر تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جہاں مذاہب کے پیروکاروں نے ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام کرتے ہوئے دوستی اور تعاون کی مثالیں قائم کیں ہیں۔

نتائج بحث

1۔ دنیا کے ہر کونے میں پائے جانے والے افراد کی کثرت کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے نیز تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر دور میں بنی نوع انسان کسی نہ کسی مذہب کی پیروی کرتے رہے ہیں۔

2۔ مذاہب عالم کی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تمام مذاہب امن و آشتی کا درس دیتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب کی تعلیمات میں کسی نہ کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جیسا کہ دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات میں قتل، چوری، زنا اور لڑائی جھگڑے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور تمام قسم کی اچھائیوں کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

3۔ دنیا کے ہر مذہب میں بعض چیزیں نہایت مقدس و متبرک مانی جاتی ہیں جنہیں مقدسات کہا جاتا ہے ہر مذہب نے مذہبی مقدسات کو بہت اہمیت دی ہے ہر دین کے پیروکار اپنے بانیان مذاہب کے احترام اور اعزاز کے قائل ہیں۔

4۔ مقدسات کا احترام مذاہب کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے، جس کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اور مشترکہ قدروں اور اصولوں کی بنیاد پر تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔

5۔ عالمی سطح پر بین المذاہب مکالمے کے فروغ میں بھی تکریمِ مقدسات اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مختلف ممالک اور اقوام کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے بین المذاہب مکالمہ اور تعاون ضروری ہوتا ہے۔ جب مختلف مذہبی رہنما اور پیروکار ایک دوسرے کے عقائد اور مقدسات کا احترام کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف امن کو فروغ ملتا ہے بلکہ معاشرتی اور سیاسی تعلقات میں بھی بہتری آتی ہے۔

6۔ مذاہب عالم میں مقدسات کی توہین قابل مذمت و قابل گرفت عمل ہے نیز بعض مذاہب نے تقدس اور احترام کو پامال کرنے کی صورت میں مختلف سزائیں مقرر کی ہیں۔

7۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے نہ صرف اسلام کے شعائر اور حرمات اللہ کے احترام اور تقدس کا حکم دیا بلکہ دیگر مذاہب کے مقدسات کی توہین کی ممانعت فرمائی ہے۔

8۔ ہر مذہب آزادی رائے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد وضاحت طلب کرنا یا اپنے مقصد کے لیے تبادلہ خیال کرنا ہو، نہ کہ دوسرے مذاہب کے بانیان یا الہامی کتب کی توہین کرنا ہو۔ ایسی آزادی رائے اور گفتگو جس سے معاشرے میں انتشار برپا ہونے کا خدشہ لاحق ہو کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہے۔

9۔ اگر آج تمام مذاہب کے ماننے والے اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر تمام مذاہب کی مقدسات کو تحفظ دیں اور ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہونے کا موقع دیں تو دنیا ایک بار پھر امن و امان کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

تجاویز وسفارشات

1۔ مذاہب عالم کی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تمام مذاہب امن وآشتی کا درس دیتے ہیں لہذا تمام مذاہب کے پیروکاروں کو چاہیے اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تاکہ پرامن بقائے باہمی کا قیام ممکن ہو سکے۔

2۔ دنیا کے تمام مذاہب میں تقدیس کا تصور موجود ہے لہذا اس حوالے سے نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر ضروری قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے بنیادی چارٹر کا بھی تقاضا ہے کہ تمام مذاہب اور انبیاء کی حرمت کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی قوانین بنائے جائیں اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔

3۔ پاکستان میں تمام مذاہب کے مستند علماء بورڈ کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ مذہبی معاملات پر غیر جانبدارانہ اور شرعی بنیادوں پر فیصلے کیے جا سکیں۔ اس سے غیر ضروری الزامات اور تنازعات سے بچا جا سکے گا۔

4۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو چاہیے کہ قانون پر فوری عملدرآمد کروائیں تاکہ کسی بھی پیش آنے والے ناخوش گوار واقعہ کا قبل از وقت تدارک ممکن ہو سکے۔

5۔ اگر کوئی شخص ذاتی دشمنی کی بنیاد پر توہین رسالت کے قانون کا غلط استعمال کرتا ہے تو ایسا شخص سزاء کا مستحق ہے اسے قانون کے مطابق سزا دی جاے نیز اگر عدالت میں کوئی شخص توہین مذہب کا مرتکب ثابت ہو جاتا ہے تو عدالت اس پر قانونی سزا کا نفاذ کرے قطع نظر اس کے کہ اس شخص کا تعلق کس مذہب سے ہے۔

6۔ آزادی اظہار رائے کی آڑ میں توہین رسالت اور توہین مذہب انتہائی سنگین جرم ہے جس کے سدباب کے لیے نہ صرف ملکی سطح پر قانون کو مؤثر بنانے کی ضرورت ہے بلکہ عالمی سطح پر قانون سازی کی اشد ضرورت ہے۔

7۔ مذہبی مقدسات کی تعظیم وتکریم اور ان کی مذہبی حساسیت کو اجاگر کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے لہذا علماء کرام اور تعلیمی ادارے عوام الناس کو اپنے مذہبی مقدسات کی تعظیم وتکریم کا درس دینے کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے مقدسات کی توہین کی ممانعت سے بھی روشناس کرائیں۔

8۔ "توہین مذہب کے اسباب ومحرکات اور بین المذاہب تعلقات پر اس کے اثرات اور تکریم مقدسات کے سماجی تعلقات پر اثرات" جیسے موضوعات پر تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔

فہرست آیات مبارکہ

نمبر شمار	آیات	سورہ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ	البقرہ	30	163
2	إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ	البقرہ	117	36
3	رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا	البقرہ	126	26
4	لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ	البقرہ	156	100
5	" وإن كُنتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا	البقرہ	283	28
6	إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ	آل عمران	19	16
7	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ	آل عمران	118	121
8	وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ	آل عمران	134	107
9	يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً	النساء	1	98
10	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا	النساء	140	175
11	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُود	المائدہ	1	64
12	الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ	المائدہ	5	101
13	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	المائدہ	8	60
14	يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ	المائدہ	21	164
15	مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا	المائدہ	32	30
16	إِنَّمَا جَزَآءُ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوْ يُصَلَّبُوٓاْ	المائدہ	33	91
17	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ	المائدہ	51	100
18	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا	المائدہ	57	103
19	وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ	المائدہ	61	103
20	لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا	المائدہ	82	101
21	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ	الانعام	82	30

22	وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللهِ فيسبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ	الانعام	108	61
23	قُلْ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِلَى رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً نِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ والأرض	الاعراف	158	99
24	وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ	الاعراف	172	20
25	خُذِ الْعَفْوَ وَأَمُرْ بِالْعُرْفِ	الاعراف	199	99
62	فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ	الانفال	12	178
27	فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ	التوبہ	5	104
28	كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ	التوبہ	8	105
29	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ	التوبہ	28	104
30	قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ	التوبہ	29	104
31	يَحْذَرُ الْمُشْفِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ	التوبہ	64	178
32	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ	التوبہ	65	167
33	لَا تَعْتَذِرُواقَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ	التوبہ	66	167
34	يَآَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ	التوبہ	73	104
35	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً	التوبہ	123	105
36	فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيل	الحجر	85	100
37	وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيم	الحجر	87	173
38	أدع إلى سبيل رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنَ	النحل	125	100
39	وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِۚ-اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـٴُـوْلًا	الاسراء	34	64
40	وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ	الاسراء	70	58
41	إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ	الانبياء	98	170
42	وَمَا أَرْسَلْنَكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ	الانبياء	104	107
43	﴿ذَلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾	الحج	32	1
44	وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ	الحج	40	62

64	8	المؤمنون	وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ	45
27	24	النور	وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ	46
102	46	العنکبوت	وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	47
20	30	الروم	فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًاؕ	48
167	57	الاحزاب	إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا	49
177	61	الاحزاب	مَلعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيلًا	50
19	24	الفاطر	وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ	51
98	13	الحجرات	يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنُكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَابِلَ لِتَعَارَفُوا	52
178	20	المجادله	إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّوْنَ اللهَ وَرَسُولَهٗٓ أُولَبِكَ فِي الْأَذَلِينَ	53
60	8	الممتحنہ	لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	54
107	10	المزمل	وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلاً	55
27	4	القريش	وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ	56
17	6	الکفرون	لَكُمْ دِينَكُمْ وَلِيَ دِينِ	57

فہرست احادیث مبارکہ

نمبر شمار	متن	کتاب کا نام	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
1.	أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُو	صحیح بخاری	4990	206
2.	أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	ابو داؤ	3052	118
3.	أن النبي ﷺ اشترى طعاما من يهودي إلى أجل، ورهنه درعا من حديد	ابو داؤد	2068	117
4.	ان كسرى اهدى له فقبل و ان الملوك اهدوا اليه فقبل منهم	جامع ترمذی	1576	157
5.	أَنَّ يَهُودِيًّا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ إِلَى خُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، فَأَجَابَهُ	مسند احمد	13201	116
6.	الخلق كلهم عيال الله وأحب خلقه إليه أنفعهم لعياله	مسند ابو یعلیٰ	3315	123
7.	الدِّينُ النَّصِيحَةُ	جامع ترمذی	1962	122
8.	كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ	صحیح بخاری	1356	136
9.	كل مولود يولد على الفطرة	صحیح بخاری	1358	50
10.	لا يجتمع دينان في جزيرة العرب	مؤطا امام مالک	1388	132
11.	الله الله في أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي	مسند احمد	1680	212
12.	اللهمَّ أَهِلَّهُ علينا بالأمن والإيمان، وَالسَّلامَةِ وَالإسلامِ، ربِّي وربُّكَ اللهُ	جامع ترمذی	3451	51
13.	الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ	صحیح بخاری	65	208
14.	من دخل دار ابي سفيان فهو امن	صحیح مسلم	4624	139
15.	مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوهُ ومن سب أصحابي فاضربوه	طبرانی	659	213
16.	مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا	صحیح بخاری	3166	91
17.	ولا تَحْرِقُوا كَنِيسَةً، وَلا تَعْقِرُوا نَخْلًا	المصنف	9430	254

فہرست آیات بائبل

نمبر شمار	متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1.	" کسی عورت کی جانب شہوت زدہ نظروں سے دیکھنا ہی زناکاری کے مترادف ہے	متی28:5	80
2.	"اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے، وہ لازماً مار ڈالا جائے	خروج21:51	76
3.	"اے یہوداہ کے بادشاہ !تُو، تیرے حکام اور تیرے لوگ، جو ان پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہیں، تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی سے کام کرو	یرمیاہ22:2	110
4.	"تمہیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہیئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا چاہیئے	خروج23:6	110
5.	"تمہیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہیئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا چاہیئے	خروج23:6	117
6.	اس پر افسوس جو قبضہ کو خون ریزی سے اور شہر کو بدکرداری سے تعمیر کرتا ہے	حقوق12:2	82
7.	اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبت نہ رکھوں تو میں ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانج ہوں	کرنتھیوں23:13	169
8.	امن کے لیے کام کرو، امن کی کوششوں میں لگے رہو جب تک اسے پا نہ لو	زبور34:14	71
9.	اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے	احبار16:24	248
10.	تم اپنے باپ کے جو آسمان پر بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے	متی46:5	113
11.	تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کریگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا	متی21:5	117
12.	تم میرے سبتوں کو ماننا اور میرے مقدس کی تعظیم کرنا۔ میں خداوند ہوں	احبار2:26	249

.13	تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اپنے پڑوسی کے گھر یا کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھے یا اس کی کسی اور چیز کا خواہاں نہ ہونا	استثنیٰ 5:17-21	81
.14	تو اپنی ہی نگاہ میں دانشمند نہ بن، خداوند سے ڈر اور بدی سے کنارہ کر	امثال 3:7	82
.15	تو خون نہ کرنا، تو زنا نہ کرنا، تو چوری نہ کرنا، تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا	استثنیٰ 5:20	81
.16	جب تیرا دشمن گر جائے تو خوشی نہ منانا اور جب وہ ٹھوکر کھائے تو تیرا دل شادمان نہ ہو، ممکن ہے کہ خداوند تیرے رویے کو ناپسند فرمائے اور اپنا غضب اس پر سے ہٹالے۔	امثال 24:17-18	119
.17	جو امن وامان کے لیے کام کرتے ہیں، خوشی پائیں گے	امثال 12:20	71
.18	جو پاک "روح" کے خلاف کفر بکے گا اسے نہیں بخشا جاے گا	انجیل، لوقا 10:22	31
.19	جو شخص سبت کے دن کوئی کام کرے وہ ضرور مارڈالا جائے	خروج 22:28	250
.20	جو کوئی خدا سے محبت رکھے اسے چاہیئے کہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے	متی 5:9	79
.21	خدا حکم راں ہے.....وہ اپنی سلطنت میں امن وامان قائم کرتا ہے	ایوب 2:25	71
.22	شریروں کے گھر پر خدا کی لعنت ہے لیکن صادقوں کے مسکن پر اس کی برکت ہے	امثال 3:33	82
.23	شریروں نے میرے لئے پھندا لگایا ہے لیکن میں نے تیرے فرمانوں کو نہیں بھلایا	زبور 119:110	255
.24	کامل آدمی پر نگاہ کر اور راست باز کو دیکھ، کیونکہ صلح دوست آدمی کے لیے اجر ہے	زبور 37:37	75
.25	کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارے لیے کیا اجر ہے کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟	متی 5:47	114
.26	مبارک ہیں وہ لوگ جو صلح کراتے ہیں وہ تو خدا کے بیٹے کہلائیں گے	متی 23:23	80
.27	مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہو گا	جو قا 6:35	172
.28	میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو	متی 5:45	114

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
.1	امن	63
.2	اہنسا	122
.3	بیعہ	284
.4	پنج شیل	85
.5	تقدیس	222
.6	توہین(Blasphemy)	248
.7	دین	48
.8	صومعہ	284
.9	مذہب	45
.10	معاہد	102
.11	مقدسات	222
.12	نروان	123
.13	یگیہ	122

مصادر و مراجع (Sources)

قرآن مجید

بائبل (اردو ایڈیشن)، انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، کلوریڈو، امریکہ، 2005ء

چاروں وید

تری پٹک (Tipitaka)

گرو گرنتھ صاحب

عربی کتب

1. ابراہیم انیس، المعجم الوسیط،، القاہرہ: المکتبۃ العلمیۃ، ۱۳۹۲
2. ابراہیم مصطفی، المعجم الوسیط، مترجم ابن سرور محمد حسین، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن
3. ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، لبنان، 1958ء
4. ابن سعد، أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی، الطبقات الکبری، محقق: احسان عباس، بیروت: دار صادر، 1968ء
5. ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دار صادر، 1300ھ
6. ابو یعلیٰ، احمد بن علی، المسند، دار المامون للتراث، 1984ء،
7. احمد بن حنبل، الإمام أحمد بن حنبل، المسند، بیروت: الناشر مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء
8. احمد دیدات، شیخ۔ یہودیت، مسیحیت اور اسلام، مترجم: مصباح اکرم، لاہور: عبداللہ اکیڈمی 2010
9. امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، بیروت: المکتبۃ الأزھریۃ للتراث، س ن
10. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تحقیق: محمد زبیر بن ناصر الناصر، بیروت: دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1422ھ
11. بغوی، محی السنۃ، أبو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، بیروت :واراحیاء التراث العربي، 1420ھ
12. بلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، بیروت دارو و مکتبۃ الھلال، 1998ء
13. بیہقی، حسین بن علی، شعب الایمان، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، س ن،

14. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی بن الضحاک تحقیق: بشار عواد معروف بیروت: دار الغرب الاسلامی - طبع 1998ء

15. الحاوي الكبير المؤلف: أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الماوردي ، الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت لبنان 1419ھ

16. حسین بن محمد بکری، تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، بیروت: دار صادر،

17. الدکتور یوسف القرضاوی، القلیات الدینیة والحل في الاسلام، بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۹ء

18. ڈاکٹر اسرائیل، تاریخ الیھود فی بلاد العرب، مصر: مطبعۃ الاعتماد، طبع: 1937ء

19. راغب اصفھانی، مفردات القرآن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۹۲ء

20. زمحشری، ابو القاسم محمد بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، دار الکتاب العربی ، بیروت، لبنان، س ن

21. سلیمان بن اشعث ابوداؤد، السنن، تحقیق۔ شعَيب الأرنؤوط، محمَّد كامل قره بللي، بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009ء

22. الشيباني، ابوعبد اللہ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، عالم الکتب، بیروت، س ن

23. الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، تحقیق حبیب الرحمن اعظمی،، المجلس العلمی ہند، 1403ھ

24. الصنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، مصنف عبد الرزاق، المکتب الاسلامی بیروت لبنان، المکتب الاسلامی، طبع دوم، 1403ھ

25. طبري، أبو جعفر محمد بن جرير، جامع البيان في تأويل القرآن، مكة المكرمة: دار التربية والتراث، س ن

26. طبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الاملی، جامع البیان عن تأویل آی القرآن تحقیق: احمد محمد شاکر، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الاولی، 1420ھ

27. عبد الحفیظ بلیلاوی، مصباح اللغات علمی کتب خانہ، لاہور ۲۰۰۲ء

28. عثمانی، خلیل اشرف المنجد، دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

29. عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، 2000

30. علی المتقی الھندی، کنز العمال في سنن الاقوال والافعال، بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۷۹ء

31. علی بن حسین ہندی، کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1981ء

32. غوستاف لوبون، حضارۃ العرب، بیروت: مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ، ۲۰۱۲ء

33. فخر الدین رازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، س ن

34. القرشي، یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، مطبع المکیہ العلمیہ لاہور، س ن
35. لجنة من علماء الحرمين، فتاوى الشبكة الاسلامية، الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعوديہ
36. لطفی عبد البدیع، الاسلام في اسبانيا، قاهره: مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر، ۲۰۰۲ء
37. مارغریتالوبیز غومیز المستعربون: نقلة الحضارة الاسلاميه بنی الاندلس، بیروت: مرکز دراسات الوحدة العربية (۱۹۹۷ء)،
38. محمد بن جرير الطبري، تاريخ الامم والملوک، بیروت: دار الکتب العلمية، ۱۹۹۸ء
39. محمد بن عبد الجبار العتبي، اليميني، ایران: مرکز نشر میراث، ۱۹۸۸ء
40. محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعة الوثائق السياسية المحمد النبوي والخلافة الراشدة بيروت: دار النفائس، طبع 1407ھ،
41. مرتضى الزبيدي، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس، بیروت: دار الهداية، س ن،
42. مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، محافظ اردو بک ڈپو منصور نگر نیا محل لکھنو، فروری 1968ء
43. موطا امام مالک، مالک بن انس، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۹
44. نسفی، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد مدارک التنزيل وحقائق التأويل، بیروت: دار الکلم الطیب، الطبعة: الأولى، 1419ھ
45. النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود، مدارک التنزيل وحقائق التاويل، مکتبة نزار مصطفى الباز، بیروت،
46. نووی، یحی بن شرف نووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1392ھ
47. نووی، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف التبيان في آداب حملة القرآن، بیروت: دار ابن حزم للطباعة والنشر
48. واقدی، محمد بن عمر بن واقد السهمي، فتوح الشام، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولى 1417ھ
49. یحی بن شرف نووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1392ھ
50. یوسف بن تغری النجوم الزاهرة في ملوک مصر والقاهرة، مصر: المؤسسة المصرية، س ن

اردو کتب

1. ابو تراب، حبیب الحق کاظمی، تحفظ ناموس رسالت (اسلامی وعالمی قانون)، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، دسمبر 2020ء
2. احمد شبلی، ڈاکٹر، مقارنتہ الادیان المسیحۃ المصریہ، مکتبہ النھضتہ، 1960ء
3. محمد اسلم صدیقی، قرن اول میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات ومعاہدات اور عصر حاضر، PhD))، نگران مقالہ: ڈاکٹر حافظ محمود اختر، جامعہ پنجاب لاہور، 2002ء
4. اعظمی، عبد الرب، اقلیتوں کے حقوق اور اسلاموفوبیا، ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی، جون 2011ء،

5. ام عبد منیب، تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم، مشربہ علم وحکمت لاہور، س ۲۰۱۴

6. انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ اسلامیات، کراچی، س ن

7. ایچ۔ پولانو، (اردو ترجمہ سٹیفن بشیر)، تالمود، گجرانوالہ، مکتبہ عناویم پاکستان ۲۰۰۳ء

8. بستوی، شوکت علی قاسمی، اسلامی رواداری قرآن وحدیث اور تاریخی شواہد کی روشنی میں، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند 2011ء

9. بین المذاہب تعلقات: سامی ادیان کی تعلیمات کا تجزیہ، (PhD) مقالہ نگار، حافظ محمد وسیم عباس، نگران۔ ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ، 2020ء

10. تقی عثمانی، مولانا، مسیحیت کیا ہے، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۷۶ء

11. ثریا بتول علوی، پروفیسر، اسلام اور توہین رسالت، تنظیم پبلشرز کوئٹہ، ۲۰۱۱ء

12. جلالپوری، علی عباس، کائنات اور انسان، تخلیقات، لاہور، 2011ء

13. حافظ محمد نوید۔ ڈاکٹر محمد ریاض محمود، مسلم معاشرے میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی روایت۔ عصری تطبیقات، مجلہ ایقان، جلد 3، شمارہ 1 دسمبر 2020ء

14. حکیم ظل الرحمن، آئینہ اورنگ زیب، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء

15. حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، 2007ء

16. ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد، اورنگ زیب ایک نیاز اویہ نظر، مترجم: فیضان رشید، پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۴ء

17. ڈاکٹر بی این پانڈے، ہندو مندر اور اورنگ زیب عالمگیر کے فرامین، نئی دہلی: مولانا آزاد اکیڈمی، ۱۹۹۴ء

18. ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، کراچی: دارالاشاعت، س ن

19. ڈاکٹر حفصہ نسرین، مذاہب عالم ایک نظر میں، عبد اللہ برادرز اولمپک پلازہ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور، س ن

20. ڈاکٹر عبد الجبار الجومرد، خلیفہ ابو جعفر منصور، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۳ء

21. ڈاکٹر محمود احمد غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، کراچی دارالعلم والتحقیق، 2012ء

22. ڈاکٹر، اسلام میں انسانی حقوق، محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز ماڈل ٹاؤن لاہور، 2004ء

23. ڈاکٹر، حمید اللہ، پیغمبر امن، مکتبہ دانیال، اردو بازار لاہور، جنوری 2010ء

24. رئیس احمد جعفری، خلیفہ ہارون الرشید اور ان کا عہد، لاہور: لنک شاپ، ۲۰۱۸ء

25. سمیحہ راحیل قاضی، ڈاکٹر، قانون توہین رسالت، ویمن کمیشن جماعت اسلامی پاکستان، منصورہ ملتان روڈ لاہور، س ن
26. سید صباح الدین عبد الرحمن، ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، عظم گڑھ: دار المصنفین ۲۰۰۹ء
27. شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، دار الجیل بیروت لبنان، 2005ء
28. شبلی نعمانی، الفاروق، الفیصل ناشران و تاجران کتب، طبع: 2002ء،
29. شبلی نعمانی، مضامین عالمگیر، کانپور: مطبوعہ مطبع انتظامی واقع، ۱۹۱۱ء
30. شبلی نعمانی، مقالات شبلی، اعظم گڑھ: دار المصنفین، س ن
31. صدیقی، مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۶ء
32. عاصی، عمانویل، غریبوں کا مقدمہ، گجرانوالہ، مکتبہ عنادیم، ۱۹۸۹ء
33. علوی، امیر احمد، منشی، گوتم بدھ، دار الناظر پریس، لکھنو، 1923ء
34. غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر ضیاء اللہ، ڈاکٹر سجاد احمد، عصر حاضر میں توہین رسالت کے قوانین: عمل درآمد کی ضرورت، صورتیں اور عملی تدابیر، المنہل ریسرچ جنرل، والیم 3 شمارہ 2، جولائی- ستمبر 2023ء
35. فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذاہب، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰ء
36. فہمی، مفتی شوکت علی، ہندوستان پر اسلامی حکومت، سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2005ء
37. فیروز اللغات، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز اردو بازار لاہور، س ن
38. القادری، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات، منہاج القرآن پبلیکیشنز، جون 2020ء
39. کرشن کمار، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، مترجم پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز لاہور، 2002ء،
40. کیانی کرتار سنگھ کوئل، بابا گرونانک دیو جی اور ان کی مقدس تعلیمات، سرینگر، شالیمار آرٹ پریس، 1972ء
41. گوربچن سنگھ طالب، گورونانک، مترجم: پریم کمار نظر، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، س ن،
42. مبارکپوری صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، لاہور المکتبۃ السلفیہ 1424ھ 2003ء
43. محمد ایوب خان نجیب آبادی، عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں،، نجیب آباد، یوپی: مینجر مکتبہ عبرت ۱۹۳۸۰ء
44. محمد حفیظ اللہ، اسلام اور غیر مسلم، پٹنہ: مسلم اکیڈمی، ۱۹۵۵ء
45. محمد صدیق قریشی 'کشافِ اصطلاحات سیاسیات، مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۸۶ء

46. محمد عرفان ،دینی مقدسات کی حرمت ،سیرت نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ (PhD)، نگران ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2016ء
47. محمد متین خالد، ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مغرب کی شر انگیزیاں، علم و عرفان پبلیشرز لاہور، سن ۲۰۱۶ء
48. مرزا بہادر یار جنگ، حکومت اورنگ زیب کی اصلی تاریخ، دہلی: جمال پرنٹنگ ورکس، ۱۹۳۸ء
49. المسدوسی، احمد عبد اللہ، مذاہب عالم، کراچی، مکتبہ خدام ملت، ۱۹۸۵ء
50. منوسمرتی اردو ترجمہ و نوٹ مترجم: کرپارام شرما جگرانوی ویدک دھرم پریس دھلی۔
51. منوسمرتی کی مع ترجمہ اردو مرتبہ علالہ سوامی دیال صاحب بار دوم مطبع منشی نول کشور مقام کانپور
52. مودودی، سید ابولاعلی، تفہیم القرآن، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، 1972ء
53. مورلیوس (مترجمیا سر جواد، سعدیہ جواد)، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور نگارشات، 2000ء
54. مولانا وحید الدین خان، اسلام دورِ جدید کا خالق، فضلی سنز اردو بازار کراچی، 1990ء
55. وحید الدین خان، علمِ جدید کا چیلنج، کراچی، شکیل پرنٹنگ پریس، 1992

English Books

1. Devinder Pal Singh, "Inter faith dialogue, A Perspective from Sikhism", (Institute of Sikh Studies, chandigarh, india), , Oct 2020,
2. Halsbury's laws of England. Butterwords London, 1975,
3. Hardev Singh Virk, Inter faith dialogues, A Sikh Perspective, ch#1 (New Dehli: Guru nanak foundation, 2020
4. Kazi Nurul Islam, "Guru Granth Sahib: A Model For Interfaith Understanding", (15June 2011
5. London,. 1989,
6. Lord Eversley, The Turkish Empire (Lahore, Premier Book House, 1995),
7. P.P.C., M. Mehmood, Al Qanoon publishers, 2 Mazang Road Lahore
8. Rig-Veda, Translated by Ralph T.H. Griffith, [1896] Publisher: Evinity Publishing Inc; 1.0 edition (March 11, 2009
9. Srimad Bhagavatam Author: A.C. Bhaktivedanta Swami Prabhupada, Publisher: Bhaktivedanta Book Trust (November 1987)
10. Sukhbir Singh Kapoor Dr., The Sikh Religion and the Sikh People (Delhi: Hemkunt Publishers, 2011
11. T. W. Arnold, The Preaching of Islam, .

12. The Book of The Discipline (VINAYA-PITAKA), vol. ii (SUTTA VIBHANGA) Translated by: I. B. Horner, M.A., Published by: The pali text society Oxford 2004,
13. the encyclopedia of America, Grolier incorporated 1987
14. The Gospel of Buddha, compiled from ancient records by: Paul Carus, illustrated by: Kopetzky Chicago and London, The open court publishing company 1915,
15. The Hymns of the Atharvaveda translated. by Ralph T.H. Griffith -Publisher: Evinity Publishing Inc; 1.0 edition (April 16, 2009
16. The Indian Penal Code, Act xlv of 1860, Sec, 153A, vol.1, Crishen Lal & co, Calcutta, 1929
17. The Oxford English Dictionary, Oxford: Second Edition, Clarendon Press Publishers,
18. Thomson Gale, Encyclopedia of Religions, New Yark, 2nd Edition,

Websites

1. https://scholar.google.com/
2. https://asianindexing.com/
3. https://iri.iiu.edu.pk
4. http://shamela.ws/
5. https://www.dawnnews.tv
6. https://www.urduvoa.com